عصمت چغتائی اور جین آسٹین

(''ٹیڑھی لکیر''اور''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' کے آئینے میں)

مصنف
محبوب حسن

پیش کش: اردو فکشن ڈاٹ کام

نام کتاب	:	عصمت چغتائی اور جین آسٹین
مصنف و ناشر	:	محبوب حسن
مستقل پتہ	:	Vill. Nevazganj, Post Shikarganj-Chakia, Distt. Chandauli, U.P. 232103
موجودہ پتہ	:	Room No. 131-E, Bramhputra Hostel, J.N.U. New Delhi-110067
موبائل	:	+91 8527818385
ای۔میل	:	mahboobafaqi@gmail.com
تعداد	:	400
مطبع	:	ایچ.ایس.آفسیٹ پرنٹرس، دہلی
زیر اہتمام	:	عرشیہ پبلی کیشنز
سرورق	:	اظہار احمد ندیم

arshia publications
A-170, Ground Floor-3, Surya Apartment, Dilshad Colony, Delhi - 110095 (INDIA)
Mob: (0) 9899706640, 9971775969 Email: arshiapublicationspvt@gmail.com

انتساب

امّاں ابّا کے نام

جن کی شفقت و محبّت کا کوئی بدل نہیں

فہرست

پہلی بات: 9-12

باب اول: سوانحی کوائف اور شخصیت کی تشکیل 13-52

- عصمت چغتائی کے سوانحی کوائف
- عصمت چغتائی کی شخصیت کے تشکیلی عناصر
- جین آسٹین کے سوانحی کوائف
- جین آسٹین کی شخصیت کے تشکیلی عناصر
- عصمت اور آسٹین کے سوانحی کوائف کا تقابلی مطالعہ

باب دوم: ٹیڑھی لکیر اور پرائیڈ اینڈ پریجوڈس کا موضوعاتی مطالعہ 53-119

- ٹیڑھی لکیر کا موضوع
- پرائیڈ اینڈ پریجوڈس کا موضوع
- عصمت کے یہاں موضوع کا ٹریٹمنٹ
- جین آسٹین کے یہاں موضوع کا ٹریٹمنٹ
- دونوں ناولوں کے موضوعات کا تقابلی مطالعہ

باب سوم: ٹیڑھی لکیر اور پرائیڈ اینڈ پریجوڈس کا فنی مطالعہ 121-208

پہلی بات

ادب سماج کا آئینہ ہے۔ایک ایسا آئینہ جس میں انسانی زندگی کی حقیقی تصویر ابھرتی ہے۔ اس میں جہاں صدیوں پرانے نقوش ابھرتے ہیں وہیں عصری زندگی بھی ہچکولے کھاتی ہوئی نظر آتی ہے۔ناول ادب کا ایک ناگزیر حصہ ہے۔ناول اپنے بعض فنی وفکری امتیازات کے سبب ہمیشہ سے ہماری توجہ کا مرکز رہا ہے۔دراصل یہ صنف ایک ایسا صاف وشفاف آئینہ ہے،جس میں انسانی زندگی اپنے تمام تر لوازمات کے ساتھ سانس لیتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔

دنیا کی بیشتر زبان وادب میں ناول نگاری کی روایت رہی ہے۔انگریزی میں اس کی روایت خاصی پرانی ہے۔ اس میں بڑے بڑے قلم کاروں نے اپنے شاہکار پیش کیے۔ Richardson, Goldsmith, Walter Scott, Jane Austen, Charles Dickens, Thomas Hardy, Virginia Woolf, D.H. Lawrence, Huxley, James Joyce. وغیرہ نے انگریزی ناول نگاری کو فکر وفن کے نئے نئے اسالیب سے روشناس کرایا۔

اردو میں بھی ناول نگاری کی ایک مستحکم روایت رہی ہے۔اردو میں ناول انگریزی ادب کے زیر اثر آیا۔ اردو ناول نگاری میں فکر وفن کے نت نئے تجربے انگریزی ناول نگاری کی مرہون منت ہے۔یہی وجہ ہے کہ اردو ناولوں میں انگریزی ناولوں کے اثرات جا بجا نظر آتے ہیں۔ مولوی نذیر احمد رتن ناتھ سرشار،عبدالحلیم شرر، مرزا رسوا، پریم چند،عصمت چغتائی، کرشن چندر،عزیز احمد، سجاد ظہیر،قرۃ العین حیدر، قاضی عبدالستار، خدیجہ مستور، حیات اللہ انصاری، انتظار حسین، جیلانی

بانو، انور سجاد وغیرہ نے اردو ناول نگاری کی روایت کو استحکام بخشا۔

جین آسٹین انگریزی کی ایک ممتاز خاتون ناول نگار ہیں۔ "Pride and Prejudice" ان کا شاہکار اور اہم ترین کارنامہ ہے۔ اس کے علاوہ بھی انھوں نے کئی اہم ناول لکھے ہیں۔ تقریباً دو صدی گزر جانے کے بعد بھی ان کی ادبی مقبولیت میں ذرہ برابر کمی نہیں آئی۔ انھوں نے جنوبی انگلستان کی دیہی و شہری تہذیب و ثقافت کو اپنے ناولوں میں پیش کیا ہے۔ شادی بیاہ اور حسن و عشق ان کی تخلیقی کائنات کے خاص اور پسندیدہ موضوعات ہیں۔

عصمت چغتائی اردو ناول نگاری کا ایک اہم نام ہے۔ ''ٹیڑھی لکیر'' ان کا نمائندہ ناول ہے۔ ''ٹیڑھی لکیر'' کے علاوہ بھی انھوں نے دوسرے کئی اہم ناول لکھے ہیں۔ عصمت نے اپنی ناول نگاری کے ذریعہ سماج و معاشرے کی حقیقت پسندانہ عکاسی کی ہے۔ ان کے یہاں سماج کی ناہمواری، ذہنی غلامی، رجعت پسندی، توہم پرستی، مذہبی تعصب، ظلم و استحصال اور طبقاتی کشمکش کے خلاف صدائے احتجاج ملتا ہے۔ ان کی تخلیقات میں جنسی اور نفسیاتی حقائق کا بے باکانہ تخلیقی اظہار ملتا ہے۔ عصمت چغتائی مغربی مفکروں، دانشوروں اور ادیبوں سے ذہنی مناسبت رکھتی ہیں۔ ان کے ناولوں میں انگریزی ناول نگاری کے فکر و فن کے واضح اثرات پائے جاتے ہیں۔

انسانی زندگی میں تقابلی مطالعہ کی بڑی اہمیت ہے۔ زندگی کے دوسرے شعبے کی طرح زبان و ادب سے بھی اس کا گہرا رشتہ رہا ہے۔ عصری تقاضوں کے پیش نظر تقابلی مطالعہ علم و ادب کے ایک الگ شعبے کا روپ دھارن کر لیا ہے۔ دراصل یہ علم و ادب کا ایک ایسا کارگر آلہ ہے، جس کے توسط سے ہم دوسری زبان و ادب سے واقفیت حاصل کرتے ہیں۔ اس کے ذریعہ فکر و فن کے نئے نئے دریچے کھلتے ہیں۔ علم و ادب میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔ اس کے کچھ اصول و ضوابط بھی ہیں۔ اردو زبان و ادب میں اس کی کوئی خاص روایت نہیں ملتی۔ علامہ شبلی نے ''موازنۂ انیس و دبیر'' لکھ کر تقابلی مطالعہ کی بنیاد ڈالی۔

عصمت چغتائی اور جین آسٹین دو مختلف تہذیب و ثقافت اور دو مختلف زبان و ادب

کی پیداوار ہیں۔ دونوں خواتین قلم کاروں کا تعلق فکشن سے ہے۔ دونوں کے ناولوں کی فکری اساس میں یکسانیت ملتی ہے۔ فکرو احساس کے علاوہ ان کے ناولوں کی زبان و بیان اور اسلوب میں بھی مماثلت نظر آتی ہے۔ اس یکسانیت کے علاوہ افتراقات کی کیفیت بھی موجود ہے۔ ایسا ہونا ایک فطری بات ہے۔ اسی قدرِ مشترک کے پیشِ نظر عصمت چغتائی اور جین آسٹین کا مطالعہ ''ٹیڑھی لکیر'' اور ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' کی روشنی میں کیا گیا ہے۔

یہ کتاب تین ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں چار ذیلی عنوانات ہیں۔ پہلے دو عنوانات میں عصمت چغتائی اور جین آسٹین کے سوانحی کوائف درج ہیں۔ بعد کے دو عنوانات میں دونوں کی شخصیت کی تشکیل و تعمیر اور نشو و نما میں معاون عناصر کی نشاندہی کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

کتاب کا دوسرا باب عصمت چغتائی اور جین آسٹین کے ناولوں کے موضوعات سے وابستہ ہے۔ اس باب میں کل پانچ ذیلی عنوانات قائم کیے گئے ہیں۔ پہلے دو عنوانات میں ''ٹیڑھی لکیر'' اور ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' کے موضوعات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ بعد کے دو عنوانات میں عصمت چغتائی اور جین آسٹین کے یہاں موضوعات کو برتنے کے ڈھب اور ان کی فکری اساس سے گفتگو کی گئی ہے۔ آخر میں دونوں ناولوں کے موضوعات کا تقابلی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔

کتاب کا تیسرا باب زیرِ مطالعہ ناولوں کے فن اور تکنیک کا احاطہ کرتا ہے۔ اس باب میں دونوں ناولوں کا فنی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ ناولوں کے پلاٹ، کردار، مکالمے، اسلوب اور زبان و بیان کے متعلق تفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔ باب کے آخر میں دونوں ناولوں کے فن کا تقابلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

سب سے پہلے میں اپنے رب کا شکریہ ادا کرتا ہوں جو تمام جہان کا مالک ہے۔ اب میں اپنے نگراں و استاذ محترم پروفیسر معین الدین جینابڑے کا شکریہ ادا کرنا اپنا اخلاقی فریضہ سمجھتا ہوں۔ انھوں نے اس کتاب کی اشاعت کے لیے میری حوصلہ افزائی کی اور اس راہ میں پیش آنے والے مسائل کو سلجھایا۔ ان کی پدرانہ شفقت مجھے مایوسی و ناامیدی سے محفوظ رکھتی ہے۔

میں شعبۂ اردو کے دیگر اساتذہ کرام پروفیسر محمد شاہد حسین، ڈاکٹر انور پاشا، ڈاکٹر مظہر مہدی حسین، ڈاکٹر خواجہ اکرام اور ڈاکٹر آصف زہری کا بھی شکر گزار ہوں جنھوں نے کسی نہ کسی صورت میں میری تربیت فرمائی۔

اس خوشی کے موقع پر میں شعبۂ اردو بنارس ہندو یونیورسٹی کے معزز اساتذہ حضرات کو بھلا کیسے بھول سکتا ہوں۔ ان حضرات کی سر پرستی میں مجھے ایک نئی زندگی ملی۔ میں نے وہاں سے جو کچھ سیکھا اور پایا ہے، لفظوں میں بیان کرنا شاید ناممکن ہے۔ میں نہایت ادب و احترام سے اپنے ان اساتذہ کرام کا نام لینا چاہوں گا، پروفیسر نسیم احمد، ڈاکٹر عبدالسلیم (مرحوم)، ڈاکٹر یعقوب یاور، ڈاکٹر آفتاب احمد آفاقی اور ڈاکٹر مشرف علی۔

میں بنارس کے اپنے مخلص دوستوں کو یاد کر کے خوشی اور طمانیت محسوس کر رہا ہوں۔ ان عزیز دوستوں کی نیک تمنائیں اور دعائیں آج بھی میرے ساتھ ہیں۔ مجھے ہر وقت ان کی کمی کا احساس ہوتا ہے۔ دعا ہے کہ یہ احساس ہمیشہ باقی رہے۔۔۔!

کتاب کی اشاعت کے سلسلے میں جن احباب کا ساتھ رہا، میں ان سبھی حضرات کا بے حد ممنون اور مشکور ہوں۔

میرے والدین کی دعائیں اور بے لوث شفقت و محبت میری زندگی کا عظیم سرمایہ ہے۔ ان کے شکریے کے لیے الفاظ ناکافی ہیں۔ میری پیاری امیّ جان کی خوشگوار ڈانٹ اور ابّا کی ملائمیت نے مجھے اس لائق بنایا۔ یہ سب کچھ ان کی دعاؤں کا ثمرہ ہے۔ میرے عزیز بھائی اور بہنوں کی نیک خواہشات مجھے ہمیشہ تازہ دم رکھتی ہیں۔ ان کا شکریہ ادا کرنا بھی میں اپنا اہم فریضہ سمجھتا ہوں۔ اپنے عزیز بھانجوں اور بھانجیوں کے لیے دل سے دعائیں جو ہر وقت مجھے یاد کرتے ہیں۔

محبوب حسن

جے این یو، نئی دہلی

باب اول

سوانحی کوائف اور شخصیت کی تشکیل

عصمت چغتائی کے سوانحی کوائف

عصمت چغتائی ''چغتائی'' خاندان کی چشم و چراغ ہیں۔ وہ بدایوں (یوپی) کے ایک متوسط گھرانے میں ۲۱/اگست ۱۹۱۵ء کو پیدا ہوئیں۔ ان کا اصل نام عصمت چغتائی خانم ہے۔ ان کے والد کا نام مرزا قسیم بیگ چغتائی اور والدہ کا نام نصرت خانم عرف نچھو تھا۔ ان کے دادا کریم بیگ چغتائی تھے۔ ان کا سلسلۂ نسب چنگیز خاں سے ملتا ہے۔ امجد چنگیز خاں کے دو بیٹے تھے۔ ہلاکو خان اور چغتائی خان۔ ہلاکو خان بڑے جنگجو اور بہادر تھے۔ شمشیر زنی میں انھیں مہارت حاصل تھی۔ چغتائی خان اپنے بھائی کے برعکس علم و ادب کے دلدادہ اور قلم کے دھنی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ چغتائیوں میں علمی و ادبی رجحان بدستور چلا آ رہا ہے۔ عصمت چغتائی کے بڑے بھائی عظیم بیگ چغتائی، اردو ادب کے مشہور طنز و مزاح نگار تھے۔ انھوں نے عصمت چغتائی کی شخصیت کی تشکیل و تعمیر میں نہایت اہم رول ادا کیا ہے۔ مصنفہ کو پڑھنے لکھنے کا شوق اپنے مورث اعلیٰ سے وراثت میں ملا۔

عصمت چغتائی اپنے والدین کی نویں اولاد تھیں۔ یہ کل دس بھائی بہن تھے۔ ان کے بھائی بہنوں کی ترتیب کچھ اس طرح ہے۔ رفعت خانم، نسیم بیگ چغتائی، عظیم بیگ چغتائی، فرحت خانم، عظمت خانم، وسیم بیگ چغتائی، جسیم بیگ چغتائی، شمیم بیگ چغتائی، عصمت خانم اور عصیم بیگ چغتائی۔ گویا وہ تین بڑی بہنوں اور پانچ بڑے بھائیوں کے بعد پیدا ہوئیں۔ کثرت اولاد کے باعث عصمت کی پرورش و پرداخت توجہ کے ساتھ نہ ہوسکی۔ انھیں والدین کا وہ پیار نہ مل سکا جو ایک بچے کو ملنا چاہیے۔ عصمت کی پیدائش کے وقت بچوں میں ان کے والدین کی دلچسپی قریب قریب ختم ہو چکی تھی۔ والدین کی بے توجہی و لاپرواہی کے سبب عصمت کی پرورش گھر کے نوکرانیوں

کے ہاتھوں ہوئی۔ اس کا انھیں شدید احساس تھا۔ اپنی اس محرومی کی شکایت انھوں نے کچھ اس طرح کی ہے۔

''اتنے سارے بچے تھے کہ ہماری اماں کو ہماری صورت سے قے آتی تھی۔ ایک کے بعد ایک ہم ان کی کوکھ کو روندتے کچلتے آئے تھے۔ الٹیاں اور درد سہہ سہہ کر وہ ہمیں ایک سزا سے زیادہ اہمیت نہیں دیتی تھی۔''(1)

ایک دوسری جگہ اپنی اسی بدنصیبی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

''مجھے بذات خود اس ماحول سے کوئی شکایت نہیں جہاں میری تراش خراش ہوئی۔ کچر پچر بچوں کے جم غفیر میں ایک پاپیادہ سپاہی کی طرح تربیت پائی۔ نہ لاڈ ہوئے نہ نخرے، نہ کبھی تعویذ گنڈے بندھے نہ نظر اتاری گئی۔ نہ خود کو کبھی کسی کی زندگی کا اہم حصہ محسوس کیا۔''(2)

اس اقتباس سے عصمت چغتائی کے بچپن کی بے بسی اور ان کے گھر والوں کی بے توجہی صاف ظاہر ہوتی ہے۔ لڑکیوں کے ساتھ اس طرح کا سلوک ایک عام بات تھی دراصل لڑکیوں کے ساتھ ظلم و زیادتی، سماج کی ایک روایت بن چکی تھی۔ بچہ پیدا ہوا اور اسے اپنے ماں باپ کا پیار نہ ملے تو ایسے میں اس کے اندر محرومی کا شدید احساس پیدا ہو جاتا ہے۔ اور یہ احساس اسے زندگی بھر کریدتا ہے۔ ایسے ماحول میں ہی بچوں میں بغاوت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ عصمت کے ساتھ کچھ ایسا ہی ہوا۔ بچپن کی اسی محرومی کا گلہ انھوں نے اپنی تحریروں میں صاف لفظوں میں کیا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ انھیں بچپن کی ہر بات اچھی طرح یاد ہے۔ عصمت کے پیدا ہوتے ہی ان کی دیکھ بھال کی ذمہ داری ان کی بڑی بہن اور نوکرانی انّا کے سر آتی ہے۔ ان کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ انھیں اپنی ماں کا دودھ بھی نصیب نہ ہو سکا۔ اس کے متعلق وہ لکھتی ہیں:

''میری امّاں نے کسی بچے کو دودھ نہیں پلایا۔ ان کے دودھ میں کچھ خرابی تھی۔ عظیم بیگ کو پلایا جنھیں ٹی بی ہو گئی۔ سب سے چھوٹے دسویں بچے کو دودھ پلایا، اسے بھی ٹی بی ہو گئی۔ ڈاکٹر نے ٹیسٹ کر کے بتایا کہ اماں کا دودھ خراب ہے اسے نکال کر ایک کتے کے بچے کو پلایا

جاتا۔ وہ پاگل ہوگیا۔ سب بچوں نے انا ہی کا دودھ پیا۔"(3)

عصمت چغتائی کا یہ اولین دور ہے۔ گھر میں بڑی بہن اور انا کے علاوہ کوئی دوسرا ان کا پرسان حال نہ تھا۔ ابھی عصمت چار برس کی تھیں کہ بڑی بہن کی شادی ہوگئی اور وہ سسرال چلی گئیں۔ نوکرانی انا بھی جا چکی تھی۔ اب ایسے میں عصمت خود کو تنہا محسوس کرتی تھیں۔ انھیں دور دور تک کوئی یارومددگار نظر نہ آتا تھا۔ تنہائی کے اسی احساس نے انھیں ذہنی طور پر کافی متاثر کیا۔ اس کے واضح اثرات ان کی تحریروں میں نظر آتے ہیں۔

عصمت چغتائی کی زندگی بڑی پر پیچ اور تہہ دار ہے۔ بچپن کی اس تنہائی کے ساتھ انھیں شروع سے ہی ایک آزاد ماحول ملا تھا۔ اس نے ان کی جسمانی و ذہنی نشوونما اور ان کی شخصیت کی تعمیر و تشکیل میں بنیادی کردار ادا کیا۔ بہنوں کی غیر موجودگی میں عصمت بھائیوں کی صحبت میں پلی بڑھیں۔ اپنے بھائیوں کے ساتھ کھیل کود میں حصہ بھی لیا۔ ان کھیلوں کے علاوہ عصمت نے گھوڑے کی سواری کرنا اور سائیکل چلانا بھی سیکھ لیا تھا۔ عصمت کے والد بھی ان کی حوصلہ افزائی کرتے۔ ایسے ماحول میں پل کر ان کے اندر شرم وحیا نام کی کوئی چیز باقی نہ رہی۔ اس آزاد اور کھلی فضا میں عصمت کو اپنے بھائیوں کی طرح سوچنے اور سمجھنے کی عادت پڑ گئی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جس آزادانہ ماحول میں ان کی تربیت ہوئی اور ان کا بچپن گزرا اس نے عصمت کی فطرت میں بچپن سے ہی بے باکی، خودسری، ضد اور بغاوت کے رویے کو فروغ دیا۔

عصمت چغتائی اپنے بچپن کے اس تجربے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

> "بہنیں چوں کہ بڑی نکل گئیں اس لیے بھائیوں کی صف میں جگہ ملی۔ کھیل کود کا زمانہ انھیں کے ساتھ گلی ڈنڈا، فٹ بال اور ہاکی کھیل کر گزرا۔ پڑھائی بھی ان کے ساتھ ہوئی۔ سچ پوچھیے تو اصل مجرم میرے بھائی ہی تھے۔ جن کی صحبت نے مجھے انہی کی طرح آزادی سے سوچنے پر مجبور کیا۔ وہ شرم وحیا جو عام طور پر درمیانہ طبقہ کی لڑکیوں کی لازمی صفت سمجھی جاتی ہے۔ پنپ نہ سکی۔ چھوٹی سی عمر سے دوپٹہ اوڑھنا، جھک کر سلام کرنا، شادی بیاہ کے ذکر پر

شرمانے کی عادت بھائیوں نے چھیڑ چھاڑ کر پڑنے ہی نہ دی۔''(4)

ایک دوسری جگہ اپنی تربیت کے سلسلے میں کہتی ہیں:

''میں جس ماحول میں پلی وہ نسبتاً آزاد تھا۔لڑکے اورلڑکیوں میں زیادہ پابندیاں عائد نہیں تھیں۔مجھ سے بڑی بہنوں کی اور میری عمر میں کافی فرق تھا۔اس لیے میری تربیت زیادہ تر بھائیوں کے ساتھ ہوئی تھی۔پھر میری اماں کچھ زیادہ دخل نہیں دیتی تھیں۔اس لیے مجھے آزادی سے سوچنے کی عادت پڑ گئی۔''(5)

عصمت کی شخصیت کی تشکیل میں اس تعلیمی ماحول نے بھی اہم کردار ادا کیا ہے جہاں رہ کر انھوں نے تعلیم حاصل کی۔جب وہ بڑی ہوئیں تو ان کی تعلیم کا مسئلہ ان کے والدین کے سامنے آیا۔ان کے خاندان میں علمی وادبی ماحول قائم تھا۔تعلیم کے معاملے میں ان کا گھرانہ بہت روشن خیال تھا۔لیکن ان کی یہ سوچ عام لوگوں کی طرح صرف مردوں کی تعلیم تک ہی محدود تھی۔عورتوں کی تعلیم کے سلسلے میں ان کے والدین روشن خیال نہ تھے۔خود عصمت کو اس ماحول سے بے حد نفرت تھی۔اس کا ذکر انھوں نے جا بجا کیا ہے۔

ان کے والد اور بڑے بھائی عظیم بیگ چغتائی،عصمت کی تعلیم کے سلسلے میں تنگ نظر نہ تھے۔عصمت کو ان دونوں کی سرپرستی حاصل تھی لیکن گھریلو اور سماجی بندشوں کے باعث وہ کچھ بھی کرنے سے قاصر تھے۔ان کے والد مرزا قسیم بیگ چغتائی سماجی رسم ورواج اور اس فرسودہ و بوسیدہ روایت کے برخلاف اپنی دو بڑی بیٹیوں کے ساتھ عصمت کو کرامت حسین بورڈنگ میں داخل کرایا۔اس طرح ان کے والد نے اس خاندانی تہذیب اور اس معاشرے کی ناہمواریوں کے خلاف بغاوت شروع کی۔ان کے خاندان والوں کو یہ بغاوت پسند نہ آئی۔خاندان والوں کی ضد پر عصمت کو واپس بلایا گیا۔اس واقعے نے عصمت کو بری طرح متاثر کیا۔اپنی آپ بیتی میں انھوں نے اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔اس کی تفصیل کچھ اس طرح بیان کرتی ہیں:

''یہ اس زمانے کی بات ہے جب بڑی آپا کی شادی ہوگئی تھی لیکن منجھلی اور سنبھلی ابھی چھوٹی تھیں۔ اور نہ جانے کیا سوجھی کہ ابا میاں نے انھیں کرامت حسین میں داخل کر دیا، میں چوں کہ منجھلی بہن سے نہایت مانوس تھی۔ مجھے بھی بھیجا گیا۔۔۔ پھر نہ جانے کیا ہوا کہ ہمیں واپس بلا لیا گیا۔ میں نے بڑے ہو کر پوچھا تو کوئی تسلی بخش جواب نہ پایا۔ بس بڑی بدنامی ہو رہی تھی۔ سارا خاندان بائیکاٹ پر تل گیا تھا کہ تم لڑکیوں کو کرسٹائن بنا رہے ہو۔ ان کی شادیاں نہ ہو سکیں گی۔ اماں نے رو رو کر برا حال کر لیا۔ ابا نے ہتھیار ڈال دیے۔ ان کے تمام ملنے والوں کی یہی رائے تھی کہ لڑکیوں کو تعلیم دلوانا انھیں پیشہ کرانے سے بھی زیادہ ذلیل حرکت ہے۔

میں خوش نصیب تھی کہ دیر سے پیدا ہوئی۔ اور مجھے تعلیم پانے کا موقع ملا۔ وہ کیا جتن کرنے کے بعد۔''(6)

وہاں کے تعلیمی نظام کے مطابق عصمت چغتائی کی ابتدائی تعلیم روایتی انداز میں گھر پر ہوئی۔ چوں کہ عصمت شروع سے ہی باغی قسم کی لڑکی تھیں اس لیے ان کی ضد کو دیکھتے ہوئے ان کا داخلہ آگرہ کے ''دھن کوٹ'' اسکول میں چوتھی جماعت میں کرایا گیا۔ عصمت نہایت ذہین اور پڑھنے میں تیز تھیں اس لیے انھیں ڈبل پرموشن دے کر چھٹی جماعت میں کر دیا گیا۔ جب عصمت کا خاندان آگرہ سے علی گڑھ منتقل ہوا تو ان کا داخلہ علی گڑھ کے ایک مڈل اسکول میں کرایا گیا۔ جہاں سے انھوں نے مڈل پاس کیا۔ اب عصمت کی شادی کی بات ہونے لگی تھی۔ انھیں پڑھنے لکھنے سے کافی دلچسپی تھی۔ وہ کسی بھی صورت میں تعلیم سے دور نہیں ہونا چاہتی تھیں۔ لہٰذا عصمت نے کسی طرح اپنی شادی رکوائی۔ اس کے لیے انھوں نے گھر سے بھاگنے اور کرسچن بن جانے کی دھمکی تک دی۔ آخر کار عصمت کی بغاوت اور تعلیم سے مزید دلچسپی کے پیش نظر ان کے والد نے انھیں آگے پڑھنے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ انھیں علی گڑھ کے ایک بورڈنگ ہاؤس میں داخل کرا دیا گیا۔ یہیں سے عصمت نے ہائی اسکول کا امتحان پاس کیا۔ عصمت چغتائی کی اس کامیابی پر ان کے بڑے بھائی عظیم

بیگ چغتائی بے حد خوش ہوئے۔

میٹرک (سکنڈ ڈویزن) میں کامیابی کے بعد عصمت کا حوصلہ بڑھا۔انھوں نے علی گڑھ سے ہی ایف اے کی تعلیم 1934ء میں مکمل کی۔وہ بے حد فعال اور متحرک تھیں۔بورڈنگ میں رہ کر انھیں آزادانہ طور پر سوچنے اور جینے کا بھرپور موقع ملا۔وہ وہاں کی ہر طرح کی سرگرمیوں میں پیش پیش رہیں۔علی گڑھ کا یہ آزادانہ ماحول ان کی شخصیت کو نکھارنے اور سنوارنے میں نہایت اہم ثابت ہوا۔یہیں پر وہ مختلف قسم کے تجربات اور مشاہدات سے بھی دوچار ہوئیں۔ہاسٹل کی زندگی میں ہی انھیں رسول فاطمہ نامی ایک روم پارٹنر کے ذریعہ ہم جنسیت (Lesbianism) کا علم ہوا۔ یہی علم ان کے مشہور افسانہ ''لحاف'' کا محرک بنا۔

علی گڑھ سے ایف اے کی سند حاصل کرنے کے بعد انھیں لکھنؤ آنا پڑا۔لکھنؤ کے آئی ٹی کالج سے انھوں نے گریجویشن کی تعلیم مکمل کی۔لکھنؤ آنے کے لیے بھی انھیں بڑی مشکل سے ہی اجازت مل پائی تھی۔لکھنؤ کا تعلیمی ماحول اور وہاں کی معاشرتی صورت حال علی گڑھ سے قدرے مختلف تھی۔مجموعی طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہاں کے ہاسٹل کی زندگی کے معاشرتی ماحول نے عصمت کی فکری روش کو نئی سمت عطا کیا۔اس کا اعتراف انھوں نے اپنی آپ بیتی میں بھی کیا ہے:

> ''لکھنؤ میں گزارے ہوئے دو سال میری زندگی میں بہت اہم ثابت ہوئے۔دل و دماغ کو نئی راہیں ملیں۔نئے دروازے کھلے۔''(7)

گریجویشن کی تعلیم کے سلسلے میں وہ لکھنؤ میں دو سال مقیم رہیں اور بی اے میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔اس دوران ان کے والدین کی سوچ کافی بدل چکی تھی۔اپنے اس سلسلۂ تعلیم کو جاری رکھتے ہوئے عصمت نے ایک بار پھر علی گڑھ کا رخ کیا اور وہاں سے بی ایڈ کا امتحان پاس کیا۔پڑھائی مکمل کرنے کے بعد وہ کئی برسوں تک محکمۂ تعلیم سے وابستہ رہیں۔بریلی اور دوسری جگہوں پر انھوں نے ہیڈ مسٹریس کی حیثیت سے اپنی خدمات انجام دیں۔اپنی ملازمت کے سلسلے میں

وہ کچھ دنوں تک ممبئ میں بھی رہیں لیکن جلد ہی وہاں سے استعفیٰ دے دیا۔ بعد میں اپنے شوہر شاہد لطیف کے مشورے پر فلمی دنیا سے منسلک ہوگئیں۔ فلمی دنیا سے جڑنے کے بعد انھوں نے کئی فلموں کے لیے کہانیاں و مکالمے لکھے۔ عصمت چغتائی کئی علمی وادبی انعامات سے بھی نوازی گئیں۔ لوگوں کے اصرار پر انھوں نے فلموں میں اداکاری بھی کی۔ ان کی تخلیق شدہ فلمی کہانیوں میں ''گرم ہوا'' بے حد مقبول ہوئی۔ انھوں نے فلمی دنیا کے کچے چٹھے کو بھی اپنی تحریروں کے ذریعہ بے نقاب کرنے کی کوشش کی ہے۔

علی گڑھ میں قیام کے دوران عصمت کی ملاقات شاہد لطیف سے ہوئی۔ وہ علی گڑھ یونیورسٹی سے ایم اے کر رہے تھے۔ یہیں سے شاہد لطیف اور عصمت کی دوستی کا آغاز ہوا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو پسند کیا اور 1942ء میں شادی ہوگئی۔ چوں کہ عصمت نے شادی اپنی پسند سے کی تھی اس لیے گھر کے زیادہ تر لوگ اس شادی سے ناخوش تھے۔ ان کے بڑے بھائی نسیم بیگ چغتائی کو اتنا صدمہ پہنچا کہ مرتے دم تک عصمت کی شکل نہ دیکھی۔ شاہد لطیف ایک روشن خیال انسان تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان دونوں کی ازدواجی زندگی نہایت خوشگوار گزری۔ شاہد لطیف نے انھیں برابری کا درجہ دیا اور ان کے تمام جائز حقوق کا خیال رکھا۔ ان کا انتقال 1967ء میں ہوا۔ عصمت چغتائی شاہد سے اپنی ازدواجی زندگی کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> ''مرد عورت کو پوج کر دیوی بنانے کو تیار ہے۔ وہ اسے محبت دے سکتا ہے۔ عزت دے سکتا ہے۔ صرف برابری کا درجہ نہیں دے سکتا۔۔۔۔ شاہد نے مجھے برابری کا درجہ دیا تھا۔ اس لیے ہم دونوں نے ایک اچھی زندگی گزاری۔''(8)

عصمت چغتائی پردے کے سخت خلاف تھیں۔ ان کا خیال ہے کہ ''اگر جسم پر کوڑھ نہ ہو تو اس کی نمائش میں کوئی حرج نہیں''۔ عصمت چغتائی عمر بھر سماجی بندشوں، فرسودہ رسم و رواج اور بوسیدہ روایات کے خلاف لڑتی رہیں۔ وہ لڑکیوں کو خود کفیل دیکھنا چاہتی تھیں۔ انھوں نے آزادی

نسواں کی پر زور حمایت کی۔ عصمت ایک نہایت حساس خاتون تھیں۔ انھوں نے بچپن سے ہی حق تلفی اور غیر انسانی سلوک کے خلاف احتجاج شروع کر دیا تھا۔ وہ عورتوں پر ہونے والے مظالم کے سخت خلاف تھیں۔ انھوں نے زندگی بھر عورتوں کے ظلم و استحصال کے خلاف آواز بلند کی۔ آگرہ کے ایک تجربے کو بیان کرتے ہوئے کہتی ہیں:

> ''آگرہ کی ان مردگلیوں میں پہلی بار مجھے اپنے لڑکی ہونے کا صدمہ ہوا۔ عورت خدا نے کیوں پیدا کی۔ مری پٹی، مجبور و محکوم ہستی کی کیا ضرورت، دھوبن روز رات کو پٹتی تھی۔ مہترانی کے آئے دن جوتے پڑا کرتے تھے۔ پاس پڑوس کی تمام ہی عورتیں آئے دن اپنے شوہروں کے جوتے کھایا کرتی تھیں اور میں خدا سے گڑگڑا کر دعا مانگتی اے اللہ پاک مجھے لڑکا بنا دے۔''(9)

عصمت چغتائی کو فکشن سے فطری لگاؤ تھا۔ انھوں نے چودہ، پندرہ برس کی عمر سے ہی افسانے لکھنا شروع کر دیے تھے۔ عصمت چغتائی فرائڈ اور مارکس کے نظریات سے متاثر تھیں۔ حالاں کہ نظریاتی طور پر دونوں مفکرین میں یکسانیت نہیں ملتی۔ لیکن عصمت نے خود اعتراف کیا ہے کہ وہ کسی اصول و نظریے کی پابند نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ترقی پسند ہوتے ہوئے بھی انھوں نے اس تحریک کی نعرہ بازی اور انتہا پسندی کو کبھی گلے نہیں لگایا۔ جنس عصمت کا پسندیدہ اور محبوب موضوع ہے۔ انھوں نے اس موضوع پر بڑی بے باکی سے لکھا ہے۔ خود ان کے الفاظ میں ''چٹ پٹے قسم کے واقعات'' کو مزے لے لے کر بیان کرنے کا انھیں بے حد شوق ہے۔ فحاشی اور عریانی کے الزام میں ان پر کئی بار مقدمے بھی چلے۔ ''لحاف''، ''گیندا'' اور ''تل'' ان کے مشہور افسانے ہیں۔ یہ افسانے اپنی فحاشیت اور جنسی اظہار خیال کے لیے جانے جاتے ہیں۔

عصمت چغتائی کا فلسفۂ عشق نہایت روشن خیال ہے۔ وہ افلاطونی عشق کے خلاف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تمام تخلیقات میں گریہ وزاری اور آہ و فریاد نہیں ملتے۔ ان کے یہاں

مغربی دانشوروں کے فکر ونظر کی جھلک ملتی ہے۔ انھوں شعوری یا غیر شعوری طور پر جین آسٹین کی فکری روش کو قبول کیا ہے۔ جین آسٹین کی طرح محدود کینوس کے باوجود عصمت نے اپنے ناولوں اور افسانوں میں کمال فن کا مظاہرہ کیا ہے۔ انھوں نے متوسط طبقے کے نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کے بعض اہم مسائل کو خلاقانہ طور پر پیش کیا ہے۔ اس محدود دائرۂ فکر کے باوجود ان کا فن اتنا پختہ ہے کہ پڑھنے والوں کو تنگ دامانی کا احساس نہیں ہوتا۔

عصمت چغتائی کے یہاں نفسیات کا گہرا مطالعہ ملتا ہے۔ اس موضوع پر انھوں نے بہت سی کتابیں پڑھیں اور عملی زندگی میں نفسیات پر غور وخوض بھی کیا۔ انھوں نے ایک بار کہا تھا۔ ''لکھنے کے لیے میں نے دنیا کی عظیم ترین کتاب یعنی زندگی کو پڑھا ہے۔ اسے بے حد دلچسپ پایا ہے۔'' ان کے شاہکار ناول ''ٹیڑھی لکیر'' کو نفسیاتی مطالعے کے لیے جانا جاتا ہے۔ اس ناول میں انھوں نے شمن نامی لڑکی کی ذہنی کشمکش اور داخلی کرب واضطراب کو نفسیاتی مرض کے طور پر پیش کیا ہے۔ وہ مغربی مفکرین اور ادیبوں کے علاوہ مشرقی دانشوروں اور ادیبوں سے بھی ذہنی طور پر متاثر ہوئیں۔ عصمت چغتائی نے مجنوں گورکھپوری اور نیاز فتحپوری کے فکر وفن کے اثرات بھی قبول کیے ہیں۔ عصمت چغتائی نے رشید جہاں کے علاوہ ''انگارے'' کے دوسرے مصنفین کے افکار وخیالات سے بھی استفادہ کیا۔ ان کی ذہنی تربیت میں ترقی پسند تحریک کا بھی اہم رول رہا ہے۔ عصمت چغتائی ترقی پسند تحریک سے عملی طور پر وابستہ رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تخلیقات میں اس تحریک کے اثرات نمایاں ہیں۔

عصمت چغتائی نے اردو فکشن کو نت نئے مسائل سے روشناس کرایا۔ ''ٹیڑھی لکیر'' ان کا شاہکار ناول ہے۔ ان کے دوسرے اہم ناولوں میں ''ضدی''، ''معصومہ''، ''سودائی''، ''جنگلی کبوتر''، ''دل کی دنیا''، ''عجیب آدمی''، ''تین اناڑی''، ''نقلی راجکمار''، ''ایک قطرہ خوں''، ''باندی'' کے نام لیے جا سکتے ہیں۔ ان کے افسانوی مجموعے میں ''کلیاں''، ''چوٹیں''، ''ایک بات''، ''لحاف''، ''چھوئی موئی''، ''دو ہاتھ''، ''شیطان''، ''بدن کی خوشبو'' وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ عصمت نے

ناول، افسانہ اور ڈراما کے علاوہ متعدد خاکے، رپورتاژ، سفرنامے اور مضامین بھی لکھے ہیں۔ عصمت نے مجازؔ، منٹو، پطرس، خواجہ احمد عباس اور جاں نثار اخترؔ کے خاکے لکھے ہیں۔ عصمت کی یہ تمام تحریریں انسانی زندگی اور اس کے گونا گوں مسائل کی عکاس ہیں۔ ان کی تخلیقات میں حقائق سے چشم پوشی نظر نہیں آتی۔ عصمت نے ایک حقیقت پسند فکشن نگار کی حیثیت سے سماج و معاشرے کی ترجمانی کی ہے۔ یہی خوبی ان کی انفرادیت کی اصل وجہ ہے۔

عصمت کی ادبی خدمات کے پیش نظر انھیں پدم شری، اقبال سمان، غالب ایوارڈ، فلم فیئر ایوارڈ، پرویز شاہدی ایوارڈ اور گورنمنٹ آف انڈیا ایوارڈ جیسے اہم اعزازات و انعامات سے نوازا گیا۔ وہ 24/اکتوبر 1991ء کو اس دنیا سے رخصت ہوئیں۔ ان کی وصیت کے مطابق انھیں ممبئی کے شمسان گھاٹ پر نذر آتش کیا گیا۔

عصمت چغتائی کی شخصیت کے تشکیلی عناصر

انسان جس ماحول میں پیدا ہوتا ہے، پلتا ہے، بڑھتا ہے اور جن حالات و مسائل سے دوچار ہوتا ہے، وہ تمام عوامل اس کی شخصیت کی نشوونما میں بنیادی رول ادا کرتے ہیں۔ دراصل انسان کی شخصیت کی تشکیل و تعمیر اور اس کی نشوونما میں گھریلو ماحول و معاشرہ کے علاوہ سماجی، سیاسی، تہذیبی، ادبی اور معاشی حالات و کوائف کی کارفرمائی سے انکار ممکن نہیں۔ کبھی کبھی انسان اپنے گردوپیش کے فرسودہ رسم و رواج اور سماجی ناہمواریوں کے خلاف صدائے احتجاج بھی بلند کرتا ہے۔

عصمت چغتائی ایک متوسط گھرانے میں پیدا ہوئیں۔ وہ اپنے ماں باپ کی نویں اولاد تھیں۔ وہ جس ماحول میں پیدا ہوئیں وہاں علمی و ادبی سرگرمیاں موجود تھیں۔ ان کے بڑے بھائی عظیم بیگ چغتائی اردو کے نامور ادیب تھے۔ گھر کے اس خوشگوار علمی فضا نے ان کے ذہن پر ایک مثبت اثر ڈالا۔ عصمت کے گھرانے میں اس مثبت ماحول کے علاوہ چند منفی رویے بھی قابل ذکر ہیں۔ مثلاً اس گھر میں لڑکیوں کو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ لڑکیوں پر پردے کا سخت اہتمام کیا جاتا۔

عصمت کی شخصیت نہایت پر پیچ اور تہہ دار ہے۔ گھر کی سختی اور اس گھٹے ہوئے ماحول نے عصمت کی شخصیت میں باغیانہ رویّے کو جگہ دی۔ انھوں نے زندگی کے ہر موڑ پر صدائے احتجاج بلند کیا۔ بغاوت کا یہ جذبہ ان کی زندگی کے آخری ایام تک باقی رہا۔ ان کی پوری زندگی اس تلخ حقیقت کی آئینہ داری کرتی ہے۔ آخر کار وہ کون سے عوامل تھے جنھوں نے ان کو ضدی اور باغی بنا یا۔ درحقیقت عصمت کی شخصیت میں جو کجروی اور ٹیڑھا پن ملتا ہے، وہ فطری ہے۔ اس کی بہترین

مثال ''ٹیڑھی لکیر'' ہے۔عصمت کے پیدا ہوتے ہی جو حالات ومسائل درپیش آئے،اس کا اظہار انھوں نے اپنی تحریروں میں جا بجا کیا ہے۔ان کی تحریروں کو پڑھ کر ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ انھیں اپنے ماں باپ کی محبت نہیں ملی۔وہ اپنے والدین کی شفقت اور پیار سے محروم رہیں۔ان کی پیدائش پرخوشی کے بجائے اظہارغم کیا گیا۔گھر کے افراد مایوسی وافسردگی کی کیفیت میں مبتلا ہو گئے۔

چوں کہ عصمت کے والدین نے ان کی پرورش و پرداخت میں کوئی خاص دلچسپی نہ لی۔ان کی پرورش گھر کے نوکروں کے ذریعہ ہوئی۔ضد اور بغاوت کی جڑیں محرومیوں میں پنپتی ہیں۔عصمت کے مزاج کا ٹیڑھا پن اس کا بیّن ثبوت ہے۔عصمت کو اس محرومی کا شدید احساس تھا۔اپنی محرومی وبدنصیبی کا اظہار کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

''مجھے بذات خود اس ماحول سے کوئی شکایت نہیں جہاں میری تراش خراش ہوئی۔کچر پچر بچوں کے جم غفیر میں ایک پا پیادہ سپاہی کی طرح تربیت پائی۔نہ لاڈ ہوئے نہ نخرے،نہ تو تعویذ گنڈے بندھے،نہ نظر اتاری گئی۔نہ خود کو کبھی کسی کی زندگی کا اہم حصہ محسوس کیا۔''(10)

عصمت بچپن سے ہی آزادانہ ماحول میں پلی بڑھیں۔انھیں لڑکوں کی طرح کھیلنے کودنے کی آزادی حاصل تھی۔انھوں نے اس بات کا اعتراف بھی کیا ہے۔ان کی بہنیں عمر میں کافی بڑی تھیں۔لہٰذا انھیں بھائیوں کی صف میں جگہ ملی۔دراصل ان کی تعلیم وتربیت زیادہ تر بھائیوں کے ساتھ ہوئی۔بھائیوں کے ساتھ رہ کر انھیں اکیلے پن وتنہائی کا احساس نہیں ہوا۔بھائیوں کی اس قربت وبے تکلفی نے ان کے اندر بے باکی وخودسری کی کیفیت پیدا کر دی۔یہی بے باکی آگے چل کر ان کے مزاج کا اہم حصہ بن گئی۔اپنے ان تجربات کو بیان کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتی ہیں۔

''بہنیں چوں کہ بڑی نکل گئیں اس لیے بھائیوں کی صف میں جگہ ملی۔کھیل کود کا زمانہ انھیں کے ساتھ گلی ڈنڈا،فٹ بال اور ہاکی کھیل کر گزرا۔پڑھائی بھی انھیں کے ساتھ ہوئی۔سچ پوچھئے تو اصل مجرم میرے بھائی ہی تھے۔جن کی صحبت نے مجھے ان کی ہی طرح آزادی سے

سوچنے پر مجبور کر دیا۔ وہ شرم و حیا جو عام طور پر درمیانہ طبقہ کی لازمی صفت سمجھی جاتی ہے، پنپ نہ سکی۔"(11)

گھر کے اس آزادانہ ماحول نے عصمت کی شخصیت اور ان کی فکر کو توانائی عطا کی۔ اس مخصوص و آزادانہ ماحول نے ان کے اندر کم حوصلگی اور بزدلی جیسے عناصر پنپنے ہی نہ دیے۔ انھوں نے فرسودہ رسم ورواج، مذہبی تعصب، توہم پرستی، دقیانوسی تصورات، سماجی ناہمواریوں اور پردے کے خلاف عملی قدم اٹھایا۔ کلی طور پر ہم دیکھتے ہیں کہ عصمت کے گھرانے کی ادبی و علمی فضا نے ان کی شخصیت کی تشکیل و تعمیر اور ان کے فکر و شعور کی پختگی میں بے حد اہم رول ادا کیا ہے۔ اس کا اظہار بھی انھوں نے کیا ہے۔

ان کی شخصیت کی تشکیل اور شعور کی نشو و نما میں ان کے خاندانی و گھریلو ماحول کے علاوہ گرد و پیش کے سماجی، سیاسی، اقتصادی اور تہذیبی حالات و مسائل بھی اہمیت کے حامل ہیں۔ عصمت نے اپنے دور کے بنتے بگڑتے سماجی اقدار کو قریب سے دیکھا اور محسوس کیا۔ سماج کے جس طبقے سے عصمت وابستہ تھیں، اس میں فرسودہ اور بوسیدہ روایات، جہالت، عدم مساوات، جنسی گھٹن و نا آسودگی، ظلم و استحصال، سماجی ناانصافی، تنگ نظری، رجعت پسندی، بداخلاقی اور معاشی و سیاسی بدحالی جیسی سماجی بدعنوانیاں عام تھیں۔ قومی و بین الاقوامی سطح پر رونما ہونے والی تبدیلیاں، تحریک آزادی، تقسیم ملک، فرقہ وارانہ فسادات، بہیمانہ قتل و غارت، آبروریزی، انسانیت کی شکست و ریخت جیسے غیر انسانی و پرسوز مسائل بھی ان کے سامنے تھے۔ مذکورہ بالا ناہمواریوں اور سماجی بدعنوانیوں نے عصمت کی شخصیت و شعور پر دوررس اثرات مرتب کیے۔ قدیم و جدید روایات کی کشمکش و تصادم نے انھیں زندگی کے ہر قدم پر سوچنے پر مجبور کیا۔ انھوں نے اپنے آس پاس کے غیر فطری و غیر انسانی افعال و اعمال پر قدغن لگانے کی کوشش کی۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ احتجاج و مزاحمت کی کیفیت ان کی سرشت میں داخل ہے۔

عصمت نے ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ ان کی شخصیت کی تشکیل وتعمیر اور نشو ونما میں گھریلو اور گرد وپیش کے حالات ومسائل کے علاوہ تعلیمی وعلمی ماحول نے بھی ایک خاص کردار ادا کیا ہے۔ ان کی تعلیم کے سلسلے میں علی گڑھ اور لکھنؤ خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ انھوں نے لکھنؤ سے گریجویشن، علی گڑھ سے ایف اے اور بی ایڈ کی تعلیم حاصل کی۔ عصمت کو علم وادب سے بے حد دلچسپی تھی۔ انھوں نے حصول تعلیم کو اپنی زندگی کا ایک اہم حصہ بنا لیا تھا۔ اس کے لیے عصمت نے گھر والوں کو کرسچن بن جانے اور گھر سے بھاگ جانے کی دھمکی تک دی۔ اس مقصد کے حصول کے لیے انھوں نے زمانے کی چیرہ دستیوں سے مقابلہ کیا۔ لکھنؤ اور علی گڑھ میں دوران تعلیم وہ ہر طرح کی سماجی، سیاسی، علمی وادبی سرگرمیوں میں پیش پیش رہیں۔ عصمت کو گمنامی کی زندگی پسند نہ تھی۔ لکھنؤ اور علی گڑھ کی علمی وادبی فضا اور وہاں گزارے گئے اوقات نے ان کی شخصیت اور فکر وشعور کی راہیں متعین کیں۔

اپنی شخصیت اور فکر وشعور کی تشکیل وتعمیر میں لکھنؤ کے خوشگوار ماحول کی اہمیت کا اعتراف کرتے ہوئے وہ رقم طراز ہیں:

> ''لکھنؤ میں گزارے ہوئے دو سال میری زندگی میں بہت اہم ثابت ہوئے۔ دل ودماغ کو نئی راہیں ملیں۔ نئے دروازے کھلے۔(12)

عصمت چغتائی کی شخصیت ہمہ جہت اور تہہ دار ہے۔ اس کی کئی پرتیں ہیں۔ ان کی پر پیچ شخصیت کی افہام وتفہیم کے لیے ان کی تحریروں اور ان کے حالات زندگی کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ ان کی دلچسپی، طبعی میلانات اور تصورات ونظریات ان کی شخصیت کو سمجھنے میں کارآمد ہو سکتے ہیں۔ ان کے حالات زندگی سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ قصے وکہانیوں سے انھیں فطری لگاؤ تھا۔ انھوں نے کم عمری سے ہی کہانیاں لکھنا شروع کر دی تھیں۔ ان کی تخلیقات میں مشرقی مفکروں اور ادیبوں کے علاوہ مغربی دانشوروں اور فن کاروں کے فکر وفن کے واضح اثرات ملتے ہیں۔ انھوں نے

اردو فکشن نگاروں مثلاً مجنوں گورکھپوری، حجاب اسمٰعیل، نیاز فتح پوری اور عظیم بیگ چغتائی کے نظریات وافکار سے بڑی حد تک استفادہ کیا ہے۔ڈاکٹر رشید جہاں نے بھی ان کی تابناک شخصیت کی آبیاری کی ہے۔

عصمت کے نزدیک رشید جہاں ایک طوفانی ہستی تھیں۔رشید جہاں نے عصمت کو اشتراکیت (Communism) کے بنیادی عقائد واصول سے روشناس کرایا۔ان کے نقش قدم پر چل کر عصمت نے فخر کا احساس کیا۔عصمت کی شخصیت میں پائی جانے والی بے باکی، جرأت مندی، خودسری اور صاف گوئی کی خوبی بڑی حد تک رشید جہاں کی صحبت کی مرہون منت ہے۔در اصل عصمت کی تخلیقی قوت کے انقلابی واحتجاجی رویے رشید جہاں کے افکار ونظریات کے پرتو ہیں۔ عصمت نے رشید جہاں کے افکار ونظریات کو اپنانے اور اس پر عمل کرنے کی شعوری کوشش کی۔

ڈاکٹر رشید جہاں کے علاوہ ''انگارے'' کے دوسرے مصنفین نے بھی انھیں ذہنی طور پر متاثر کیا۔عصمت نے ان قلم کاروں کے نظریات وتصورات کو شعوری طور پر قبول کیا۔ترقی پسند تحریک ایک ہمہ گیر اور بااثر ادبی تحریک رہی ہے۔اس تحریک نے ان کے فکر وخیال میں تنوع اور شخصیت میں رنگا رنگی پیدا کی۔ سچ تو یہ ہے کہ عصمت کی شخصیت کی تشکیل اور ان کی فکری بصیرت کو بلندی عطا کرنے میں ترقی پسند تحریک کا نمایاں رول رہا ہے۔عصمت نے اس تحریک کی فکری اساس کو دل سے لگایا۔ترقی پسند تحریک کے نظریات وتصورات کو بنیاد بنا کر عصمت نے اپنے فن کی شاندار عمارت تعمیر کی۔انھوں نے اس تحریک کی انتہا پسندی کو کبھی بھی قابل یقین نہیں سمجھا۔ان کی شخصیت میں بے باکی اور احتجاجی کیفیت ملتی ہے لیکن انتہا پسندی نہیں۔ترقی پسند تحریک سے ذہنی وابستگی کے باوجود انھوں نے اپنی ایک الگ راہ بنائی۔

عصمت نے مشرقی فکر وفلسفہ کے علاوہ مغربی دانشوروں اور مفکروں کے اصول ونظریات کو بھی شعوری یا غیر شعوری طور پر اپنایا۔ان کی تخلیقات میں مغربی فکر وفلسفہ کی جھلک ملتی ہے۔ ان کے یہاں نفسیاتی مطالعہ (Psychological Study) کی بہترین مثالیں موجود ہیں۔

علی گڑھ میں انھوں نے نفسیات کا بغور مطالعہ کیا تھا۔ان کی یہ نفسیاتی بصیرت ان کے تخلیقی حسن میں رچ بس گئی ہے۔ان کا ناول ''ٹیڑھی لکیر'' اس کی بہترین مثال ہے۔

عصمت نے چیخوف، موپاساں، مائم، ڈی ایچ لارنس، جارج برنارڈ شا، ولیم شیکسپیئر اور جین آسٹین جیسے اہم ادیبوں اور فن کاروں کی تخلیقات کا مطالعہ ژرف نگاہی سے کیا۔یہی وجہ ہے کہ مذکورہ بالا مغربی تخلیق کاروں کے نظریات وتصورات کی جھلک ان کے فن پاروں میں ملتی ہے۔ان مغربی مفکروں اور قلم کاروں نے ان کی شخصیت وفکر کو بھی حد درجہ متاثر کیا۔یہی وجہ ہے کہ ان کی شخصیت میں مغربی طرز عمل اور مغربی فلسفۂ حیات کی چھاپ ملتی ہے۔

انگریزی زبان وادب میں جارج برنارڈ شا، بحیثیت ڈرامہ نگار ایک بلند واعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔عصمت چغتائی کو ان کے ڈرامے بے حد پسند تھے۔انھوں نے عصمت کو ڈرامہ نویسی کی طرف مائل کیا۔عصمت چغتائی کا ڈرامہ ''فسادی'' اس کا فطری نتیجہ ہے۔انھوں نے چیخوف کی حقیقت نگاری کو شعوری طور پر قبول کیا۔عصمت نے نوجوان طبقے کے جنسی مسائل کی حقیقی آئینہ داری کی ہے۔ یہ چیخوف کی حقیقت نگاری کا اثر ہے کہ انھوں نے نہایت بے باکی اور جرأت مندی سے سماج ومعاشرہ کی ناہمواریوں کو بے نقاب کرنے کی کوشش کی۔اس طرح واضح رہے کہ عصمت چغتائی کی شخصیت شعوری طور پر چیخوف سے متاثر ہوئی۔

عصمت چغتائی عظیم مفکر وفلسفی مارکس اور فرائڈ کے نظریات وتصورات سے ذہنی مناسبت رکھتی ہیں۔فرائڈ کی تحلیل نفسی نے عصمت کی شخصیت کو بے حد متاثر کیا۔انھوں نے فرائڈ کی تحلیل نفسی اور اس کے جنسی تصورات کو شعوری طور پر قبول کیا ہے۔اس نظریے کے زیر اثر ان کا قلم فکر کی نئی منزلوں سے ہم کنار ہوا۔ان کی تخلیقات سے اس بات کا بخوبی احساس ہوتا ہے۔خود عصمت اپنی ذاتی زندگی میں اس طرز عمل کو اپنانے کی خواہاں تھیں۔انھوں نے فرائڈ کے فلسفے کی روشنی میں انسانی زندگی کی پیچیدگی کو سمجھنے کی کوشش کی۔ان کے افسانوں اور ناولوں میں جنسی مسائل سے متعلق جو تجربات ومشاہدات ملتے ہیں، وہ انھیں مغربی دانشوروں اور مفکروں کی مرہون منت ہیں۔دراصل

مغربی فکر و فلسفہ کو عصمت کی شخصیت کے تشکیلی عناصر میں انفرادیت حاصل ہے۔

انسان کی شخصیت کی تشکیل و تعمیر میں مذہبی اصول و نظریات کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ مذہب کے نظریات و افکار انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ عصمت مسلم گھرانے میں پیدا ہوئیں۔ ان کے والدین اور ان کے گھرانے میں مذہب کے تئیں بیزاری ملتی ہے۔ ان کے دل میں مذہب اسلام کے تئیں عقیدت و احترام کا جذبہ نہ تھا۔ ان کا جھکاؤ ہندو مذہب کی جانب تھا۔ عصمت کی شخصیت پر گھر کے اس ماحول کے اثرات بھی مرتب ہوئے۔ خود عصمت نے بھی اسلام کے مذہبی اصول و عقائد کی مخالفت کی۔ وہ پردے کی سخت مخالف تھیں۔ انھوں نے کبھی برقع نہیں پہنا۔ ان کی یہ مخالفت زندگی کے آخری مرحلے تک نظر آتی ہے۔ ان کی وصیت کے مطابق انھیں نذر آتش کیا گیا۔ انھوں نے اسی جذبے کے تحت اپنی دو بیٹیوں کی شادیاں ہندو گھرانوں میں کیں۔

عشق و محبت کے متعلق عصمت کا نظریہ نہایت غیر صحت مند اور قابل اعتراض ہے۔ وہ افلاطونی فلسفۂ عشق کے خلاف ہیں۔ انھیں فرائڈ کے نظریۂ عشق سے رغبت ہے۔ عصمت کو عشق میں رونا، دھونا اور گریہ وزاری کرنا پسند نہیں۔ وہ شوہر اور بیوی کے پاک رشتے کی بھی نفی کرتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ انسانی زندگی کی اخلاقی قدروں کو پامال کرنے کی خواہاں ہیں۔ ان کے یہاں عریانیت، جنسی نراجیت اور اخلاقی بے راہ روی ملتی ہے۔ سماج میں معیوب سمجھے جانے والے ان مسائل پر انھوں نے نہایت بے باکی اور صاف گوئی سے اظہار خیال کیا ہے۔ ان کی بے باکی اور صاف گوئی کا یہ عالم ہے کہ انھوں نے اپنے معاشقے کا ذکر بھی نہایت مزے کے ساتھ کیا ہے۔

ان کا فلسفۂ عشق فرائڈ کے اصول و نظریات سے مطابقت رکھتا ہے۔ وہ جنسی افعال اور محبت کو لازم و ملزوم سمجھتی ہیں۔ ان کے یہاں جنسی خواہشات کی تکمیل معیوب نہیں۔ جنس اور محبت کے فطری رشتے کے تعلق سے ایک انٹرویو میں کہتی ہیں:

''محبت کا جنس سے جو تعلق ہے وہ فطری ہے۔ وہ زمانہ گیا جب محبت پاک ہوا کرتی تھی۔

اب تو محبت کا ناپاک ہونا ہی زیادہ خوبصورت مانا جاتا ہے۔"(13)

مذکورہ اقتباس سے یہ بات ظاہر ہے کہ جنس اور محبت کے سلسلے میں عصمت کس قدر بے باک اور صاف گو ہیں۔ انھوں نے زندگی بھر سماجی نراجیت اور معاشرتی ناہمواریوں کے خلاف آواز بلند کی۔ ادبی دنیا میں ان کی بیش بہا خدمات ان کی ہمہ جہت شخصیت کو اجاگر کرتی ہیں۔ عصمت کے مزاج میں رنگارنگی پائی جاتی ہے۔ وہ نہایت خوش مزاج اور شوخ طبیعت کی مالک تھیں۔ ان کی شخصیت میں شوخی، ظرافت اور شگفتگی کے علاوہ بغاوت اور بے باکی کے عناصر بھی ملتے ہیں۔ وہ ایک حوصلہ منداور ثابت قدم خاتون تھیں۔ اسی ہمت اور عزم کے ساتھ انھوں نے زندگی کے ہر میدان کو سرکیا۔ انھوں نے اسی بے باکی اور جرأت کے سبب سماج کے کھوکھلے پن کا پردہ چاک کیا ہے۔ ان کی شخصیت کا ایک قابل اعتراض پہلو یہ ہے کہ ان کے اندر حد درجہ کی بے حیائی اور بے شرمی ملتی ہے۔ ان کی اسی بے حیائی اور بے شرمی سے مرد ذات کو دورے پڑتے تھے۔ انھوں نے سماج و معاشرے کے ان گوشوں اور پہلوؤں کو بے نقاب کیا ہے جو اب تک ڈھکے چھپے تھے۔

جین آسٹین کے سوانحی کوائف

جین آسٹین انگریزی کی ممتاز ادیبہ ہیں۔ان کی پیدائش انگلینڈ کے معروف پادری جارج آسٹین (George Austen) کے یہاں 16/دسمبر 1775ء کو ہوئی۔ ان کے والد کا نام جارج آسٹین اور والدہ کا نام کسندرالے(Cassandra Leigh) تھا۔ان کے والدعلم وادب سے گہرا شغف رکھتے تھے۔جین آسٹین کے مطابق ان کے اندر کلاسیکی علم وادب کا گہرا شعور موجود تھا۔ان کی والدہ کسندرا آسٹین ایک نیک دل اور سادہ مزاج خاتون تھیں۔انھیں پڑھنے لکھنے سے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی۔البتہ وہ باغبانی کا شوق رکھتی تھیں۔ان کی آٹھ اولادیں تھیں۔جین آسٹین اپنے آٹھ بھائی بہنوں میں ساتویں نمبر پر تھیں۔کثرت اولاد کے باوجود ان کی پرورش و پرداخت نہایت توجہ کے ساتھ ہوئی۔

ان کی بڑی بہن کسندرا ان سے محض دو سال بڑی تھیں۔ وہ اپنی چھوٹی بہن جین کے ساتھ نہایت شفقت ومحبت سے پیش آتیں۔جین آسٹین بھی انھیں بہت عزیز رکھتی تھیں۔ اپنی بہن کسندرا کی قربت کا ذکر جین نے اپنی تحریروں میں کیا ہے۔اس بات کا اندازہ بڑی بہن کو لکھے گئے خطوط سے ہوتا ہے۔جیمس آسٹین ان کے سب سے بڑے بھائی تھے۔انھوں نے اپنے والد کی روایت کو قائم رکھا۔ان کے دوسرے بڑے بھائی ہینری آسٹین (Henry Austen) تھے۔ جین آسٹین ان کی چہیتی اور دلاری بہن تھیں۔وہ اپنے تمام بھائیوں میں سب سے زیادہ عقلمند اور سمجھدار تھے۔وہ ایک فوجی سپاہی تھے بعد میں انھوں نے بینک کی نوکری کر لی۔ہینری آسٹین نے جین آسٹین کی شخصیت کی تعمیر اور فکر وشعور کی تشکیل میں اہم رول ادا کیا ہے۔

جین آسٹین کی ادبی شخصیت کسی تعارف کامحتاج نہیں۔ وہ کسی مہلک بیماری کی وجہ سے محض 42/برس کی عمر میں اپنے مالک حقیقی سے جاملیں۔ان کی بڑی بہن کسندرا علاج کے لیے انھیں ملک کے کئی بڑے ہسپتالوں میں لے گئیں لیکن کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ایسا کہا جاتا ہے کہ جین نے اپنی بڑی بہن کسندرا کے بانھوں میں ہی دم توڑا۔ان کی موت سے بڑی بہن کسندرا کو کافی صدمہ پہنچا۔کچھ سالوں بعد وہ بھی اس دنیائے فانی سے چل بسیں۔انگریزی ادب کے معروف ناقدCristopher Gillieنے جین آسٹین کی وفات کے متعلق لکھا ہے:

> "She died on 18 July 1817,in Wenchester, where she and her sister Cassandra had taken lodgings so as to be near her doctor. Her death seems to have been due to a then obscure illness called Addison's Disease."(14)

جین آسٹین نے اپنی بڑی بہن کسندرا آسٹین کو چند خطوط لکھے ہیں۔ان خطوط کے ذریعہ جین آسٹین کی گھریلو زندگی کے متعلق معلومات حاصل کرنے اوران کے فکر وخیال کو سمجھنے میں کوئی خاص مدد نہیں ملتی۔انھیں خطوط سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے تاعمر شادی نہ کی۔یہ بات آج بھی تحقیق طلب ہے کہ انھوں نے شادی کیوں نہیں کی۔ان کے لکھے گئے چند خطوط کی روشنی میں ہم کسی ٹھوس نتیجے پر نہیں پہنچ سکتے۔ان کے پاس پڑوس کے کئی نوجوان ان سے شادی کرنا چاہتے تھے۔ اس سلسلے میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ایک دفعہ ایک نوجوان نے ان سے شادی کرنے کی خواہش ظاہر کی۔جین نے پہلے تو تسلیم کیا لیکن بعد میں انکار کردیا۔انگلینڈ کے ایک مورّخ اینڈرو نارمن کی تحقیق کے مطابق سیمول بلیکال نامی ایک نوجوان نے ان کا دل توڑا تھا۔انگلینڈ کے اخبار ڈیلی میل (Daily Mail) نے 17/جولائی 2009ء کو اس سلسلے میں ایک خبر شائع کی تھی۔اخبار کے مطابق اینڈرو نارمن نے اس نوجوان کی شناخت کرلی ہے،جس کی تحقیق ابھی تک نہیں ہو پائی تھی۔ ان کا کہنا ہے جین آسٹین کا پیار ڈیون (Devon) کے سمندری علاقے میں پروان چڑھا۔انھوں

نے بتایا کہ آسٹین اور ان کی بڑی بہن کسندرا آسٹین کے درمیان ہوئی خط وکتابت اور دیگر شواہد، کیمبرج یونیورسٹی کے ایمانول کالج کے ایک طالب علم سیمول بلیکال کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

انگلینڈ کے اس معروف مورّخ نے آکسفورڈ یونیورسٹی سے گریجویشن کی سند حاصل کی ہے۔انھوں نے تاریخ کی اہم کتابیں بھی تصنیف کی ہیں۔علاوہ ازیں 16 سوانح عمریاں بھی غور طلب ہیں۔نارمن کی تحقیق کے مطابق سیمول بلیکال جین آسٹین سے پہلی بار 1798ء میں ہیمپشائر (Hampshire) کے لیفر وئج میں ملا تھا۔حالانکہ دونوں ایک دوسرے سے متاثر بھی ہوئے لیکن کوئی خاص نتیجہ نہ نکل سکا۔ٹوٹنیس کے ڈیون میں دوبارہ ملنے سے قبل جین آسٹین اور سیمول بلیکال ایک دوسرے سے الگ رہے۔نارمن کا کہنا ہے کہ یہیں جین آسٹین کو پیار ہوا۔انھوں نے بتایا کہ 1802ء میں جین اور ان کے والد جارج آسٹین کے جنوبی ڈیون تٹ پر جابسنے سے پہلے اس کے متعلق کچھ بھی نہیں سنا گیا۔یہیں ہمیں پتہ چلتا ہے کہ جین ایک اجنبی پادری کے پیار میں پڑ گئیں، جو اپنے بھائی کے پاس اکثر آیا کرتا تھا۔اس کا بھائی پیشے سے ڈاکٹر تھا۔ان کا نام جان بلیکال تھا۔ نارمن کی اس کہانی کا انکشاف جین کی بھانجی انّا کی ڈائری سے ہوا۔

جین آسٹین کی شادی اور معاشقے کے متعلق انگریزی کے بعض ناقدین ادب نے بھی اپنی رائے پیش کی ہے۔انگریزی ادب کے اہم ناقد M.Lascelles کا کہنا ہے:

"She never married though she received at least oneproposal, she may had have at least one love affair, but little is known about it except that it direct relationship with any of famous men and women of her time, unless we call the royal invitation to dedicate one of her novels to the prince Regent a direct relationship."(15)

جین آسٹین بچپن سے ہی نہایت ذہین، خوش اخلاق اور خوش مزاج تھیں۔ان کی تخلیقی صلاحیت ابتدائی چند برسوں سے ہی ظاہر ہونے لگی تھی۔وہ ایک ایسے ماحول ومعاشرے میں

پیدا ہوئیں جہاں علم وادب کا چرچہ عام تھا۔ ان کی شخصیت اور ذہن کی تشکیل وتعمیر میں گھر کی تربیت، اور گرد وپیش کے سماجی حالات نے کلیدی رول ادا کیے۔ گھر کی علمی وادبی فضا ان کی تخلیقی صلاحیت کو پروان چڑھانے میں کافی مددگار ثابت ہوئی۔ انھوں نے اپنی ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ مزید تعلیم کے لیے انھیں بڑی بہن کسندرا کے ساتھ ساؤتھیمپٹن اسکول (Southamton School) بھیجا گیا۔ وہاں جب ان دونوں بہنوں کی طبیعت مزید خراب ہوئی تو ان کے والدین نے انھیں واپس بلا لیا۔ بعد کی تعلیم انھوں نے اپنے والد جارج آسٹین کے زیر نگرانی مکمل کی۔ ان کی تخلیقی صلاحیت نے بہت جلد لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ انھوں نے اپنا مشہور زمانہ ناول ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' صرف 21 ر سال کی عمر میں لکھا۔

جین آسٹین حسین اور خوبصورت خاتون تھیں۔ وہ دراز قامت، نازک مزاج اور سادہ طبیعت رکھتی تھیں۔ ان کے بال بھورے و گھنگر الے اور آنکھیں سبز مائل تھیں۔ ان ظاہری خوبیوں کے علاوہ وہ اخلاق حمیدہ بھی رکھتی تھیں۔ خلوص وایثار کے علاوہ خاکساری، انکساری اور ہمدردی کے اوصاف بھی ان کے اندر پائے جاتے تھے۔ وہ جس معاشرے میں پیدا ہوئیں وہاں رقص وسرود، شراب نوشی، موج ومستی اور عیش وعشرت کا ماحول عام تھا۔ لیکن وہ ان چیزوں میں زیادہ دلچسپی نہ لیتیں۔ انھیں پڑھنے لکھنے کا بے حد شوق تھا۔ وہ اپنا زیادہ تر وقت مطالعے میں صرف کرتیں۔ ان کے والدین ان سے بہت محبت کرتے تھے۔ ان کی پرورش و پرداخت میں انگلینڈ کے اس دیہی معاشرے وماحول نے اہم رول ادا کیا ہے۔ وہ جس ماحول میں پیدا ہوئیں وہاں کھیل کود کا رواج عام تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انھیں کھیل کود سے دلچسپی تھی۔ کبھی کبھی وہ اپنے پڑوسیوں کے کپڑے بھی سلتیں اور انھیں تحفے اور تحائف پیش کرتیں۔ مجموعی طور پر وہ ایک متحرک اور فعال شخصیت کی مالک تھیں۔

انھوں نے اپنی تعلیم کے ابتدائی دور میں ہی انگریزی کے صف اول کے فکشن نگاروں کی تخلیقات کا بغور مطالعہ کیا۔ انھیں فکشن سے ایک فطری لگاؤ تھا۔ انھوں نے انگریزی ادب کے رومانی ناولوں کا مطالعہ دلچسپی کے ساتھ کیا۔ ان کے پسندیدہ ادیبوں میں

Richardson,Dr.Johnson,Walter Scott,William Shakespeare,Goldsmith,Miss Fanny Burney,Cowper, Fielding کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔جین آسٹین کی تخلیقات میں ان ادیبوں کے اثرات نظر آتے ہیں۔وہ سماج کے بے جا رسم ورواج، معاشرے میں پھیلی ہوئی جنسی ناہمواریوں، توہم پرستی اور ناانصافی کو ناپسند کرتی تھیں۔وہ رشتے کی پاکیزگی اور تہذیبی سرمائے کے تحفظ کا خاص خیال رکھتی تھیں۔وہ عالمی سطح پر ہونے والے ہنگامے، جنگ وجدل اور سیاسی مصلحتوں سے بے خبر نظر آتی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ان کے ناولوں میں انسانی رشتے ناطے، پیار محبت اور تہذیبی اقدار کی بہترین ترجمانی ملتی ہے۔سچی بات تو یہ ہے کہ ان کی تمام تر تصنیفات میں ان کی شخصیت کی گہری چھاپ نظر آتی ہے۔

ان کے تمام ناولوں میں انگلینڈ کے سماجی رسم ورواج، گھریلو رہن سہن، عادات واطوار، آداب گفتگو اور طرز فکر کی بے حد عمدہ عکاسی ملتی ہے۔انھوں نے اپنے فکشن میں انگلینڈ کی تہذیبی ومعاشرتی زندگی کو پس منظر کے طور پر استعمال کیا ہے۔ان کی تخلیقات میں انگلینڈ کے اعلیٰ متوسط سوسائٹی کے نوجوان طبقے کے جذبات واحساسات اور ان کی زندگی کے اہم مسائل کی ترجمانی ملتی ہے۔انھوں نے اپنی ذہانت اور جدت طبع سے کام لے کر انسانی زندگی کا مشاہدہ بڑی باریک بینی کے ساتھ کیا ہے۔وہ دوسرے ناول نگاروں سے قدرے منفرد ہیں کیوں کہ ان کے یہاں گھریلو زندگی کے حالات وواقعات کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ان کے تمام ناول اسی نوعیت کے ہیں۔ ان کے ناولوں میں مذہبی فکر وخیال اور فلسفیانہ انداز نظر کی کارفرمائی نہیں ملتی۔

عشق ومحبت، شادی بیاہ اور رشتے ناطے ان کی کل کائنات ہیں۔ان کی خلاقانہ لیاقت اور تخلیقی بصیرت کو انگریزی ادب کے بڑے سے بڑے ادیبوں نے تسلیم کیا ہے۔وہ جس عہد سے تعلق رکھتی ہیں وہ عہد سماجی، سیاسی، اقتصادی اور تہذیبی اعتبار سے بڑا ہی ہنگامہ خیز اور پُر آشوب دور رہا ہے۔ان کی تخلیقی صلاحیت اور فکری بصیرت پر روشنی ڈالتے ہوئے انگریزی ادب کے ایک نقاد

Compton Rickett نے لکھا ہے:

"Jane Austen was born story-teller and revelled in it
from early years.She wrote from sheer love of
writing and was not sensitive to criticism"(16)

جین آسٹین کو "Prose Shakespeare" اور "Mother of the Ninteenth Century Novel" جیسے خطاب سے نوازا گیا۔ انھوں نے اپنی تصنیفی زندگی کا آغاز تفریحی خاکوں اور نقلوں سے کیا۔ اس کے بعد ناول نگاری کے میدان میں قدم رکھا۔ ان کی ادبی شہرت و مقبولیت ناول نگاری کے سبب ہے۔ ایک لمبی مدت گزرنے کے بعد بھی ان کے ناولوں کی دل آویزی اور مقبولیت میں ذرہ برابر کمی نہیں ہوئی۔ جین آسٹین نے چھے ناول تخلیق کیے ہیں۔ ان کے ناولوں میں (1813) "Pride and Prejudice" اور (1811) "Sense and Sensibility" کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ ان دونوں ناولوں کا شمار انگریزی کے نمائندہ ناولوں میں ہوتا ہے۔ ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' کو وہ اپنا اہم اور محبوب ترین ناول قرار دیتی ہیں۔ ان کے دوسرے ناولوں کے نام یہ ہیں۔ 'Emma''(1815), ''Mansifield Park''(1814) ''Persuasion''(1818), ''Northanger Abbey''(1818), ۔

"Pride and Prejudice" ان کا پہلا ناول ہے۔ انھوں نے یہ ناول 21 برس کی عمر میں لکھا۔ اس ناول کی اشاعت تصنیف کے سولہ برس بعد ہوئی۔ ان کے دوسرے ناول نے بھی تخلیق کے چودہ برس تک مطبع کی صورت نہ دیکھی۔ تیسرے ناول کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اسے ایک ناشر نے دس پاؤنڈ میں خرید کر ردّی کی ٹوکری میں ڈال دیا تھا۔ انگریزی ادب کی اس مایۂ ناز ادیبہ کی یہ بدنصیبی رہی کہ انھوں نے اپنی زندگی میں اپنی کسی کتاب پر اپنا نام تک نہ دیکھا۔ ان کی تمام تخلیقات میں ہر جگہ متانت اور سنجیدگی پائی جاتی ہے۔ ان کے ناولوں میں تلاطم، طوفان، جنگ

اور معرکہ آرائیاں نہیں ہیں۔ان کے یہاں انگلستان کے دیہی علاقوں کی تہذیبی روایات اور نو جوان طبقے کے فکری میلانات کی مرقع کشی پائی جاتی ہے۔وہ اپنے قاری کو زمانے کے ہنگاموں سے دور ایک ایسی دنیا میں لے جاتی ہیں جہاں ہر طرف عشق اور محبت کے ترانے گونجتے ہیں، جہاں لوگ ایک دوسرے سے ملتے ہیں، چائے اور شراب پیتے ہیں، تھیٹر جاتے ہیں اور رقص کرتے ہیں۔یعنی ہر جگہ عیش وعشرت اور مستی کا ماحول ہے۔نوجوانوں کے علاوہ بوڑھے لوگ بھی اپنی حسین یادوں میں کھوئے ہوئے نظر آتے ہیں۔

مصنفہ جس معاشرے سے تعلق رکھتی ہیں، اس سے اچھی طرح واقف ہیں۔ان کے یہاں اس سوسائٹی کی عمدہ عکاسی ملتی ہے۔ان کا ایک دائرۂ فکر ہے۔اسی دائرہ میں رہ کر انھوں نے بیل بوٹے کھلائے ہیں۔موضوع کی تکرار کے باوجود ان کے ناولوں میں فکر ونظر کی سطح پر نیا پن پایا جاتا ہے۔یہ ان کے فن کا کمال ہے۔ان کے ناولوں کی ادبی مقبولیت کے پیش نظر کئی ناول نگاروں نے ان کی راہ پر چلنے کی کوشش کی۔جین آسٹین کے فکر وفن کی تقلید کرنے والوں میں لیور(Lever)، ملفورڈ(Milford)اور سوسن فیریر(Susan Ferrier)وغیرہ کے نام اہم ہیں۔لیکن جو شہرت ومقبولیت جین آسٹین کو حاصل ہوئی وہ انھیں نصیب نہ ہوسکی۔

جین آسٹین کی شخصیت کے تشکیلی عناصر

جین آسٹین کی شخصیت عام فہم اور سادہ ہے۔اس میں کسی قسم کی پیچیدگی اور تہہ داری نہیں ملتی۔ان کی شخصیت میں انسانی اقدار کے پہلونمایاں ہیں۔جین آسٹین کی شخصیت کی تشکیل وتعمیر میں جنوبی انگلستان کی تہذیب ومعاشرت اوران کے خاندان کی روایات کی کارفرمائی ملتی ہے۔وہ علم وادب کے گہوارے میں پیدا ہوئیں۔گھر کے اس سازگار ماحول نے ان کی شخصیت پر مثبت اثر ڈالا۔ ان کی شخصیت میں مزاحمتی اور منفی رویےنہیں ملتے۔خاندان کے علمی وادبی ماحول نے انھیں علم وادب کی طرف مائل کیا۔گھر کی اسی تربیت کے زیراثر انھوں نے انگریزی ادب میں لازوال کارنامے انجام دیے۔ان کی تخلیقات سے ان کی سادہ لوح اور خوش نما شخصیت جھلکتی ہے۔

جین آسٹین کی شخصیت کے تشکیلی عناصر میں گھر کی علمی وادبی فضا بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔انھوں نے کسی اسکول یا کسی کالج سے تعلیم حاصل نہیں کی۔بلکہ ان کی علمی وادبی پرورش ان کے والد اور بڑے بھائی کی زیرنگرانی ہوئی۔انگریزی ناول نگاروں کی روایت میں جین آسٹین ایک منفرد وبلند مقام رکھتی ہیں۔انگریزی کے بڑے بڑے نقادوں اور ادیبوں نے ان کی تخلیقی عظمت کا اعتراف کیا ہے۔انھوں نے اپنی 42 سالہ مختصر زندگی میں انگریزی کے کلاسیکی ادب کی آبیاری کی ہے۔ان کے تخلیق کردہ ناول اس کے واضح ثبوت ہیں۔ان کی تخلیقات ان کی شخصیت اوران کے جذبات واحساسات کو سمجھنے میں مدد کرتی ہیں۔انھوں نے اپنی کوئی سوانح عمری نہیں لکھی۔یہی وجہ ہے ان کی زندگی اوران کی شخصیت کے بہت سارے گوشے اب بھی بے نقاب ہیں۔

جین آسٹین انگلستان کے دیہی معاشرے میں پیدا ہوئیں۔ان کا تعلق سماج کے

اعلیٰ متوسط طبقے سے تھا۔ گھر میں کثرت اولاد کے باوجود ان کی پرورش و پرداخت عدم توجہ کا شکار نہیں ہوئی۔ انھیں اپنے والدین اور بھائی بہن کی خاص شفقت حاصل تھی۔ انھیں ہر طرح کی آزادی حاصل تھی۔ جین آسٹین کو کسی قسم کی تنگ دستی کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ گھر کے اس مثبت ماحول نے انھیں احساس محرومی سے دور رکھا۔ ان کے والد گرجا گھر میں پادری تھے۔ وہ ایک باشعور، فہیم اور فاضل انسان تھے۔ وہ کلاسیکی علم وادب کا مذاق رکھتے تھے۔ مصنفہ گھر کے اس ماحول سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں۔ ان کے حالات زندگی سے پتہ چلتا ہے کہ گھر کے اس سازگار اور خوشگوار ادبی و علمی فضا نے جین آسٹین کی شخصیت کی تشکیل وتعمیر میں کلیدی رول ادا کیا ہے۔ ان کے بڑے بھائی ہنری اور بہن کسندرا کی محبت آمیز سرپرستی ان کے فکر وشعور کی تشکیل میں معاون ثابت ہوئی۔ ان کی شخصیت میں جو شگفتگی، خوش سلیقگی، سادگی اور خوش رنگی پائی جاتی ہے وہ بڑی حد تک گھر کی تربیت اور وہاں کے تہذیبی ومعاشرتی کوائف کی مرہون منت ہے۔ کلی طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان کے ذہنی ارتقا اور فکر وشعور کی تشکیل میں ان کے خاندانی ماحول اور گرد وپیش کی سماجی وتہذیبی صورت حال کی کارفرمائی بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔

جین آسٹین کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ اسکول اور کالج کا ماحول انھیں راس نہ آیا۔ کسی خاص وجہ سے انھیں اسکول چھوڑنا پڑا۔ انھوں نے آگے کی تعلیم اپنے والد کی زیر نگرانی گھر پر حاصل کی۔ ایسا کہا جاتا ہے کہ انھیں اپنے والدین اور اپنی بڑی بہن کسندرا کی جدائی برداشت نہ تھی۔ اس سے ان کی حساس اور نازک طبیعت کا پتہ چلتا ہے۔ گھر پر ہی انھوں نے انگریزی زبان وادب کے علاوہ فرنچ، اِٹیلین، اسپینیش جیسی زبانوں پر مہارت حاصل کی۔ اس سے ان کی ذہانت اور روشن خیال شخصیت عیاں ہوتی ہے۔ انھوں نے انگریزی کے بعض اہم ادیبوں کی تخلیقات کا بغور مطالعہ کیا۔ علم وادب کے اس فطری لگاؤ نے ان کے اندر ادبی مذاق پیدا کر دیا تھا۔ یہی دلچسپی ان کی شخصیت کی اہم پہچان بنی۔

انگلستان کی سماجی، معاشرتی اور تہذیبی زندگی نے جین آسٹین کے فکر وشعور اور ان

کی شخصیت کو بڑی حد تک متاثر کیا۔ گھر میں مال و دولت اور سامان تعیش کی فراوانی نے ان کے مزاج میں بے باکی، خودسری اور احتجاجی رویئے کو پنپنے ہی نہ دیے۔ وہ ایک خوددار، خوش مزاج، خوش اخلاق اور خوش گفتار خاتون تھیں۔ ان کی شخصیت و مزاج میں انکساری، خاکساری، ہمدردی اور خلوص جیسے انسانی اوصاف ملتے ہیں۔ وہ بے حد حساس ادیبہ تھیں۔ وہ زمانے کے سنجیدہ حالات و مسائل سے چشم پوشی کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ وہ اپنے عہد کے حالات و مسائل اور انسانی زندگی کو ایک منفرد زاویے سے دیکھتی ہیں۔ ان کا اپنا فلسفۂ حیات ہے، جہاں صرف حسن و عشق، پیار محبت، مے نوشی، عیش و عشرت، رقص و سرود کی حسین و دلکش دنیا آباد ہے۔ ان کی تصنیفات سے ان کی حساس اور نرم و نازک شخصیت جھلکتی ہے۔ دراصل انگلینڈ کی تہذیبی، سماجی اور معاشرتی زندگی، ان کی شخصیت اور فکر و شعور کی تشکیل و تعمیر میں خاص اہمیت رکھتی ہے۔

جین آسٹین نہایت خوبصورت اور حسین تھیں۔ قدرت نے انھیں ظاہری حسن کے ساتھ ساتھ نیک سیرت سے بھی نوازا تھا۔ ان کی خوبصورتی اور حسن و جمال کا یہ عالم تھا کہ آس پاس اور دور دراز علاقے کے کئی نوجوان ان سے شادی کرنے کے مشتاق اور آرزومند تھے۔ ان کی زندگی اور شخصیت کا ایک دلچسپ پہلو یہ بھی ہے کہ انھوں نے تاعمر شادی نہ کی۔ اس اہم واقعے کے متعلق ادبی حلقوں میں کئی طرح کی قیاس آرائیاں ملتی ہیں۔ جین آسٹین کے معاشقے پر پڑے پردے کو اٹھانے کی کوشش اب بھی جاری ہے۔ جدید تحقیق کے ذریعہ اس اہم مسئلے پر تھوڑی بہت روشنی پڑتی ہے۔ اس امر کا ذکر سوانحی کوائف کے ذیل میں آچکا ہے۔ ان کی شخصیت کی افہام و تفہیم میں یہ امر اہمیت کا حامل ہے۔ یہ بات حیران کن ہے کہ ایک ایسی خاتون ناول نگار جس نے اپنے ناولوں کے ذریعہ انگلستان کے نوجوان طبقے کے دلوں میں عشق و محبت کے چراغ روشن کیے، شادی بیاہ کی حسین چاہت پیدا کی اور خود کو اس سے محروم رکھا۔ اس تحقیق طلب نکتے کی روشنی میں ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ان کی شخصیت کے چند گوشے ایسے ہیں جو اب بھی تاریک اور بے نقاب ہیں۔ ان کے ناولوں میں چند ایسے کردار ہیں جن کے اعمال و حرکات، افکار و خیالات اور جذبات و احساسات جین آسٹین

کی شخصیت سے مناسبت رکھتے ہیں۔

جین آسٹین اٹھارہویں صدی کی پیداوار ہیں۔ان سے قبل انگریزی ادب کے منظرنامے پر بڑے بڑے ادیب وفن کار پیدا ہو چکے تھے۔انھوں نے انگریزی کے بعض ادیبوں کا بغور مطالعہ کیا اور ان سے کسب فیض بھی کیا۔ان کی شخصیت اور فکر وشعور پر اثر انداز ہونے والے فن کاروں میں Goldsmith, Cowper, Dr. Johnson, Richardson, Walter Scott, Fanny Burney, William Shakespeare, Fielding. وغیرہ اہم ہیں۔جین آسٹین نے مذکورہ بالا مصنفین کے اثرات تو قبول کیے مگر اسے اپنا مطمح نظر نہیں بنایا۔

جین آسٹین ایک تاریخ ساز عہد سے تعلق رکھتی ہیں۔وہ عالمی سطح پر ہونے والے سماجی، سیاسی ،اقتصادی اور تاریخی نشیب وفراز سے آشنا تھیں۔دراصل اٹھارہویں صدی ، عالمی منظرنامے پر برپا ہونے والے انقلابات کے لیے جانی جاتی ہے۔اس صدی میں دنیا نے ایک نئی کروٹ لی۔اس صدی کے صنعتی اور اقتصادی انقلابات نے انسانی زندگی کے ہر شعبے کو غیر معمولی طور پر متاثر کر دیے تھے۔اس عہد میں امریکہ اور فرانس جیسے ترقی یافتہ ممالک میں سیاسی واقتصادی انقلابات آئے اور بڑی بڑی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔اس عہد سے وابستگی کے باوجود ان کے کسی بھی ناول میں اس زمانے کی ہنگامی صورت حال اور سیاسی واقتصادی کشمکش کی آہٹ تک نہیں ملتی۔اس سے ان کی فکری وذہنی روش اور ان کی منفرد شخصیت سے پردہ اٹھتا ہے۔ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس عہد کے رومانی فکر وفلسفہ نے ان کے دل ودماغ اور ان کی شخصیت پر ایک دیرپا اثرات مرتب کیے تھے۔ان کی شخصیت اور اس عہد کے رومانی فکر وفلسفہ کی چاپ ان کی تخلیقات میں صاف سنائی پڑتی ہے۔

جین آسٹین کی فکر میں آفاقیت ملتی ہے۔ان کے افکار وخیالات زماں ومکاں کے قید سے آزاد ہیں۔وہ انسانی دکھ درد کا مداوا پیار ومحبت اور ایثار ووفاداری میں تلاش کرتی ہیں۔وہ سماج کے ظلم وستم سے اس قدر خائف ہیں کہ ان کا ذکر تک نہیں کرتیں۔ وہ انسانیت، پیار ومحبت،

ایثار وقربانی کی مبلغ ہیں۔ یہی خوبی ان کی شخصیت اور فکر کو تابنا کی بخشتی ہے۔ ان کے نزدیک محبت ایک پاک جذبہ ہے، انسان کی عرفان ہے۔ ان کے نظریۂ عشق میں جذباتیت اور سطحیت نہیں ملتی۔ بلکہ اعتدال، شائستگی اور سنجیدگی کا رویہ موجود ہے۔ مذکورہ بالا تفصیلات کی روشنی میں یہ بات باوثوق کہی جا سکتی ہے کہ انسانی جذبات واحساسات کی بنیاد پر ہی جین آسٹین کی شخصیت اور ان کی تخلیقی خدمات کی عمارت کھڑی ہے۔

مذہب ایک ایسا آلہ ہے جو انسانی فکر وشعور کی تشکیل میں ایک منفرد رول ادا کرتا ہے۔ جین آسٹین مذہبی طور پر عیسائی تھیں۔ لیکن انھوں نے مذہبی فکر وشعور اور روحانی اقدار وحیات کو اپنے تصورات ونظریات کا اساس نہیں بنایا۔ دراصل انھوں نے عیسائی مذہب کے رسم و رواج کو اہمیت نہ دی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے تخلیقی سرمائے میں مذہبی خلوص وعقیدت کے تئیں بیزاری ملتی ہے۔ ان کے والد کو عیسائی مذہب سے روحانی عقیدت تھی۔ وہ ایک کلیسا میں پادری تھے۔ اپنے والد کی مذہبی فکر سے قطع نظر جین آسٹین کو انسانی زندگی کے مسائل سے سروکار تھا۔ انھوں نے انسانی زندگی کے چند مخصوص مسائل کو اپنے ناولوں کا موضوع بنایا۔ ان کے ناولوں میں عیسائیت کے فکر وفلسفہ کی تبلیغ نہیں ملتی۔ انھیں تو صرف انسانی زندگی اور اس کی خوشحالی سے دلچسپی ہے۔ ان کے ناولوں میں میں انگریزی کے معروف شاعر Alexender Pope کے اس مشہور مصرعے کی لے صاف سنائی پڑتی ہے۔

"The Proper study of mankind is man"

F.B. Pinion جین آسٹین کی انسان دوستی اور ان کی شخصیت کے سماجی پہلوؤں کو بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"The Jane Austen's interest was predominantly in people rather than in things, in principles of conduct, personal bias and errors of judgment rather than in the detail and colour of social scene."(17)

مذکورہ بالا اقتباس سے جین آسٹین کی شخصیت کے داخلی نکات پر روشنی پڑتی ہے۔
جین آسٹین کے ناقدین نے ان کی تخلیقات کی روشنی میں ،ان کی شخصیت اور ذہنی روش تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ درست ہے کہ ان کی تصنیفات میں ان کی ہر دل عزیز اور دل پذیر شخصیت پنہاں ہے۔درحقیقت جین آسٹین کی شخصیت کی تشکیل وتعمیر میں خاندانی پس منظر اور انگلینڈ کی مشترکہ تہذیب اور کلچر کی کارفرمائی ملتی ہے۔

عصمت اور آسٹین کے سوانحی کوائف کا تقابلی مطالعہ

انسان جس معاشرے میں پیدا ہوتا ہے اور جس ماحول میں سانس لیتا ہے، وہ تمام عوامل اس کی زندگی کی سمت و رفتار کو طے کرتے ہیں۔ عصمت چغتائی سرزمین ہند میں پیدا ہوئیں اور جین آسٹین نے انگلستان میں آنکھیں کھولیں۔ دونوں کی پیدائش سماج کے ایک ایسے گھرانے میں ہوئی جہاں بچوں کی کثیر تعداد موجود تھی۔ عصمت چغتائی اور جین آسٹین اپنے تمام بھائی بہنوں میں چھوٹی تھیں۔ دونوں علم وادب کے گہوارے میں پیدا ہوئیں۔ گھر کے اس خوشگوار ماحول اور سازگار فضا نے ان کے ذہن پر ایک مثبت اثر ڈالا۔

اولاد کی کثرت کے باعث عصمت چغتائی اپنے والدین کی شفقت ومحبت سے محروم رہیں۔ ان کے والدین ان کی پرورش و پرداخت پر خاطر خواہ توجہ نہ دے سکے۔ محرومی کے اس احساس نے عصمت کے اندر بے باکی اور بغاوت کا شدید جذبہ پیدا کر دیا تھا۔ عصمت نے جا بجا اپنی اس محرومی کا گلہ کیا ہے۔ عصمت چغتائی کے برعکس جین آسٹین کی پرورش نہایت توجہ کے ساتھ ہوئی۔ انھیں اپنے والدین اور بھائی بہنوں کا پیار ملا۔ گھر کے اس مثبت ماحول نے انھیں محرومی کے احساس سے دور رکھا۔ ان کی شخصیت میں بے باکی اور مزاحمت کی کیفیت نہیں ملتی۔ عصمت چغتائی اپنے بھائیوں کی صحبت میں رہ کر پلیں بڑھیں۔ انھیں اپنے بھائیوں کے ساتھ آزادانہ طور پر کھیلنے کودنے کا بھرپور موقع ملا۔ ایسے ماحول میں رہ کر ان کے اندر لڑکیوں میں پائی جانے والی روایتی شرم وحیا کسی حد تک باقی نہ رہی۔ جین آسٹین اپنی بہنوں کے درمیان رہ کر بڑی ہوئیں۔ انھیں اپنی بڑی بہن کسندرا کی خاص شفقت حاصل رہی۔ مجموعی طور پر ہم دیکھتے ہیں کہ عصمت چغتائی اور جین آسٹین کی

پیدائش اور تربیت دو مختلف حالات میں ہوئی۔

دونوں کی شخصیت کی تشکیل و تعمیر میں معاون حالات و مسائل میں یکسانیت اور عدم یکسانیت دونوں ملتی ہے۔ دونوں نے گھر پر رہ کر اپنی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ دونوں کے اندر پایا جانے والا ادبی ذوق، گھر کے علمی و ادبی ماحول کا مرہون منت ہے۔ عصمت چغتائی کے بڑے بھائی عظیم بیگ چغتائی اردو کے نامور ادیب تھے۔ انھوں نے عصمت چغتائی کی ادبی شخصیت کی تشکیل میں ایک خاص کردار ادا کیا۔ دوسری جانب جین آسٹین کے بڑے بھائی ہنری آسٹین بھی انگریزی کے مشہور ادیب تھے۔ انھوں نے جین آسٹین کی ادبی شخصیت کی پرورش میں منفرد رول ادا کیا ہے۔ دوران تعلیم عصمت کو ہاسٹل میں رہنے کا موقع ملا۔ اپنی تعلیم کے سلسلے میں وہ لکھنؤ اور علی گڑھ جیسی جگہوں پر رہیں۔ ہاسٹل میں رہ کر وہ نئے نئے تجربات و مشاہدات سے دوچار ہوئیں۔ انھیں آزادانہ طور پر سوچنے اور جینے کا موقع ملا۔ اس کے برعکس جین آسٹین نے ابتدائی تعلیم کے علاوہ آگے کی تعلیم بھی گھر پر رہ کر حاصل کی۔ انھیں باہر کی دنیا دیکھنے کا موقع نصیب نہ ہوسکا۔ انھوں نے باضابطہ کبھی کسی یونیورسٹی یا کسی کالج سے تعلیم حاصل نہیں کی۔ آس پاس کے محدود معاشرے میں پلنے بڑھنے کے سبب ان کی فکر میں وسعت پیدا نہ ہوسکی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی کل ادبی کائنات ایک خاص طرح کی تہذیبی و معاشرتی دائرے میں گردش کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔

عصمت چغتائی برسر روزگار خاتون تھیں۔ انھوں نے محکمہ تعلیم میں ملازمت کی اور بعد میں فلم رائٹر بھی بنیں۔ اس کے برخلاف جین آسٹین خالص گھریلو خاتون تھیں۔ جنوبی انگلستان کی تہذیب و ثقافت اور وہاں کے معاشرتی پس منظر میں رہ کر جین آسٹین نے اپنی زندگی گزاری۔ انھوں نے کبھی ملازمت نہ کی۔ عصمت چغتائی برسر روزگار اور خود مکتفی خاتون تھیں۔ انھوں نے ادبی شناخت کے ساتھ زندگی بسر کی جبکہ جین آسٹین کا معاملہ بالکل مختلف ہے۔ انھیں جیتے جی ادبی شہرت و مقبولیت حاصل نہ ہوسکی۔ اس سے زیادہ بدنصیبی کی بات اور کیا ہوسکتی ہے کہ ان کی زندگی میں ان کا ایک بھی ناول شائع نہ ہوسکا۔

جین آسٹین عصمت چغتائی کے مقابلے میں زیادہ حساس تھیں۔ جین آسٹین کی شخصیت کا نسوانی پہلو بچپن سے نمو پاتا ہے جبکہ عصمت چغتائی کی شخصیت کا یہ پہلو اس طرح نمو نہیں پاتا۔ عصمت چغتائی اور جین آسٹین کا نظریۂ عشق ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہے۔ عصمت چغتائی فرائڈ کی ''تحلیل نفسی'' سے ذہنی مناسبت رکھتی ہیں۔ وہ محبت اور جنس کے تعلق کو فطری مانتی ہیں۔ ان کے نزدیک جنسی خواہشات کی تکمیل معیوب نہیں۔ عصمت نے اپنے معاشقوں کا ذکر بھی کیا ہے۔ مختلف موقعوں پر دیے گئے انٹرویو میں وہ رشتے کی پاکیزگی اور اخلاقی پابندیوں کی نفی کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ ان کے نظریۂ عشق میں سنجیدگی اور متانت نہیں ملتی۔ اس میں جذباتیت اور سطحیت نظر آتی ہے۔ مذکورہ بالا مباحث سے عصمت چغتائی کی شخصیت کے بعض اہم گوشے ابھر کر سامنے آتے ہیں۔

جین آسٹین کے ناول ان کی شخصیت کے پرتو ہیں۔ انھوں نے کبھی کوئی خودنوشت یا آپ بیتی نہیں لکھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی زندگی کے بہت سارے حقائق اب بھی پوشیدہ ہیں۔ جین آسٹین کا نظریۂ عشق پاکیزہ ہے۔ اس میں سطحیت اور جذباتیت کا گزر نہیں۔ ان کے نظریے میں ایثار و قربانی کا جذبہ ملتا ہے۔ انھوں نے ان نظریات و تصورات کو اپنے ناولوں میں تخلیقی جدت کے ساتھ پیش کیے ہیں۔ عصمت چغتائی نے ایک شادی شدہ زندگی گزاری۔ علی گڑھ میں ان کی ملاقات شاہد لطیف سے ہوئی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو پسند کیا اور پھر شادی ہوگئی۔ جبکہ جین آسٹین نے تاعمر شادی نہ کی۔ اس سلسلے میں کئی طرح کی قیاس آرائیاں ملتی ہیں۔ ان قیاس آرائیوں کے سہارے کسی ٹھوس نتیجے پر پہنچنا ممکن نہیں۔ حالیہ تحقیق کے مطابق کسی نوجوان نے ان کا دل توڑا تھا۔ جین آسٹین بے حد حسین اور خوبصورت تھیں۔ آس پاس اور دور دراز کے کئی نوجوان ان سے شادی کرنے کے آرزومند تھے۔ ان کی حساس طبیعت اور نازک مزاجی نے انھیں شادی کی اجازت نہ دی۔

عصمت چغتائی اور جین آسٹین کو بچپن سے ایک سازگار ماحول میں سانس لینے کا موقع ملا تھا۔ دونوں کی ذہنی تربیت اور شخصیت کی تشکیل ایک علمی و ادبی گہوارے میں ہوئی۔ گھر کے

ادبی ماحول نے انھیں پڑھنے لکھنے کی جانب متوجہ کیا۔ دونوں بچپن سے ہی مطالعے کی شوقین تھیں۔ دونوں نے ابتدائی دور میں ہی بڑے بڑے ادیبوں اور قلم کاروں کے شاہکار پڑھے۔ دونوں کو فکشن سے خاص لگاؤ رہا اور ان کی یہ دلچسپی آخر تک باقی رہی۔ دونوں نے کم عمری سے ہی لکھنا شروع کیا۔ ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' جین آسٹین کا شاہکار اور محبوب ترین ناول ہے۔ انھوں نے یہ ناول محض 21 ر برس کی عمر میں لکھا۔ عصمت چغتائی نے بھی چودہ پندرہ برس کی عمر سے افسانے لکھنا شروع کر دیا تھا۔ ''ٹیڑھی لکیر'' ان کے تجربات ومشاہدات کا ماحصل ہے۔ دونوں خواتین ناول نگار ادبی دنیا میں روایت شکن کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ عام روایت سے قطع نظر جین آسٹین نے گھریلو ناول لکھے۔ عصمت چغتائی نے بھی روایتی ڈگر پر چلنے سے انکار کیا۔ دونوں کے یہاں سماج اور معاشرے کی منفی ومثبت پہلوؤں کی عکاسی ملتی ہے۔ دونوں نے اپنے اپنے عہد کی تہذیبی وثقافتی زندگی کی حقیقی ترجمانی کی ہے۔

عصمت چغتائی نے ناول کے علاوہ افسانے، ڈرامے، خاکے، رپورتاژ اور سفرنامے لکھے ہیں جبکہ جین آسٹین نے صرف ناول لکھے۔ انھوں نے کل چھے ناول تخلیق کیے ہیں۔ ان کے ناول معاشرتی اور گھریلو قسم کے ہیں جبکہ عصمت چغتائی کے ناول خالصتاً گھریلو نوعیت کے نہیں ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ دونوں کے یہاں ایک جیسی فکری روش ملتی ہے۔ دونوں سماج کے بے جا رسم ورواج، معاشرے میں پھیلی ہوئی جنسی ناہمواریوں، توہم پرستی اور سماجی ناانصافی کے خلاف ہیں۔ دونوں کے ناولوں کے بنیادی موضوعات انسانی رشتے ناطے اور جذبات واحساسات ہیں۔ دونوں کے یہاں اپنے اپنے عہد اور سرزمین کی تہذیب وثقافت کی عکاسی ملتی ہے۔ دونوں کے ناولوں میں زمانے کی ہنگامہ آرائی، سیاسی انتشار، مذہبی اور فلسفیانہ مباحث نہیں ملتے۔ دونوں نے انسانی زندگی کے جیتے جاگتے مسائل کو اہمیت دی ہے۔ عصمت چغتائی نے جین آسٹین کے مقابلے میں طویل عمر پائی۔ وہ 76 برسوں تک زندہ رہیں جبکہ جین آسٹین محض 42 سال کی عمر میں ہی دنیا سے رخصت ہوگئیں۔

حواشی

1. غبار کارواں۔ماہنامہ: آج کل۔نئی دہلی، نومبر ۱۹۷۰ء، ص ۶
2. بچپن اور خاندانی ماحول۔اردو ماہنامہ: مکالمات (عصمت چغتائی نمبر)۔نئی دہلی، دسمبر ۱۹۹۱ء، ص ۳۹
3. باتیں عصمت آپا سے۔انٹرویو از شمع افروز زیدی۔ماہنامہ: بیسویں صدی۔نئی دہلی، جنوری ۱۹۹۲ء، ص ۲۴
4. باتیں عصمت آپا سے۔انٹرویو از شمع افروز زیدی۔ماہنامہ: بیسویں صدی۔نئی دہلی، جنوری ۱۹۹۲ء، ص ۲۴
5. عصمت چغتائی سے گفتگو۔انٹرویو از یونس اگاسکر۔ماہنامہ: مکالمات۔دہلی، دسمبر ۱۹۹۱ء، ص ۱۴
6. آدھی عورت آدھا خواب۔عصمت چغتائی۔بیسویں صدی پبلی کیشنز، نئی دہلی، ۱۹۸۲ء، ص ۸۔۷
7. کاغذی ہے پیرہن۔ماہنامہ: آج کل۔نئی دہلی، اکتوبر ۱۹۷۹ء، ص ۲۸
8. آدھی عورت آدھا خواب۔عصمت چغتائی۔بیسویں صدی پبلی کیشنز، نئی دہلی، ۱۹۸۲ء، ص ۲۶
9. بچپن اور خاندانی ماحول۔اردو ماہنامہ: مکالمات (عصمت چغتائی نمبر)۔نئی دہلی، دسمبر ۱۹۹۱ء، ص ۴۰
10. بچپن اور خاندانی ماحول۔اردو ماہنامہ: مکالمات (عصمت چغتائی نمبر)۔نئی دہلی، دسمبر ۱۹۹۱ء، ص ۳۹
11. باتیں عصمت آپا سے۔انٹرویو از شمع افروز زیدی۔ماہنامہ: بیسویں صدی۔نئی دہلی، جنوری ۱۹۹۲ء، ص ۲۴
12. کاغذی ہے پیرہن۔ماہنامہ: آج کل۔نئی دہلی، اکتوبر ۱۹۷۹ء، ص ۲۸
13. بحوالہ، عصمت چغتائی بحیثیت ناول نگار۔ڈاکٹر فرزانہ اسلم۔سیمانت پرکاشن، نئی دہلی، ۱۹۹۶ء ص ۱۳
14. A Preface to Jane Austen; Christopher Gillie, Longman Group Ltd, Hong kong, 1974, p.3
15. Ibid
16. With ref. to Pride and Prejudice: A Critical Study; Dr. B.P. Asthana, Sahitya Bhandar, Meerut, 1990, p.7
17. A Jane Austen Companion; F.B.Pinion, Macmillian Education Ltd. London, 1973, p.51

باب دوم

ٹیڑھی لکیر اور پرائیڈ اینڈ پریجوڈس کا موضوعاتی مطالعہ

ٹیڑھی لکیر کا موضوع

اردو ادب میں ناول کی صنف انگریزی کے توسط سے آئی ہے۔اردو میں جس وقت ابتدائی ناول لکھے گئے وہ دور سیاسی، سماجی، تہذیبی اور کئی طرح کی تبدیلیوں سے عبارت ہے۔ان تبدیلیوں کا سبب اور محرک غیر ملکی سیاسی نظام تھا۔ ہندوستان میں 1857ء کی جنگ آزادی مختلف جہتوں سے اہمیت رکھتی ہے۔اس کے دور رس اثرات نہ صرف ملک کی سیاست پر مرتب ہوئے بلکہ اس نے انسانی زندگی کے دوسرے شعبوں کو بھی متاثر کیے۔ادب کی بنیادیں ہماری تہذیب و معاشرت میں استوار ہوتی ہیں۔غدر 1857ء کے انقلابی اثرات اردو شاعری کے علاوہ اردو فکشن پر بھی مرتب ہوئے۔

1857ء کے انقلاب سے قبل اردو ادب میں قصے، کہانیاں، حکایتیں، تمثیلیں اور داستانیں رائج تھیں۔ میر امن کی ''باغ و بہار'' حیدر بخش حیدری کی ''طوطا کہانی'' اور ''آرائش محفل''، تحسین کی ''نوطرز مرصع''، ملا وجہی کی ''سب رس''، انشاء اللہ خاں انشا کی ''رانی کیتکی کی کہانی''، رجب علی بیگ سرور کی ''فسانۂ عجائب''، فقیر محمد خاں گویا کی ''بستان حکمت'' وغیرہ اردو نثر کے اوّلین نمونے ہیں۔یہی وہ ابتدائی نقوش ہیں جن کے بطن سے اردو ناول نے جنم لیا۔ان ابتدائی نقوش پر فارسی زبان و ادب کا عمل دخل واضح طور پر نظر آتا ہے۔

اردو میں ناول نگاری کی روایت انگریزی ناول کی مرہون منت ہے۔اردو فکشن نگاروں نے انگریزی ناول کا گہرا مطالعہ کیا۔اردو میں ناول نگاری کے آغاز وارتقا کے سلسلے میں محققین و ناقدین ادب کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔عام طور پر مولوی نذیر احمد کو اردو کا پہلا

ناول نگار تسلیم کیا جاتا ہے۔ان کا پہلا ناول ''مرأۃ العروس'' 1869ء میں شائع ہوا۔ پروفیسر محمود الٰہی نے اپنی تحقیق کی روشنی میں یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ پہلے ناول نگار مولوی کریم الدین ہیں۔انھوں نے اپنا ناول ''خط تقدیر'' 1862ء میں لکھا، جو''مرأۃ العروس'' سے تقریباً سات سال قبل شائع ہوا۔مولوی نذیر احمد کے تمام ناول اصلاحی مقصد کے نقطۂ نظر سے لکھے گئے ہیں۔ان کا دائرہ فکر محدود ہے۔انھیں اصلاحی وتبلیغی مقاصد کے سبب ان کے ناول فن وتکنیک کے اعتبار سے کمزور بھی ہیں۔

اس دور کے دوسرے ناول نگار رتن ناتھ سرشار ہیں۔ان کے ناول ''فسانۂ آزاد'' کواردو ناول کے ارتقا کی تاریخ میں سنگ میل کا درجہ حاصل ہے۔اس ناول میں انھوں نے لکھنؤ کی زوال پذیر معاشرت وکلچر کوخلاقانہ طور پر پیش کیا ہے۔اس میں تخیل وحقیقت کا حسین امتزاج ملتا ہے۔ان کے دوسرے قابل ذکر ناولوں میں ''جام سرشار''، ''سیر کہسار'' اور ''پی کہاں'' وغیرہ شامل ہیں۔اردوادب میں تاریخی ناول نگاری کا آغاز عبدالحلیم شرر کے ہاتھوں ہوا ہے۔شرر وہ پہلے ناول نگار ہیں جنھوں نے شعوری طور پر ناول کے فن کو برتنے کی کوشش کی۔ان کے سماجی ومعاشرتی ناولوں کے مقابلے میں تاریخی ناول انھیں اردو ناول کی تاریخ میں اہم مقام عطا کرتے ہیں۔انھوں نے ''فردوس بریں''، ''بغداد کی حسینہ''، ''منصور موہنا''، ''ملک العزیز ورجنا'' جیسے اہم ناول لکھے۔ ''فردوس بریں'' ان کا سب سے مقبول ومعروف ترین ناول ہے۔شرر کی بسیار نویسی اور زودنویسی نے ان کی ناول نگاری کونقصان پہنچایا۔ان تمام ترکمیوں اور کمزوریوں کے باوجود انھیں اردو کا والٹر اسکاٹ (Walter Scott) کہا جاتا ہے۔شرر کے ہم عصروں نے ان کے اس انداز کواپنانا چاہا لیکن انھیں وہ کامیابی وشہرت نصیب نہ ہوسکی جوشرر کوحاصل ہوئی۔

رشیدۃ النساء اردو کی پہلی خاتون ناول نگار ہیں۔ان کے ناول میں بھی اصلاح اور تبلیغ کا جذبہ کارفرما ہے۔ان کا مشہور ناول ''اصلاح النساء'' 1892ء میں شائع ہوا۔دراصل مصنفہ نے اس ناول کو 1882ء میں ہی مکمل کرلیا تھا لیکن کسی وجہ سے یہ ناول تخلیق کے دس سال بعد شائع

ہوا۔ یہ ایک معاشرتی ناول ہے۔ اس میں صوبۂ بہار کے مخصوص رسم ورواج، وہاں کی تہذیبی سرگرمیوں اور شادی بیاہ کے مناظر کی نہایت عمدہ ودلکش مرقع کشی کی گئی ہے۔ بہار کی زبان وبیان اور وہاں کا طرز گفتگو اور محاورات کے استعمال نے اسے انفرادیت عطا کی ہے۔

اردو ناول نگاری میں فن کی لطافتوں اور نزاکتوں کا احساس پہلی بار رسوا کے ناولوں سے ہوا۔ انھوں نے اردو ناول کو ایک معیار ووقار عطا کیا۔ ''امراؤ جان ادا'' ان کا شاہکار ناول ہے۔ اس ناول میں فکر وفن کی بہترین مثال ملتی ہے۔ اس میں انھوں نے جدید رنگ اختیار کیا ہے۔ ناول میں رسوا نے ایک طوائف کے سہارے لکھنؤ کی تہذیبی ومعاشرتی زندگی کو خوبصورتی کے ساتھ پیش کی ہے۔ اس میں فکر وفن کا خوبصورت امتزاج ملتا ہے۔ ان کے دوسرے ناولوں میں ''ذات شریف''، ''شریف زادہ'' اور ''اختری بیگم'' شامل ہیں۔ ''امراؤ جان ادا'' میں کردار نگاری، منظر نگاری، جذبات نگاری اور زبان وبیان کے عمدہ نمونے ملتے ہیں۔ امراؤ جان ناول کا مرکزی کردار ہے۔ اس ناول میں ایک ایسی بدنصیب عورت کی کہانی بیان کی گئی ہے جو پیدائشی طوائف نہیں ہے۔ زمانے کے حالات ومسائل نے اسے طوائف بننے پر مجبور کیا۔ اردو کا یہ پہلا کامیاب اور مکمل ناول ہے۔

ڈاکٹر یوسف سرمست نے رسوا کی ناول نگاری پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا ہے:

> ''مرزا نے اپنے مختلف ناولوں کے ذریعہ بیسویں صدی کی ناول نگاری کی راہ میں چراغ روشن کیے۔ خاص طور پر ''امراؤ جان ادا'' میں بیسویں صدی کی ناول نگاری کے سارے اہم رجحانات جنس سے لے کر سیاست تک اس قدر فنی رکھ رکھاؤ کے ساتھ نظر آتے ہیں کہ یہ ناول سنگ میل کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔''(1)

بیسویں صدی میں اردو ناول نگاری کا اہم ترین نام پریم چند ہے۔ پریم چند ایک عہد ساز ادیب ہیں۔ انھیں اردو میں افسانہ نگاری کا بنیادگزار ہونے کا شرف حاصل ہے۔ پریم چند وہ پہلے ناول نگار ہیں جنھوں نے ہندوستان کے ملک گیر مسائل مثلاً کسانوں، مزدوروں، غریبوں، اور دبے کچلے انسانوں کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو اپنے ناولوں کا موضوع بنایا۔ انھوں نے اپنے

ناولوں کے ذریعہ سماجی ناہمواریوں مثلاً ناانصافی، جہالت، چھوت چھات، رجعت پسندی، مذہبی تعصب، پسماندگی، مفلسی، بیکاری، استحصال اور ظلم وزیادتی کے خلاف پرچم بلند کیا۔ مجموعی طور پر دیکھا جائے تو پریم چند نے اردو ناول کو خیالی وتصوراتی دنیا سے نکال کر اسے انسانی زندگی اور اس کی حقیقتوں سے ہم کنار کیا۔ ''گئو دان'' ان کا شاہکار ناول ہے۔ ''میدان عمل''، ''نرملا''، ''بیوہ''، ''بازار حسن''، ''گوشۂ عافیت'' ان کے دوسرے اہم ناولوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔

پریم چند کے دور میں ہی اردو ادب میں ترقی پسندانہ رجحانات ومیلانات راہ پانے لگے تھے۔ انقلاب روس کے بعد ادب کو سماجی مقاصد کے حصول کے لیے استعمال کرنے کا شعور بتدریج پروان چڑھنے لگا تھا۔ ایسے میں ادیبوں نے دنیا بھر کے محنت کشوں، مزدوروں، محکوموں، مظلوموں کی زندگی کے مسائل کی طرف توجہ کی۔ ہندوستان میں ترقی پسند تحریک کا باضابطہ آغاز 1936ء میں ہوا۔ یہ ایک بااثر ادبی تحریک تھی۔ اس کا اصل مقصد عوام میں ذہنی بیداری اور آزادی کا جذبہ پیدا کرنا تھا۔ اس تحریک سے وابستہ ادیبوں نے ''ادب برائے زندگی'' کے نظریے کو عام کیا۔ انجمن ترقی پسند مصنفین نے پہلی کانفرنس میں منظور شدہ مینی فیسٹو کے تحت بھوک، افلاس، جہالت، بے روزگاری، غلامی اور سماجی پستی کے خلاف آواز بلند کی۔

ہندوستان میں ترقی پسند تحریک کو ہمہ گیر مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس تحریک نے اردو ادب کو غیر معمولی طور پر متاثر کیا۔ یہ تحریک اردو شاعری کے ساتھ ساتھ اردو نثر پر بھی اثر انداز ہوئی۔ اس تحریک کے زیرِ اثر اردو فکشن بالخصوص اردو ناول کے فکروفن میں نئے نئے تجربے ہوئے۔ ناول کے موضوعات میں وسعت ورنگارنگی پیدا ہوئی۔ اردو ناول میں ''شعور کی رو'' کی تکنیک اسی تحریک کی مرہون منت ہے۔ ترقی پسند تحریک کے بانی سجاد ظہیر نے اپنے ناولٹ ''لندن کی ایک رات'' میں پہلی بار 'شعور کی رو' جیسی نئی تکنیک کا تجربہ کیا۔ اس تحریک کے زیر اثر جو ناول تخلیق ہوئے ان میں انسانی زندگی کے گونا گوں مسائل کی ترجمانی ملتی ہے۔ اس تحریک کے اہم ناول نگاروں میں سجاد ظہیر، کرشن چندر، عصمت چغتائی، حیات اللہ انصاری، عزیز احمد، رامانند ساگر، راجندر سنگھ بیدی،

خدیجہ مستور، جیلانی بانو، خواجہ احمد عباس، سہیل عظیم آبادی، بلونت سنگھ وغیرہ کے نام خاص طور پر لیے جا سکتے ہیں۔

ترقی پسند تحریک سے وابستہ ناول نگاروں میں ایک اہم نام عصمت چغتائی کا بھی ہے۔ ''ٹیڑھی لکیر'' ان کا نمائندہ ناول ہے۔ ان کے دوسرے اہم ناولوں میں ''ضدی''، ''معصومہ''، ''سودائی''، ''ایک قطرہ خون'' اور ''دل کی دنیا'' خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ انھوں نے اپنے ناولوں میں ایک مخصوص معاشرے کے حالات ومسائل کو خلاقانہ طور پر پیش کیا ہے۔ جنسی حقیقت نگاری ان کے ناولوں کی نمایاں خصوصیت ہے۔ اپنی اسی خوبی کے سبب عصمت چغتائی ترقی پسند ناول نگاروں میں ایک جداگانہ حیثیت رکھتی ہیں۔

''ضدی'' ان کا پہلا ناول ہے۔ یہ ناول 1941ء میں شائع ہوا۔ یہ ایک ہلکا پھلکا رومانی ناول ہے جس کے کردار سپاٹ اور بے جان ہیں۔ نوجوان پورن اس ناول کا ہیرو ہے۔ وہ ایک جذباتی اور لاابالی قسم کا نوجوان ہے۔ پورن اپنے ہی گھر میں پرورش پانے والی نچلے اور غریب طبقے کی ایک لڑکی آشا سے محبت کرتا ہے۔ پورن آشا سے شادی کرنے کا ارادہ تو رکھتا ہے مگر بغاوت کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتا۔ اس کے والدین اس کی شادی کہیں اور طے کر دیتے ہیں۔ آخر کار پورن آشا کو حاصل نہیں کر پاتا ہے۔ پورن آشا کی محبت کو ہی سرمایۂ حیات سمجھتا ہے۔ دونوں کی دردناک موت کے ساتھ ہی ناول اپنے المیہ اختتام کو پہنچتا ہے۔ دوسرا ناول ''سودائی'' جاگیردارانہ پس منظر میں لکھا گیا ہے۔ یہ دونوں ناول فلمی انداز کے ہیں۔ ''ایک قطرہ خون'' میں کربلا کے خونیں سانحے کو پیش کیا گیا ہے۔ اس ناول کا مواد عصمت نے انیسؔ کے مرثیوں سے اخذ کیا ہے۔ عصمت نے اپنے اکثر وبیشتر ناولوں میں سماج کے فرسودہ رسم ورواج کو بے نقاب کرنے کی کوشش کی ہے۔ علاوہ ازیں سماج اور اس کے فرسودہ رسم ورواج سے بغاوت ہر جگہ نمایاں ہے۔

''ٹیڑھی لکیر'' عصمت کا شاہکار ناول ہے۔ ان کا یہ ناول 'ضدی' کے تین سال بعد 1944ء میں تخلیق ہوا۔ مذکورہ ناول فکری وتکنیکی اعتبار سے اردو ناول کے ارتقا کی تاریخ میں سنگ

میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ بنیادی طور پر یہ ایک معاشرتی ناول ہے۔ اس میں انھوں نے اپنی زندگی کے گہرے تجربات ومشاہدات کے سہارے سماج ومعاشرے میں پائی جانے والی ناہمواریوں اور برائیوں کو باریک بینی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اس میں متوسط طبقے کے معاشرتی حالات وواقعات کو مرکزیت حاصل ہے۔ اس ناول کے ذریعہ انھوں نے سماج ومعاشرے کے فرسودہ رسم ورواج، روایت پرستی، تنگ نظری، رجعت پسندی، جنسی ناآسودگی، بداخلاقی اور سماج کے ظلم واستحصال کو بے نقاب کیا ہے۔ دراصل یہ ناول ان سماجی ناہمواریوں پر ایک زوردار طمانچہ اور ایک گہرے طنز کی حیثیت رکھتا ہے۔

عصمت چغتائی معروف مفکر ودانشور فرائڈ کے نظریات سے ذہنی مناسبت رکھتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے یہاں فرائڈ کے فکر وشعور کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ ان کے ناولوں میں نفسیات کا گہرا مطالعہ ملتا ہے۔ وہ انسانی نفسیات کی روشنی میں انسانی زندگی اور اس کے گوناگوں مسائل کو اپنا موضوع بناتی ہیں۔ انھوں نے جنسی مسائل کے بعض اہم پہلوؤں کو چابکدستی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ''ٹیڑھی لکیر'' ایک نفسیاتی ناول ہے۔ اس میں عصمت نے سماج کی جنسی کج رویوں بالخصوص ہم جنسیت جیسی سماجی لعنت کو نمایاں طور پر پیش کیا ہے۔ متوسط طبقہ کی مسلم لڑکیوں میں پنپنے والے اس غیر اخلاقی فعل کے اسباب پر نفسیاتی نقطۂ نظر سے روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ناول میں ہم دیکھتے ہیں کہ اسکول کی طالبات کے ساتھ ساتھ ٹیچرس بھی اس سماجی وبا میں مبتلا ہیں۔ اسکول کی استانی مس چرن اسی بداخلاقی کے سبب اسکول سے نکالی جاتی ہے۔ اقتباس ملاحظہ ہوں:

> ''دشمن نے رات کی بات کسی سے نہ کہی، توبہ! اگر مس چرن کو معلوم ہو جاتا کہ وہ رات کو بھوت بن کر ان کے دروازے پر رویا کرتی ہے تو وہ ضرور اس سے نفرت کرنے لگتیں۔ وہ تو انھیں اتنا بھی نہ بتانا چاہتی تھی کہ وہ اس کے دماغ پر بری طرح چھائی ہوئی ہیں مگر یہ بات اوروں سے زیادہ دن نہ چھپی رہی اور پرنسپل صاحبہ نے ایک دن مس چرن سے کہہ دیا کہ وہ لڑکیوں کے اخلاقی حالت کو خراب کر رہی ہیں۔ بات یہ تھی کہ مس ممتاز ان کی چھوٹی بہن

تھیں۔اور جب سے مس چرن آئی تھیں ان کی قیمت بہت گر گئی تھی۔علاوہ شمن جیسی مرنے والی لڑکیوں کے اور قریب قریب ساری لڑکیاں انھیں بہت پسند کرتی تھیں۔''(2)

مذکورہ بالا اقتباس کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں کہ عصمت نے سماج و معاشرے میں پائی جانے والی اس برائی کو نہایت بے باکی اور جرأت مندی کے ساتھ پیش کی ہے۔اس معاشرتی و نفسیاتی بدعنوانی کے اظہار میں عصمت کے ذاتی تجربے کی جھلک ملتی ہے۔ڈاکٹر خلیل الرحمٰن اعظمی عصمت کی جنسی و نفسیاتی بصیرت پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہندوستانی معاشرے میں اخلاقی پابندیوں اور جنسی شعور کی مناسب نشو و نما پانے کی وجہ سے متوسط طبقے کی ایک ذہین و ہونہار لڑکی جس طرح نفسیاتی الجھنوں کا شکار ہوتی ہے اور اس کا اثر زندگی کے تمام شعبوں پر جس نوعیت سے پڑتا ہے اس کی جتنی کامیاب عکاسی عصمت نے کی ہے اس کی مثال مشکل سے مل سکتی ہے۔یہ ناول صحیح معنوں میں نفسیاتی ناول ہے اور زندگی کے چھوٹے چھوٹے مسائل اور جزئیات کے ذریعہ جس طرح عصمت نے ان نفسیاتی گرہوں کو کھولا ہے وہ ایک معجزے کی حیثیت رکھتا ہے۔''(3)

اس ناول میں معاشرے کی کج رویوں اور سماجی نراجیت کی اچھوتی تصویر کشی ملتی ہے۔اس کے علاوہ ناول میں انسانی زندگی کے تہہ در تہہ چھپے ہوئے احساسات و جذبات اور نفسیاتی کیفیات کی صدہا تصویریں رقص کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ناول میں لڑکیوں کی تعلیمی صورت حال اور سماج کی ذمہ داریوں کو بھی دکھلایا گیا ہے۔''ٹیڑھی لکیر'' میں تعلیم نسواں اور آزادی نسواں کے ساتھ ساتھ ان کے دوسرے اہم سماجی مسائل کو بھی موضوع بحث بنایا گیا ہے، مجموعی طور پر دیکھتے ہیں کہ ناول میں طبقۂ نسواں کے خارجی و داخلی حالات و مسائل کو مرکزیت حاصل ہے۔ان مسائل کو نمایاں طور پر پیش کرنے کے لیے اس مخصوص معاشرے و سماج کو پس منظر کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔عصمت کی فنی لیاقت اور تخلیقی بصیرت کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوسکتا ہے کہ حالات کی ماری ہوئی

ایک معمولی لڑکی کی زندگی کو بنیاد بنا کر ایسا شاہکار ناول تخلیق کیا ہے۔

یہ سچ ہے کہ ناول میں عصمت نے اپنی آپ بیتی پیش کی ہے۔ شمن کے حالات زندگی، عصمت کی زندگی کے نشیب و فراز سے میل کھاتے ہیں۔ ناول کا بغور مطالعہ کرنے پر ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ عصمت نہ صرف کسی لڑکی کی زندگی کی دشواریوں اور مجبوریوں کو پیش کرنا چاہتی ہیں بلکہ وہ اس مخصوص معاشرے کی آئینہ داری کرنا چاہتی ہیں، جہاں ہر طرف بدعنوانی اور نراجیت پھیلی ہوئی تھی۔ ناول میں مرکزی کردار شمن کے ذریعہ سماج کے مختلف سطحوں پر خواتین پر ہو رہے ظلم و زیادتی کو انھوں نے نہایت فن کارانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ مجموعی طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ''ٹیڑھی لکیر'' ایک معاشرتی ناول ہے۔ اس میں ایک خاص طبقے اور ایک مخصوص معاشرے کی ترجمانی ملتی ہے۔ اس مخصوص سماج و معاشرے کے مختلف مسائل اور نوجوان طبقے کے جذبات و احساسات اور ان کی نفسیاتی گرہوں کی عکاسی ہی اس ناول کا موضوع ہے۔ یہ ناول اپنے تجربات کی وسعت، موضوع کی انفرادیت اور فن کے رموز و نکات کے پیش نظر ایک امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔

سید وقار عظیم عصمت چغتائی کی سماجی فکر و شعور اور ''ٹیڑھی لکیر'' کے موضوع پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''عصمت نے اپنے ذاتی مشاہدات کو گہرے فکر اور وسیع تخیل میں سمو کر مکمل طور پر قاری کے مشاہدات بنا دینے کا کام جس طرح سے ٹیڑھی لکیر میں انجام دیا ہے، اب تک کوئی عورت ناول نگار انجام نہیں دے سکی تھی، سماج اور فرد کے تعلق کا احساس بعض دوسری لکھنے والیوں کو بھی رہا ہے لیکن اس تعلق سے پیدا ہونے والے مسائل پر اتنی جرأت، اتنی بے باکی (اور بعض اتنی تلخی) سے کسی ناول نگار نے تنقید نہیں کی تھی، نہ اس سے پہلے فرد کی زندگی کو ایک ٹیڑھی لکیر سمجھ کر نہ اس کا اس طرح مطالعہ ہوا تھا اور نہ اس پر اس طرح غور و فکر کر کے اسے ناول کا موضوع بنایا گیا تھا۔''(4)

ڈاکٹر یوسف سرمست اس ناول کے سوانحی انداز کے متعلق اظہار خیال کرتے

ہوئے رقم طراز ہیں:

''ٹیڑھی لکیر میں آپ بیتی کا عنصر غالب ہے۔ بلکہ یہ بنیادی طور پر خود عصمت چغتائی کی ان کی اپنی زندگی پر استوار ہوا ہے۔ ناول کا نام 'ٹیڑھی لکیر' ہے کیوں کہ اس میں اس کے مرکزی کردار شمن کے کردار کے ٹیڑھے پن کو دکھایا گیا ہے۔ شمن کے کردار کا سارے کا سارا ٹیڑھا پن خود عصمت کی زندگی سے ماخوذ ہے۔''(5)

''ٹیڑھی لکیر'' کا پلاٹ کچھ یوں ہے۔ شمن اس ناول کی مرکزی کردار ہے۔ وہ اپنے والدین کی دسویں اولاد ہے۔ شمن کی پیدائش پر خوشی کے بجائے رنج و غم کا اظہار کیا جاتا ہے۔ نتیجتاً وہ بچپن سے ہی اپنے والدین کی شفقتوں اور محبتوں سے محروم ہو جاتی ہے۔ اس کی پرورش انّا نامی ایک نوکرانی کے ذریعہ ہوتی ہے۔ والدین کی اس بے توجہی اور لاپرواہی نے اسے تنہائی کے شدید احساس میں مبتلا کر دیا۔ محرومی کا یہ احساس بعد میں ایک نفسیاتی بیماری میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شمن کے دل میں نفرت و بغاوت کے شدید جذبات پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہ سلسلہ ناول کے اختتام تک باقی رہتا ہے۔

ناول کا سارا تانا بانا شمن کی زندگی کے اردگرد گردش کرتا ہے۔ عصمت نے اس کی پیدائش سے شادی کے ذرا بعد تک کی زندگی کو پیش کیا ہے۔ شمن کی ابتدائی تعلیم و تربیت گھر پر ہوئی۔ آگے چل کر اس کا داخلہ مسلم گرلز اسکول میں کرایا جاتا ہے۔ اب وہ گھر سے دور ہاسٹل میں رہتی ہے۔ ہاسٹل کی اس زندگی میں وہ نئے نئے تجربات و مشاہدات سے گزرتی ہے۔ بورڈنگ کی لڑکیوں میں ہم جنسیت (Lesbianism) کی بیماری عام تھی۔ اسکول میں شمن کا واسطہ ایک استانی مس چرن سے پڑتا ہے۔ استانی مس چرن ہم جنسی کے مرض میں مبتلا ہے۔ مس چرن کو اس غیر اخلاقی فعل کے سبب اسکول سے نکال دیا جاتا ہے۔ شمن کی دو سہیلیاں رسول فاطمہ اور نجمہ بھی اس معاشرتی وبا میں گرفتار ہیں۔ ان کی صحبت میں رہ کر شمن بھی ہم جنسیت کی لذت سے آشنا ہوتی ہے۔ اپنی سہیلی بلقیس کے مشورے پر وہ لڑکوں کی طرف راغب ہوتی ہے۔ وہ بلقیس کے بھائی رشید سے اظہار محبت کرتی

ہے۔احساس تنہائی ومحرومی کی حالت میں وہ ہر جگہ سچی محبت اور لوگوں کی ہمدردی تلاش کرتی ہے۔

حقیقی محبت کی تلاش میں وہ بھٹکتی ہے۔اس کی زندگی میں کئی نوجوان آتے ہیں اور اس کے جذبات سے کھیل کر چلے جاتے ہیں۔اس کی زندگی میں آنے والے نوجوانوں کے نام یہ ہیں۔رشید، اعجاز، افتخار اور ضعیف العمر رائے صاحب وغیرہ۔ان لوگوں سے سوائے مایوسی اور محرومی کے کچھ بھی ہاتھ نہیں آتا۔ناول کے آخر میں وہ ایک آئرش نوجوان روفی ٹیلر سے شادی کرتی ہے۔رنگ ونسل کے اختلاف کے باعث اس سے بھی نباہ نہیں ہوتا۔اس کا شوہر روفی ٹیلر اسے چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ایک بار پھر سے شمن تنہائی ومحرومی کی آگ میں جلتی ہے۔جب اسے پتہ چلتا ہے کہ وہ ماں بننے والی ہے تو وہ بے حد خوش ہوتی ہے۔اس خوشی کے احساس سے اس کا اکیلا پن دور ہو جاتا ہے۔اب اس کی زندگی میں ٹھہراؤ ہوتا ہے۔ناول کے آخر میں شمن جذبات واحساسات کے سمندر میں ڈوبی ہوئی نظر آتی ہے۔اقتباس ملاحظہ ہوں:

> ''اسے ایسا معلوم ہوا جیسے اس کی ساری دنیا سمٹ کر خود اس کی ہستی میں سما گئی۔آج اس بیکسی کی تنہائی میں بھی کتنی چہل پہل تھی۔اس بے سروسامانی میں بھی کتنی سلجھی ہوئی سجاوٹ تھی! آج وہ کتنی متحیر مگر خوش تھی! اس سے قبل اس نے اپنے آپ کو اتنا کمزور۔۔۔اتنا بہادر، اتنا پریشان۔۔۔مگر اتنا مطمئن کبھی نہ محسوس کیا تھا اور دنیا کتنی حسین ہوگئی! زندگی زندگی عزیز!''(6)

اس اقتباس سے شمن کی نفسیاتی کیفیت اور اس کے جذبات واحساسات کی ترجمانی ہوتی ہے۔عصمت نے شمن کے کردار کے ذریعہ سماج ومعاشرے کے کھوکھلے پن اور اس کے دقیانوسی تصورات کو بے نقاب کرنے کی شعوری کوشش کی ہے۔مجموعی طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ ناول سماج کا ایک ایسا آئینہ ہے جس میں متوسط طبقے کا ایک مخصوص سماجی نظام سانس لے رہا ہے۔اس ناول کے ذریعہ ہمیں اس عہد کی سماجی ناہمواریوں سے واقفیت حاصل ہوتی ہے۔

پرائیڈ اینڈ پریجوڈس کا موضوع

جین آسٹین کی ناول نگاری کا شمار گھریلو یا خاندانی ناول(Domestic Novel) کے ذیل میں ہوتا ہے۔ اسے ہم معاشرتی ناول بھی کہہ سکتے ہیں۔ یہ ایک ایسا ناول ہے جس میں سماج و معاشرے کے حالات و واقعات کی سچی ترجمانی ملتی ہے۔ آج کے اس سماج میں گھریلو معاملات کو سماجی معاملات سے الگ کرنا بہت مشکل ہے۔ لہٰذا خالصتاً گھریلو ناول تلاش کرنا دشوار ہے۔ اس قسم کے ناول میں ناول نگار ایک، دو یا زاید کنبے کے گھریلو حالات و مسائل پر اپنی توجہ مرکوز کرتا ہے۔ ہر کہانی جو ایک ہی کنبے سے متعلق ہے اسے گھریلو ناول نہیں کہہ سکتے۔ مصنفہ نے انگریزی ادب میں ڈومیسٹک ناول کی بہترین مثال پیش کی ہے۔ ناول ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' ان کا اہم ترین کارنامہ ہے۔ اس ناول کا شمار انگریزی کے ادب عالیہ میں ہوتا ہے۔ اس میں انھوں نے انگلستان کے دیہی معاشرے کی جیتی جاگتی تصویر پیش کی ہیں۔

مثال کے طور پر Virginia Woolf کا ناول "To the Lighthouse" ریم جے (Ramsay) فیملی کی کہانی بیان کرتا ہے مگر اسے ہم گھریلو ناول نہیں کہہ سکتے کیوں کہ اس میں ناول نگار کی توجہ اس کے گھریلو معاملات پر مرکوز نہیں ہے۔ دراصل یہ ایک ایسا ناول ہے جس میں شعور کی رو (Stream of Consciousness) کی تکنیک کا تجربہ کیا گیا ہے۔ اس ناول کا پس منظر گھریلو ناول سے کہیں زیادہ وسیع تر ہے۔

انگریزی ادب میں ناول نگاری کی ایک مستحکم روایت موجود ہے۔ سترہویں صدی سے ہی انگریزی ادب میں ناول نگاری کا رجحان ملتا ہے۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ John

Bunyan کے ناول Pilgrim's Progress کے ساتھ ہی انگریزی ادب میں ناول نگاری کا آغاز ہوتا ہے۔اس ناول کو انگریزی کا پہلا ناول ہونے کا شرف حاصل ہے۔اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ جان بنین نے اس ناول کے ساتھ ہی انگریزی میں ناول نگاری کی راہ ہموار کی۔ 1776ء میں تصنیف شدہ اس ناول میں مذہبی فکر و خیال کے علاوہ اخلاقی اصول وقواعد ملتے ہیں۔اس ناول میں خیر وشر کی کشمکش کے ساتھ ساتھ انجیل کا ایک خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ بہر کیف "Pilgrim's Progress" کو انگریزی ناول نگاری میں نقطۂ آغاز کی حیثیت حاصل ہے۔

انگریزی ادب میں ناول نگاری کے آغاز وارتقا کی ایک لمبی تاریخ موجود ہے۔ جدید تحقیق کے مطابق سیمول رچرڈسن (Samuel Richardson) کا مشہور زمانہ ناول "Pamela" کو انگریزی کا پہلا حقیقی ناول تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہ ناول 1740ء میں تخلیق ہوا۔ اسے انگریز زبان وادب میں غیر معمولی شہرت ومقبولیت حاصل ہوئی۔اس میں انھوں نے انسانی زندگی اور اس کے حالات ومسائل کو موضوع بنایا ہے۔سیمول رچرڈسن نے اس ناول میں انسانی فطرت کو بڑے ہی فن کارانہ انداز میں پیش کیا ہے۔انگریزی ناول نگاری کے لیے اٹھارہویں صدی کا زمانہ خاص اہمیت رکھتا ہے۔اس صدی میں انگریزی ناول کو صحیح معنوں میں عروج حاصل ہوا۔ فکروفن کے نئے نئے تجربے ہوئے۔اس عہد سے وابستہ ناول نگاروں میں Joseph Addison,Richard Steele,Daniel Defoe,Henry Fieldinge,Tobias Smollett, Laurence Sterne,Oliver Goldsmith,Sir Walter Scott اور Jane Austen کے نام خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ مذکورہ بالا ناول نگاروں نے انگریزی ناول کو انسانی زندگی سے روشناس کرایا۔ان ناول نگاروں کی تخلیقات میں انسانی زندگی کی حقیقی ترجمانی ملتی ہے۔ناول کو جتنی وسعت، ہمہ گیری، تنوع اور رنگارنگی حاصل ہوئی اس بنا پر اس عہد کو انگریزی ناول کا عہد زریں کہا جاسکتا ہے۔

ہر زبان وادب میں موضوع ومواد کے اعتبار سے ناول میں درجہ بندی کی روایت

ملتی ہے۔انگریزی زبان وادب میں بھی ناول کو اس کے موضوع کی نوعیت کی بنا پر مختلف خانوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ مثلاً Historical Novel,Realistic Novel,Domestic Novel,Regional Novel,Psychological Novel,Picaresque Novel,Gothic Novel,Political Novel وغیرہ۔ ویسے اگر دیکھا جائے تو مواد یا موضوع کے لحاظ سے ناول کی سینکڑوں قسمیں ہوسکتی ہیں۔ ہر ناول نگار کا ایک خاص قسم کا تجربہ ہوتا ہے اور اس کی بنا پر اس کا ناول فن میں خاص اضافہ کرتا ہے، پھر بھی دس یا بارہ اقسام ایسے ملتے ہیں جو خاص طور پر نمایاں ہیں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔

انگریزی زبان وادب میں Domestic Novel (گھریلو یا خاندانی) کا آغاز اٹھارہویں صدی میں ہوتا ہے۔ Oliver Goldsmith نے اپنے ناول "The Vicar of Wakefield" کے ساتھ ہی گھریلو یا خاندانی ناول لکھنے کی طرح ڈالی۔انھوں نے خالصتاً گھریلو ومعاشرتی ماحول اور اس کے گونا گوں حالات ومسائل کو اپنے ناول کا موضوع بنایا۔ مذکورہ ناول میں انھوں نے ایک چھوٹے سے گھر میں رہنے والے معصوم لوگوں کی زندگی کی عکاسی کی ہے۔

ڈاکٹر گنجن چترویدی انگریزی زبان میں ڈومیسٹک ناول کے آغاز کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

> "It goes to the credit of Oliver Goldsmith to introduce the subject of domestic life and happy fireside as the subject of fiction. His single novel 'The Vicar of Wakefield' is the benigh comedy of simple domesticity picturing a little household of blameless souls, the happy contented life of a family headed by Dr. Primrose." (7)

انگریزی ادب میں گھریلو یا خاندانی ناول کی روایت کو صحیح معنوں میں استحکام بخشنے

والوں میں Maria (1767-1849)،Fanny Burney(1752-1840) Edgeworth اور Jane Austen کے نام خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ دراصل حقیقی گھریلو ناول فینی برنے کے ساتھ منظر عام پر آیا۔اس نے ماریا ایجورتھ کے ساتھ مل کر جین آسٹین کے لیے ایک ایسی زمین تیار کی جس پر آگے چل کر جین آسٹین نے شاندار عمارت تعمیر کی۔ فینی برنے نے "Evelina" اور "Cecilia" جیسے کامیاب ناول لکھے۔ان دونوں ناولوں میں انھوں نے ایک متوسط طبقے کے خاندان کی زندگی کو ناول کے کینوس پر پیش کی ہے۔ان کے دونوں ناول زندگی کی سچی مرقع کشی کے لیے جانے جاتے ہیں۔

ماریا ایجورتھ کی ادبی خدمات کا اعتراف بھی انگریزی کے ناقدین ادب نے کیا ہے۔انھوں نے اپنے عہد کے سماجی حالات ومسائل کو اپنے ناول کا موضوع بنایا۔ان کے یہاں اٹھارہویں صدی کے طور طریقوں اور سماجی صورت حال کی نمائندگی ملتی ہے۔ خاص طور ان کے یہاں آیر لینڈ اور لندن کی سماجی زندگی کی عکاسی ملتی ہے۔ "The Absentee" اور " Castle Rackerent" ان کے اہم ناول ہیں۔ایسا لگتا ہے کہ انھوں نے فینی برنے اور جین آسٹین کے درمیان واقع خلا کو پر کیا ہے۔ ان کے دوسرے ہمعصر خاتون ناول نگاروں میں Susan Ferrier(1782-1854) اور Mary Russel Mitford (1787-1855) وغیرہ کو خاص اہمیت حاصل ہے۔سوجین فیریر نے "Marriage","The Inheritance" اور "Destiny" جیسے ناول تخلیق کر کے انگریزی ناول نگاری کے سرمائے میں خوش گوار اضافہ کیا۔ ان کے ناول فکر وفن دونوں اعتبار سے قابل ذکر ہیں۔ مس ملفورڈ کا ناول "Our Village" بھی سماجی اور گھریلو اظہارِ خیال کے لیے جانا جاتا ہے۔ یہ ناول سماج کی خوبیوں اور اچھائیوں کے ساتھ ساتھ اس کی پوشیدہ خامیوں اور عیوب کو بھی بے نقاب کرتا ہے۔

جین آسٹین نے انگریزی ناول نگاری کو ایک معیار ووقار عطا کیا ہے۔ وہ ایسی واحد خاتون ناول نگار ہیں جنھوں نے سب سے کامیاب گھریلو ناول لکھے۔انھوں نے کل چھے ناول

تخلیق کیے ہیں۔ ان ناولوں میں معاشرتی زندگی کی ترجمانی کی گئی ہے۔جین آسٹین کے یہاں موضوعات کا تنوع نہیں ملتا۔بعض ناقدین ادب کو ان کے اسی محدود دائرہ فکر کی شکایت بھی ہے۔ان کے یہاں انگلستان کی سماجی وتہذیبی زندگی،نوجوانوں کے جذبات واحساسات کے ساتھ حسن وعشق کے قصے،شادی بیاہ وغیرہ کی جاندار تصویر کشی موجود ہے۔ان کے تمام ناولوں میں یہی باتیں نظر آتی ہیں۔اگر دیکھا جائے تو ان کی انفرادیت کی اصل وجہ یہی ہے۔بعض ناقدینِ ادب نے ان کی اس انفرادیت کا اعتراف بھی کیا ہے۔

ڈاکٹر ایس سین(Dr. S.Sen)جین آسٹین کی ادبی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"Jane Austen occupies a prominent place in the history of the art of fiction. Though she was contemporary of Sir Walter Scott, She is more in line with her predecessors in this art than with him. She widened the scope of fiction in almost all its directions."(8)

"Pride and Prejudice"ان کا سب سے مشہور ناول ہے۔اس ناول کو نہ صرف انگریزی ادب بلکہ عالمی سطح پر کافی سراہا گیا۔یہ ناول 1797ء میں تخلیق ہوا۔یہ پہلی بار "First Impressions"کے نام سے جانا گیا۔جین آسٹین کا یہ ناول بعد میں چل کر ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' کے نام سے 1813ء میں شائع ہوا۔مصنفہ نے بھی اسے اپنا محبوب ترین ناول قرار دیا ہے۔ اس بات کا اظہار انھوں نے اپنی بڑی بہن کسندرا کو لکھے گئے خطوط میں کیا ہے۔William somerset Maugham جیسا نوبل انعام یافتہ ادیب نے اسے دنیا کے دس بہترین ناول میں شمار کرتے ہوئے ایک جگہ لکھا ہے۔

"Pride and Prejudice as one of the ten best novels of the world." (9)

اس ناول میں مصنفہ نے انگلستان کے ایک خاص سماجی طبقے کی زندگی کے

معاشرتی پہلو کی تصویر کشی کی ہے۔اس کے لیے انھوں نے وہاں کی مخصوص تہذیبی وسماجی صورت حال کو پس منظر کے طور پر استعمال کیا ہے۔ مثلاً وہاں کا رہن سہن، بول چال، خورد ونوش اور بود وباش کی اچھوتی عکاسی ملتی ہے۔ ناول میں ہر جگہ شادی بیاہ، پارٹیاں، ڈنر، بال، رقص وسرود، چھیڑ چھاڑ، حسن وعشق وغیرہ کا ذکر ملتا ہے۔اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ انھوں نے اس ناول میں وہاں کی مخصوص سماجی زندگی کے ساتھ ساتھ انگلستان کے نوجوانوں کے جذبات واحساسات اور ان کے اہم مسائل سے بھی سروکار رکھا ہے۔ ناول میں ہر جگہ شادی بیاہ، رقص وسرود ورنگین محفلوں کا اہتمام ملتا ہے۔بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ انگلینڈ کے نوجوان طبقے کے داخلی جذبات وکیفیات اور ان کی زندگی کے نصب العین کو نمایاں طور پر پیش کرنا چاہتی ہیں۔جبکہ ناول کے مطالعے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انہو ں نے اپنے اس عہد کی تہذیب وتمدن کی مرقع کشی کی ہے۔۔ ناول کے ابتدائی چند الفاظ سے ہی ناول کے موضوع کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔اقتباس ملاحظہ ہو:

> "It is a truth universally acknowledged, that a single man in possession of a good fortune must be in want of a wife." (10)

ناول ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' میں نوجوانوں کے مسائل کو مرکزی اہمیت حاصل ہے۔ وہ نوجوان طبقے کے حسن اور ظاہری شکل وصورت کو ابھارنے میں محتاط رویّہ اختیار کرتی ہیں۔ان کی توجہ زیادہ تر نوجوانوں کی شادی بیاہ اور عشق ومحبت کی گتھی سلجھانے میں مرکوز رہتی ہے۔اس کے لیے وہ ڈرامائی انداز بھی اختیار کرتی ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس ناول میں نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کی خاصی تعداد موجود ہے۔نوجوانوں کا یہ طبقہ نفسیاتی اور ذہنی کرب وانتشار میں مبتلا نظر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ناول میں ہر جگہ کشمکش اور تصادم کی کیفیت ملتی ہے۔ ناول کی ہیروئن ایلز بیتھ (Elizabeth) کے علاوہ دوسری تمام نوجوان لڑکیاں خوبصورت اور صاحب ثروت شوہر کی منتظر ہوتی ہیں۔اس مقصد کے حصول کے لیے وہ سازش اور مکاری کرنے سے باز نہیں آتیں۔

یہی وجہ ہے کہ ناول میں شروع سے آخر تک جذبات نگاری اور داخلی کشمکش کی بہترین مثالیں ملتی ہیں۔کرداروں کی اس تصادم وکشمکش کے باوجود ناول میں ہر جگہ ایک توازن وسنجیدگی برقرار ہے۔یہ جین آسٹین کے فن کا کمال ہے۔

ناول کے مطالعہ کے بعد یہ بات باوثوق کہی جاسکتی ہے کہ ناول پر مصنفہ کی شخصیت کی چھاپ نظر آتی ہے۔ان کے اس ناول کا اندازِفکر اور اسلوب روایتی ناول سے مختلف ہے۔پھر بھی جو رواداری، جذبات واحساسات، وسیع المشربی، اخلاق اور محبت ان کے یہاں ملتے ہیں وہ انسان دوست ادیبوں کا خاصہ ہے۔اس ناول میں جذبات کی گرمی، خلوص کی صداقت اور احساس کی نرمی سب کچھ ہے۔عنوان کی مناسبت سے ناول میں تعصب، فخر، نفرت اور محبت کی دھوپ چھاؤں کی حسین دنیا آباد ہے۔حرکت وعمل کا یہ سلسلہ ناول کے اختتام تک جاری رہتا ہے۔

ناول میں اعلیٰ متوسط طبقے کی کہانی بیان کی گئی ہے۔مسٹر بینیٹ (Mr.Bennet) کا کنبہ لانگ برن (Longbourn) نامی ایک چھوٹے سے گاؤں میں پچھلے کئی سال سے مقیم ہے۔مسٹر بینیٹ کنبے کے سربراہ ہیں۔وہ ایک بےفکر، لاابالی اور غیر ذمہ دار قسم کے آدمی ہیں۔ان کی بیوی مسز بینیٹ (Mrs.Bennet) کم فہم، بیوقوف اور بے حد باتونی عورت ہیں۔انھیں ہر وقت اپنی پانچ بیٹیوں کی شادی کی فکر لگی رہتی ہے۔ان کی سب سے بڑی بیٹی جین بینیٹ (Jane Bennet) نہایت حسین وجمیل ہے۔وہ ہر وقت خودنمائش میں مصروف رہتی ہے۔ان کی دوسری بیٹی ایلزبیتھ (Elizabeth) ناول کی ہیروئن ہے۔ایلزبیتھ ایک روشن خیال، خوش اخلاق، خوددار، ذہین اور ذمہ دار لڑکی ہے۔ناول میں وہ ہر جگہ سنجیدہ اور اپنے خاندان کی عزت ووقار کے تئیں فکرمند نظر آتی ہے۔وہ جین کے مقابلے میں کم خوبصورت ہے۔اس کی دوسری بہنیں میری (Mary) کیتھرین (Catherine) اور لیڈیا (Lydia) ناول کے قصے کو آگے بڑھانے میں اہم رول ادا کرتی ہیں۔ناول کا سارا تانا بانا بینیٹ فیملی کے اردگرد گردش کرتا ہے۔

ناول کے ابتدائی حصے میں کرداروں کا تعارف نہایت ڈرامائی انداز میں کیا گیا

ہے۔مسٹر ڈارسی (Mr.Darcy) ناول کا ہیرو ہے۔ وہ مسٹر بینگلے (Mr.Bingley) کا قریبی دوست ہے۔بینیٹ فیملی کو مسٹر بینگلے کے آنے کی خبر ملتی ہے۔مسٹر بینیٹ کے گھرانے کو یہ جان کر بے حد خوشی ہوتی ہے کہ مسٹر بینگلے غیر شادی شدہ اور صاحب ثروت نوجوان ہے۔اس خبر کا سب سے زیادہ اثر مسز بینیٹ پر ہوتا ہے۔وہ بے حد جذباتی ہو اٹھتی ہیں۔وہ مسٹر بینگلے سے اپنی کسی ایک بیٹی کی شادی کا خواب دیکھتی ہیں۔مسٹر بینگلے بینیٹ گھرانے کے یہاں تشریف لاتا ہے۔اس پہلی ملاقات میں ہی وہ جین بینیٹ کو دل دے بیٹھتا ہے۔جین بھی اس سے بے حد متاثر ہوتی ہے اور اظہار محبت کرتی ہے۔مسٹر ڈارسی جین کی چھوٹی بہن ایلزبیتھ سے محبت کرتا ہے۔ان دونوں کی محبت میں بڑی پیچیدگی ہے۔ بہرکیف کہانی انجام کو پہنچتی ہے اور دونوں کی شادی ہوتی ہے۔ان دونوں کے علاوہ ناول میں دوسری شادیاں بھی ہوتی ہیں۔آخر کار ناول طربیہ اور خوشگوار انداز میں اختتام پذیر ہوتا ہے۔

ناول کے آغاز میں رقص وسرود کی محفل کا اہتمام ہوتا ہے۔اس محفل تقریب میں بینیٹ گھرانے کے افراد بھی مدعو کیے جاتے ہیں۔اس خاص موقع پر مسٹر ڈارسی مسز ایلزبیتھ پر یہ کہہ کر طنز کرتا ہے کہ میں صرف ایسی خاتون کے ساتھ رقص کرنا پسند کرتا ہوں میرے ہم مرتبہ ہو۔مسٹر ڈارسی کے اس طنز سے ایلزبیتھ نے اس کے متعلق اچھی رائے قائم نہیں کی۔ بلکہ اس کے دل میں نفرت وتعصب کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔اس نفرت وتعصب کی آگ کو بجھنے میں کافی وقت لگتا ہے۔ ناول میں بعض اوقات جنسی بے راہ روی کی مثال بھی نظر آتی ہے۔جین بینیٹ کی چھوٹی بہن لیڈیا ایک غیر مہذب وجذباتی لڑکی ہے۔اس کی شخصیت میں اخلاقی اقدار کا فقدان ہے۔ وہ ناول میں ہر جگہ نفسیاتی کیفیت میں مبتلا رہتی ہے۔جنسی خواہش کی تسکین کے لیے وہ غلط راستے بھی اختیار کرتی ہے۔لیڈیا اپنی خالہ سے ملنے میریٹن (Meryton) جاتی ہے اور وہاں فوجی افسران سے عشق لڑاتی ہے۔ایک دفعہ اس کا عشق اس قدر پروان چڑھتا ہے کہ وہ وکھم (Wikham) نامی ایک فوجی افسر کے ساتھ بھاگ جاتی ہے۔رشتہ داروں اور مسٹر ڈارسی کے کافی سمجھانے پر وکھم لیڈیا سے شادی کے

لیے راضی ہوتا ہے۔

ناول میں کوئی کسی کی دولت تو کوئی کسی کے حسن پر فدا نظر آتا ہے۔اس جنسی بے راہ روی اور جذباتی لگاؤ کے برخلاف ناول میں مثالی محبت اور شائستگی کی مثال بھی موجود ہے۔جین بینیٹ اور ایلزبیتھ بینیٹ نہایت سنجیدہ اور ذمہ دار قسم کی لڑکیاں ہیں۔ان دونوں کے یہاں جذباتیت نہیں ملتی۔ بلکہ دونوں اپنی محبت میں محتاط نظر آتی ہیں۔اپنی ماں مسز بینیٹ کے اکسانے کے باوجود دونوں سوچ سمجھ کر فیصلہ لیتی ہیں۔ دلچسپ بات یہ کہ ان کے والدین وسرپرست ہر وقت ان کی شادی کو لے کر فکر مند نظر آتے ہیں۔ناول میں نوجوان لڑکیوں کے والدین کے سامنے ایک بڑا اور اہم مسئلہ دولت منداور خوبصورت داماد کا ہے۔اس کے لیے وہ سازش اور مکاری کرنے سے بھی باز نہیں آتے۔

مذکورہ بالا تفصیلات سے ناول ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' کے موضوع پر بھرپور روشنی پڑتی ہے۔اس ناول میں مصنفہ نے عشق ومحبت اور شادی بیاہ کو موضوع کے طور پر پیش کیا ہے۔شادی بیاہ اور پیار محبت کو ناول میں مرکزیت حاصل ہے۔ ان کی تمام تخلیقات بالخصوص ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' میں نوجوان لڑکیاں اچھے شوہر کی تلاش میں فعال نظر آتی ہیں۔جین آسٹین نے روایتی انداز فکر سے انحراف کرتے ہوئے اپنے ناولوں میں ایک خوشگوار اور حسین دنیا آباد کی ہے۔انگریزی کے بعض ناقدین نے شادی بیاہ اور حسن وعشق کو ہی ان کی کل کائنات قرار دیا ہے۔

ایک ادیب وفن کار بے حد حساس ہوتا ہے۔ وہ کسی بھی حال میں اپنے عہد سے آنکھیں نہیں چرا سکتا۔جین آسٹین نے اپنے عہد کے حالات ومسائل سے چشم پوشی کی ہے۔ وہ جس دور سے تعلق رکھتی ہیں اس وقت دنیا ایک نئی کروٹ لے رہی تھی۔ سیاسی،سماجی،معاشی اور تہذیبی سطح پر بڑے بڑے انقلابات رونما ہوئے۔امریکہ اور فرانس کی انقلابی تحریک نے عالمی سطح پر جو اثرات مرتب کیے،اس کی آہٹ تک ان کی تخلیقات میں نہیں سنائی پڑتی۔ان کی اسی محدود دائرہ فکر کو لے کر ادبی حلقے میں ایک لمبی بحث چھڑی ہوئی تھی۔انگریزی کے بعض ادیبوں نے ان کی محدود دائرہ فکر کو

ہدف تنقید بھی بنایا ہے۔ان کی شکایت ہے کہ وہ اپنے اس محدود دائرے سے نکلنے میں ناکام رہیں ہیں۔اس کے برخلاف بعض ادبی حلقوں میں لوگوں نے جین آسٹین کے اس محدود دائرہ فکر کو خوبی میں شمار کرتے ہوئے اس کا اعتراف بھی کیا ہے۔یہ ایک حقیقت ہے کہ جین آسٹین نے اپنے اس ناول میں ایسی حسین ودلفریب دنیا قائم کی ہے جس کی نظیر کہیں اور نہیں ملتی۔

جین آسٹین کی محدود دائرہ فکر پر اظہار خیال کرتے ہوئے معروف ناقد اینڈر یو ایچ رائٹ (Andrew H. Wright) نے کہا ہے:

"In short, nearly all Jane Austen's readers-admirers and detractors alike-see in her choice of subject matter a deliberate limitation, a smallness of range. But those who like to find her scope quite adequate to the exposition of important themes: those who dislike her complain that the country gentry can not possibly yield anything of surpassing value. We must, then, turn to Jane Austen's themes, their nature and validity."(11)

جین آسٹین کا تعلق کسی خاص مکتبۂ فکر یا کسی تحریک سے نہیں ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان کے یہاں انتہا پسندی اور مقصدیت حاوی نہیں ہے۔ان کے یہاں کسی مذہبی یا فلسفیانہ انداز فکر کا پتہ نہیں ملتا۔وہ اپنے صحت مند سماجی شعور کی بنا پر دنیا کے ہنگاموں سے دور ایک الگ کائنات تخلیق کرتی ہیں۔اور یہی وصف ان کی ادبی عظمت وانفرادیت کا راز ہے۔وہ جس عہد سے تعلق رکھتی ہیں، وہ نہایت ہنگامہ خیز اور پرآشوب دور رہا ہے۔اس ہنگامہ خیز اور انقلاب انگیز زمانے کے دوررس اثرات انگریزی ادب خصوصاً انگریزی ناولوں میں محسوس کیے جاسکتے ہیں۔اس مخصوص عہد کے اکثر وبیشتر ناول نگاروں نے عالمی سطح پر رونما ہونے والے انقلابات اور سماجی نشیب وفراز کی حقیقی ترجمانی کی ہے۔لیکن جین آسٹین نے اپنے ہمعصر ناول نگاروں کے برعکس اپنی ایک الگ دنیا بنائی۔

جین آسٹین جس عہد سے تعلق رکھتی ہیں وہ ایک رومانی دور ہے۔ انگریزی ادب میں 1798ء سے رومانی دور کا آغاز ہوتا ہے۔ انگریزی میں رومانی تحریک نشاۃ الثانیہ (Renaissance) کے بعد دوسری بڑی اور ہمہ گیر تحریک رہی ہے۔ اس تحریک نے انگریزی ادب بالخصوص ناول پر اپنے دیرپا اثرات چھوڑے۔ رومانی تحریک 1798ء سے لے کر 1832ء تک پھیلی ہوئی ہے۔ یعنی یہ تحریک انیسویں صدی کی تین دہائیوں تک چھائی رہی۔ اس تحریک کے زیر اثر انگریزی ناول کے سرمائے میں کافی اضافہ ہوا۔ کئی مشہور واہم ناول لکھے گئے۔ غالباً جین آسٹین نے اسی رومانی روایت کے زیر اثر اپنے اس ناول کو "First Impressions" کے نام سے تخلیق کیا تھا۔ جو بعد میں "Pride and Prejudice" کے عنوان سے 1813ء میں شائع ہوا۔ اگر چہ تاریخی اعتبار سے جین آسٹین کا شمار انیسویں صدی میں کیا جاتا ہے لیکن مزاج ومیلان کے اعتبار سے وہ اٹھارہویں صدی کی پیداوار ہیں۔ ان کے فن پر ان کی شخصیت کی گہری چھاپ موجود ہے۔ پیش نظر ناول میں زمانے کی رومانی جھلکیاں اپنے پورے آب وتاب کے ساتھ نظر آتی ہیں۔

جین آسٹین نے اپنے ناول ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' کو محض 21/سال کی عمر میں لکھا۔ اسے وہ اپنا محبوب ناول قرار دیتی ہیں۔ اس میں انھوں نے اصلاحی نقطۂ نظر سے بعض مسائل کو پیش کیا ہے۔ خواتین کے بعض اہم مسائل کو مرکزی اہمیت حاصل ہے۔ ان کی سماجی ومعاشرتی زندگی کی جیتی جاگتی ترجمانی اس ناول میں موجود ہے۔ اس مخصوص عہد کے معاشرتی ڈھانچے میں جو اچھائیاں اور خرابیاں تھیں، ان کی چلتی پھرتی تصویریں اس ناول میں ملتی ہیں۔ انگلینڈ کے اس طبقۂ نسواں کے احساسات وخیالات اور ان کے داخلی جذبات کو ادبی حسن کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ اس عہد کے انگلستان میں خواتین کے تئیں سماجی رویےّ اور وہاں کی معاشرتی صورت حال کی عکاسی بھی ملتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ناول میں ہر جگہ خواتین کو آزادی حاصل ہے۔ ان پر سماج کی کوئی بندش نہیں ہوتی۔ انھیں زندگی کے ہر موڑ پر مکمل آزادی حاصل ہے۔ ناول میں نسوانی کردار آزادانہ طور پر

زندگی گزارتی ہیں۔ ان پر سماجی، معاشرتی اور مذہبی نظام حیات کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔ ناول میں ہر جگہ ڈنر پارٹیاں، رقص وسرود کی تقریب اور سیر وسیاحت کا ذکر ملتا ہے۔

ناول میں خواتین تمام سماجی وگھریلو بندشوں سے آزاد ہوکر زندگی جیتی ہیں۔ رقص وسرود اور منعقد ہونے والی دوسری رنگین محفلوں میں بے روک ٹوک حصہ لیتی ہیں۔ دراصل لڑکیوں کی یہ آزادی انگلستان کی تہذیب وکلچر کا ایک اہم حصہ ہے۔ بڑی بہن جین بینیٹ کے بیمار ہونے پر ایلز بیتھ کئی میل اکیلے پیدل چل کر نیتھر فیلڈ پارک (Netherfield Park) پہنچتی ہے۔ ناول میں لڑکیوں کو گھوڑسواری کرتے ہوئے بھی ہم دیکھ سکتے ہیں۔ یہ بھی انگلینڈ کے معاشرے اور وہاں کی تہذیب وتمدن کا ایک حصہ ہے۔ لیڈیا ایک فوجی افسر وکھم کے ساتھ بھاگ جاتی ہے۔ یہ وہاں کے معاشرتی زوال کی بہترین مثال ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ اس کے بھاگ جانے سے بینیٹ فیملی پر کوئی خاص اثر نہیں پڑتا۔ وہاں لڑکیوں کا لڑکوں سے آزادانہ طور پر ملنا اور اظہارِ عشق کرنا معیوب نہیں سمجھا جاتا۔ لڑکیاں بیک وقت کئی مردوں سے عشق لڑاتے نظر آتی ہیں۔ بھری محفل میں لڑکے اور لڑکیاں سب کی نگاہوں کے سامنے ایک دوسرے کا بوسہ لیتے ہیں۔ یہ وہاں کی تہذیب کی ایک خوبی ہے۔ ناول میں مذکورہ حالات ومسائل اور وہاں کی معاشرتی صورت حال کی آئینہ داری ملتی ہے۔

دراصل ناول ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' کا اصل ومرکزی موضوع شادی ہے۔ جین آسٹین نے اچھی وبری شادی کے فرق کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے نزدیک ایسی شادی جو دولت کے لالچ میں ہوتی ہے، دیرپا نہیں ہوتی۔ ناول میں مسٹر کولنس (Mr. Collins) اور شارٹ لیوکاس (Charlotte Lucas) کی شادی اس کی بہترین مثال ہے۔ وقت کے ساتھ انسان کے حالات بدلتے ہیں۔ نتیجتاً شارلٹ لیوکاس معاشی اور اقتصادی طور پر پریشان ہوکر اپنی زندگی سے نجات چاہتی ہے۔ ناول میں ایک جگہ وہ خودکشی کرنے کی کوشش بھی کرتی ہے۔ اس ناول میں اکثر وبیشتر کردار ایک دوسرے کی دولت وشہرت اور عیش وآرام دیکھ کر رشتۂ ازدواج قائم کرنے کے خواہش مند نظر آتے ہیں۔ ناول میں چند کردار ایسے بھی ہیں جو کسی کی امیری اور دھن دولت پر

جان نہیں دیتے بلکہ کسی کے حسن و جمال اور خوبصورتی سے متاثر ہوتے ہیں۔ان کی نظر میں دولت اور عیش و آرام معمولی چیز ہوتی ہے۔جین آسٹین نے اس قسم کی شادی کو بھی عارضی اور بیکار بتایا ہے۔ان کا خیال ہے کہ جذبات پر قائم شدہ رشتے دیرپا نہیں ہوتے۔ ناول میں لیڈیا وکھم کی شادی اس کی اچھی مثال ہے۔

ڈاکٹر ایس سین (Dr.S.Sen) اس نکتے پر اظہار خیال کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں:

"The second kind of 'bad' marriage is marriage based on such superficial qualities as sex, appearance, good looks and youthful vivacity-the runway marriage of Lydia and Wikham. The passion between the unprincipled rake Wikham and the flighty lydia is bound to cool and in their unhappy married life mutual toleration is the nearest approach to affection that can be expected." (12)

جین آسٹین نے اپنے شہرۂ آفاق ناول ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' کے ابتداء میں ہی ناول کے موضوع کا تعارف پیش کر دیا ہے۔ناول کا آغاز نہایت ڈرامائی انداز میں ہوتا ہے۔ ناول کے ابتدائی جملے سے ناول کے موضوع کو سمجھنے میں کافی مدد ملتی ہے۔ وہ ناول کو نہایت دلچسپ و پرلطف انداز میں شروع کرتی ہیں۔ یہی اسلوب انھیں دوسروں سے منفرد بناتا ہے، یہ ان کے فن کا کمال ہے۔ایسا لگتا ہے کہ کسی خاص مقصد کے تحت انھوں نے یہ رویہ اختیار کیا ہے۔اس ناول کے علاوہ ان کے دوسرے ناولوں میں بھی یہ ڈرامائی انداز ملتا ہے۔ ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' ابتداء سے ہی قاری کو اپنے حصار میں لے لیتا ہے۔ناول کا ابتدائی پیراگراف ملاحظہ ہو:

"It is truth universally acknowledged that a single man in possession of a good fortune, must be in want of a wife." (13)

یعنی دنیا بھر میں اس بات کو سچ مانا جاتا ہے کہ ہر صاحب ثروت غیر شادی شدہ شخص کو بیوی کی ضرورت پڑتی ہے۔ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ وہ شاید انسانی زندگی میں شادی کی اہمیت کو دکھلانا چاہتی ہوں ۔وہ اس جملے کے ذریعہ قاری کو ابتداء سے ہی اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہیں۔ اگر دیکھا جائے تو اس سے مزاحیہ رنگ بھی جھلکتا ہے۔سوال اس بات کا ہے کہ خود مصنفہ نے تاعمر شادی نہیں کی۔اس کی وجہ خواہ کچھ بھی ہو۔انھوں نے اپنی اس محرومی کو ناول کے کینوس پر پیش کیا ہے۔وہ چاہتی ہیں کہ محرومی وتنہائی کا یہ احساس کسی اور دل میں پیدا نہ ہو۔مصنفہ ایک حقیقت نگار ہیں۔انھوں نے زندگی کو قریب سے دیکھا اور اسے سچائی کے ساتھ پیش کر دیا۔سوال اس بات کا بھی ہے کہ کیا انھوں نے اپنی 42 سالہ زندگی میں صرف شادی بیاہ، رشتے ناطے، حسن وعشق جیسے مسائل کو ہی دیکھا اور سمجھا؟ انسانی زندگی کے دوسرے پہلوؤں پر ان کی نظر کیوں نہیں پڑی؟ انھوں نے اپنے ہنگامہ خیز دور کے نشیب وفراز سے چشم پوشی کیوں کی؟۔

بڑی بہن کسندرا کو لکھے گئے خطوط اور جدید تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے زندگی میں کبھی شادی نہیں کی۔ایک طرف تو انھوں نے شادی کرنے سے انکار کیا اور دوسری طرف اپنے ناولوں خصوصاً ''پرائڈ اینڈ پریجوڈس'' کے ذریعہ انگلستان کے کمسن لڑکیوں کے دل میں شادی کی چاہت پیدا کرنے کی کوشش کی۔کسی بھی ادبی فن پارے میں فن کار کی شخصیت پوشیدہ ہوتی ہے۔ لہٰذا جین آسٹین کے ناولوں کے ذریعہ ان کے جذبات واحساسات اور ان کے افکار وخیالات کو سمجھنے میں کافی مدد ملتی ہے۔اس سے ان کی نفسیات کی کئی جہتیں کھل کر سامنے آتی ہیں۔جب ہم اس ناول کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمارے ذہن میں کئی طرح کے سوالات ابھر کر سامنے آتے ہیں جن کا ہر سرا ان کی نفسیاتی کیفیت سے جڑتا ہے۔ان کی یہی نفسیات ان کے تمام ناولوں کے محرکات ہیں۔یہ درست ہے کہ وہ رومانی دور سے وابستہ تھیں اور اس دور کی خصوصیات کی واضح جھلکیاں ان کے یہاں موجود ہیں۔ایسا ہونا ایک فطری عمل ہے۔باوجود اس کے ان کے ناولوں میں کہیں نہ کہیں ان کی زندگی کی ترجمانی اور ان کے جذبات واحساسات کی نشاندہی ہوتی ہے۔

ناول ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' کے شروع ہوتے ہی عشق ومحبت کی گتھیاں الجھنے لگتی ہیں۔ درمیانی حصے میں یہ کیفیت اور تیز ہوجاتی ہے۔ ناول میں ہر جگہ شادی بیاہ کی تقریبات، رقص وسرود کی رنگین محفلیں، ڈنر پارٹیوں وغیرہ کا اہتمام ملتا ہے۔ نوجوانوں کی بھاگ دوڑ، ان کی خواہشات ونفسیات، کرب واضطراب اور جذبات واحساسات سے ناول میں ایک خاص طرح کی فضا قائم ہوتی ہے۔ ناول میں نوجوان لڑکے اور لڑکیاں بے چینی اور بے اطمینانی کی کیفیت میں مبتلا ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ ان کی زندگی کا نصب العین صرف شادی بیاہ ہے۔ ان کے یہاں سماجی سروکار نہیں ملتا۔ نہ ہی انھیں سماج کے مسائل سے کچھ لینا دینا ہے۔ کرداروں کی بھاگ دوڑ اور ان کی کوششوں سے ناول میں تصادم کی کیفیت پیدا ہوگئی ہے۔ لڑکے اور لڑکیاں ہر لمحہ ایک خوشگوار زندگی کے منتظر ہوتے ہیں۔ جین آسٹین نے اپنے اس موضوع کو بہتر طور پر پیش کرنے کے لیے اپنے فن کا سہارا لیا ہے۔ ناول میں منظر نگاری اور فضا آفرینی کا خوبصورت انداز ملتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس ناول میں ہم انگلستان کی تہذیب وکلچر اور وہاں کی معاشرتی زندگی کو چلتے پھرتے دیکھ سکتے ہیں۔

ناول کے موضوع کو بہتر طور پر سمجھنے کے لیے اس کے متن کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ اب ناول کے چند اقتباسات کی روشنی میں اس کے موضوع سے بحث کی جائے گی۔ ناول کے ابتدائی حصے میں مسز بینیٹ اپنے شوہر مسٹر بینیٹ سے مسٹر بینگلے کے آنے کی خوش خبری سناتے ہوئے نہایت اشتیاق بھرے لہجے میں کہتی ہیں۔ مندرجہ ذیل اقتباس ملاحظہ ہو:

> "Why, My dear, you must know, Mrs. Long says that Netherfield is taken by a young man of large fortune from the north of England; that he came down on Monday in a chaise and four to see the place, and was so much delighted with it that he agreed with Mr. Morris immediately; that he is to take possession before Michaelmas. (14)

مذکورہ بالا اقتباس سے مسز بینیٹ کی ذہنیت اور فطری میلان کا پتہ چلتا ہے۔ مسٹر

بینیٹ اپنی بیوی کی بات کو سنجیدگی سے سنتے ہیں۔ اس مسئلے پر غور و فکر کرنے کے بعد اظہار خیال بھی کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں ان کے درمیان لمبی بحثیں بھی ہوتی ہیں۔ مسز بینیٹ کی جذبات آمیز بات کو سن کر مسٹر بینیٹ پہلے تو ان کا مذاق اڑاتے ہیں اور ان پر طنز بھی کرتے ہیں۔ ان کی بیوی ان کی باتوں سے پریشان ہو جاتی ہیں۔ وہ انھیں ہر طرح سے سمجھانے کی کوشش کرتی ہیں۔ وہ چاہتی ہیں کہ مسٹر بینیٹ مسٹر بینگلے سے جلد از جلد ملیں تاکہ ان کی کسی ایک بیٹی کی زندگی آباد ہو جائے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ مسٹر بینیٹ ایک طرف تو اپنی بیوی کی باتوں پر ہنستے ہیں دوسری طرف مسٹر بینگلے سے ملنے والوں میں وہ پہلے شخص ہیں۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انھیں بھی اپنی بیٹیوں کی شادی اور ان کی بہتر زندگی کی فکر دامن گیر ہے۔ ناول میں ایک جگہ وہ اپنی بیوی پر طنز کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"I see no occasion for that. You and the girls may go, or you may send them by themselves, which perhaps will be still better, for as you are as handsome as any of them, Mr Bingley might like you the best of the party".(15)

اپنی خوبصورتی کی تعریف سن کر پہلے تو وہ خوش ہوتی ہیں لیکن جب انھیں اس کا احساس ہوتا ہے کہ ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے تو ان کا چہرہ شرم سے جھک جاتا ہے۔ وہ نہایت عاجزی و انکساری کے ساتھ مسٹر بینیٹ سے اپنی بچاؤ میں کہتی ہیں:

"My dear, you flatter me, I certainly have had my share of beauty, but I do not pretend to be anything extraordinary now, When a woman has five grown-up daughters, she ought to give over thinking of her own beauty.
'In such cases, a woman has not often much beauty to think of.
"But, my dear, you must indeed go and see Mr Bingley when he comes into neighbourhood." (16)

مندرجہ بالا پیراگراف ناول کے ابتدائی حصے سے اخذ کیے گئے ہیں۔ یہ تمام

اقتباسات بینیٹ فیملی کے افراد کے خیالات اور ان کی داخلی کیفیات کو اجاگر کرتے ہیں۔ کسی بھی ادیب یا فن کار کا اپنا ایک نقطۂ نظر (Point of view) ہوتا ہے۔ ایک فلسفۂ حیات ہوتا ہے جو شعوری یا غیر شعوری طور پر اس کی تخلیقات میں رچ بس جاتا ہے۔ ناول میں فلسفۂ حیات کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ عام طور پر ناول نگار کوئی فلسفۂ حیات یا کوئی اخلاقی سبق اپنے ناول میں پیش کرنا چاہتا ہے۔ ایک فن کار زندگی کا گہرا مطالعہ کرتا ہے اور اسے فن پارے میں پورے آب وتاب کے ساتھ پیش کر دیتا ہے۔ محبت ایک ایسا موضوع ہے جو قریب قریب ہر ناول میں ملتا ہے۔ شادی بیاہ سے اس جذبے کا جو تعلق ہے، اس پر ہر ناول نگار کی رائے الگ الگ ہوتی ہے۔

اس سلسلے میں جین آسٹین کے نظریات وافکار کی سچی تصویر کشی اس ناول میں موجود ہے۔ ہم پاتے ہیں کہ ان کے اس فلسفۂ حیات (شادی بیاہ) کے ساتھ ہی ناول کا آغاز ہوتا ہے۔ شادی بیاہ ہی ان کی زندگی کا اہم فلسفہ معلوم ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انھیں انسانی زندگی کے دوسرے اہم مسائل سے کوئی سروکار نہیں۔ یہ صحیح ہے کہ ان کے یہاں شادی بیاہ اور اس کے بعض مسائل کی ترجمانی ملتی ہے۔ مگر ان کے یہاں ایک معیار اور ایک شائستگی ملتی ہے۔ جذباتیت کے بجائے سنجیدگی ملتی ہے۔ وہ شادی بیاہ اور حسن وعشق کی داعی ہیں مگر ان کے یہاں ایک متانت اور ایک خاص تہذیب پائی جاتی ہے۔ ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' میں انھوں نے اچھے شوہر، اچھی بیوی اور ایک معیاری شادی کی وکالت کی ہے۔ ناول کے پہلے اقتباس میں ہی انھوں نے اپنا فلسفۂ حیات بیان کر دیا ہے کہ ''ہر صاحب ثروت شخص کو ایک نیک بیوی کی ضرورت پڑتی ہے''۔ یہ ان کے فن کا کمال ہے کہ ناول میں کہیں بھی مقصدیت حاوی نہیں ہے بلکہ ایک فطری پن پایا جاتا ہے۔ یہ ناول اپنے اس موضوع کے سبب جانا جاتا ہے۔ ناول کو پڑھنے کے بعد دل میں ایک خوبصورت چاہت پیدا ہوتی ہے۔ جین آسٹین اپنے اس فلسفۂ حیات کے ذریعہ انسانی زندگی کی پیچیدگیوں اور الجھنوں کا حل تلاش کرتی ہیں۔ انگریزی کے بعض نقادوں نے مصنفہ کے اس افکار وخیالات کا اعتراف کیا ہے۔ ڈاکٹر بی پی استھانا (Dr. B.P. Asthana) نے ان کی ناول نگاری کے بعض اہم پہلوؤں پر

اپنی تنقیدی رائے پیش کی ہے۔ ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' کے موضوع کے متعلق لکھتے ہیں:

"Love at the first sight was the conventional theme of the romantic eighteenth century novels. The novels of Jane Austen, especially the novel 'Pride and Prejudice', also deals with love and marriage. The opening sentence of the novel 'Pride and Prejudice' sets the tone of the novel." (17)

ایک دوسری جگہ ناول کے موضوع پر روشنی ڈالتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"Themes of the novels of Jane Austen are the same. Love and marriage is the central theme. The central situation is the search for husbands by girls of marriageable age helped and encouraged by their equally eager and earnest mother and aunts. The same is true of "Pride and Prejudice"- of its main and three sub plot. In theis novel there are four marriage alliances."(18)

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ڈاکٹر بی پی استھانا نے جین آسٹین کے ناولوں بالخصوص ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' کے موضوع پر معروضی انداز میں اظہار خیال کیا ہے۔ وہ پیار محبت اور شادی بیاہ کو اس ناول کا موضوع قرار دیتے ہیں۔ مغربی نقادوں کے علاوہ مشرقی نقادوں نے بھی ان کے افکار و خیالات پر اپنی تنقیدی آرا پیش کی ہیں۔ ناول کے موضوع کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے ناول کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ ناول کا ابتدائی حصہ ناول کے موضوع کا تعارف پیش کرتا ہے۔ مسٹر بینیٹ اور مسز بینیٹ چارلس بینگلے کے متعلق کچھ اس طرح سے بات چیت کرتے ہیں:

"What is his name?'

'Bingley!'

'Is he married or single?'

'Oh! single, my dear, to be sure! A single man of large forturne; four or five thousand a year. What a fine thing for our girls!'

'How so? how can it effect them?'

'My dear Mr. Bennet; replied his wife, 'how can you be so tiresome!

You must know that I am thinking of his marrying one of them.'
'Is that his design in setting here?'
'Design! nonsense, how can you talk so! But it is very likely that he may fall in love with one of them, and therefore you must visit him as soon as he comes." (19)

اس طرح یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ناول ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' کے کرداروں کا فلسفۂ حیات اور ان کی زندگی کا نصب العین شادی بیاہ ہے۔ان اقتباسات میں ہم دیکھتے ہیں کہ ان نوجوان لڑکیوں کے والدین ان کی بہتر زندگی اور ان کی شادی بیاہ کے متعلق کس قدر پریشان وفکرمند ہیں۔جین آسٹین نے انگلستان کے کمسن لڑکے ولڑکیوں کے دل میں شادی کی خواہش پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی صحیح رہنمائی بھی کی ہے۔یعنی انھوں نے اچھی اور بری شادی کے درمیان امتیاز پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ناول میں اس کی چند مثالیں موجود ہیں۔وکھم اور لیڈیا کی شادی ناکام اور بری شادی کی ایک اچھی مثال ہے۔مسٹر ڈارسی وایلزبیتھ اور مسٹر بیگلے وجین بینیٹ کی شادیاں کامیاب اور اچھی ہیں۔اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ان کی شادیاں کسی جذباتی فیصلے پر نہیں ہوتی ہیں۔ بلکہ ایک دوسرے کی اخلاقی وانسانی قدروں کی بنیاد پر ہوتی ہیں۔ناول میں ابتداء سے شادی بیاہ اور حسن وعشق کا جو سلسلہ چلتا ہے وہ ناول کے اختتام پر ہی انجام کو پہنچتا ہے۔جین بینیٹ اور ایلزبیتھ بینیٹ کی شادی ناول کے بالکل آخری حصے میں ہوتی ہے۔دونوں کی شادی کے ساتھ ہی ناول طربیہ انداز میں اپنے اختتام کو پہنچتا ہے۔

شادی بیاہ اور حسن وعشق کے علاوہ ناول میں کہیں بھی جنگ وجدل اور قتل وخون کی مثال نہیں ملتی۔ناول کے کردار کسی بھی مقصد کے حصول کے لیے آپس میں نہیں ٹکراتے بلکہ انسانیت اور اخلاقیات کی بنیاد پر ایک دوسرے کو متاثر کرتے ہیں۔دوسری اہم بات یہ کہ جین آسٹین شادی کے بعد ناول کو آگے نہیں بڑھاتیں بلکہ ایک مقصد اور ایک خاص پیغام کے ساتھ ہی ناول خوشگوار اور طربیہ انداز میں انجام کو پہنچتا ہے۔ناول کے اختتام تک تمام کردار باحیات ہوتے ہیں۔کردار اپنی

اخلاقی وغیر اخلاقی قدروں کے سبب خوشحال و پریشان نظر آتے ہیں۔کوئی اپنی اچھی اور صحت مند عادتوں سے عزت حاصل کرتا ہے تو کوئی اپنی بدکرداری اور بدفعلی کے سبب رسوائی اور ذلت کا سامنا کرتا ہے۔ وکھم اور لیڈیا اپنی خراب عادتوں سے ہر وقت پریشان رہتے ہیں۔انھیں ہر وقت مالی امداد کی ضرورت پڑتی ہے۔ان دونوں میں اخلاقی زوال بھی پایا جاتا ہے۔ان دونوں کے برعکس چند ایسے کردار بھی ہیں جو ایک بہترین تہذیبی وثقافتی زندگی کی مثال پیش کرتے ہیں۔ان کرداروں میں مسٹر بینگلے،مسٹر ڈارسی،جین بینیٹ اور ایلز بیتھ کے نام لیے جا سکتے ہیں۔

مذکورہ بالا مباحث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ شادہ بیاہ ہی ان کا اصل فلسفۂ حیات ہے۔یہی وجہ ہے کہ رشتۂ ازدواج قائم ہونے کے بعد وہ ناول کو آگے نہیں بڑھاتیں۔ان کے یہاں خصوصاً ’’پرائیڈ اینڈ پریجوڈس‘‘ میں زندگی کے دوسرے پہلو کی ترجمانی یا سماجی سروکار کی جھلک نہیں ملتی۔شادی کے بعد انسانی زندگی مختلف نشیب وفراز سے گزرتی ہے۔مگر مصنفہ کے یہاں اس کی تفصیل نہیں ملتی۔ایسا لگتا ہے کہ وہ صرف شادی ہو جانے کو ہی زندگی کا اصل مقصد سمجھتی ہیں۔ ان کے یہاں زندگی اور اس کے مسائل سے فرار ملتا ہے۔وہ زندگی کے مسائل سے ٹکرانے کا حوصلہ نہیں رکھتیں۔انھیں تو محض کمسن اور نوجوان طبقے کے حسین خواب سے ہی دلچسپی ہے۔

یہ بات واضح رہے کہ جین آسٹین کے تمام ناولوں کے موضوعات کے متعلق ناقدینِ ادب کے درمیان اتفاق رائے پایا جاتا ہے۔’’پرائیڈ اینڈ پریجوڈس‘‘ کے موضوع "Love and marriage" کے سلسلے میں بھی ادیبوں کے درمیان اتفاق رائے ملتا ہے۔ Gilber Ryle, Jack Daglish, Andrew H. Wright, W.A.Craik, Lawrence J.Clipper, W.L.Renewick, David Cecil, W.L.Cross, W.L.Goss, S.D.Neill, جیسے انگریزی ادب کے بلند پایہ نقادوں نے ان کے ناول کے موضوع ومواد پر خامہ فرسائی کی ہے۔

ڈاکٹر نروپم مشرا (Dr. Nirupma Mishra) انگریزی ادب کی نقاد

ہیں۔انھوں نے مصنفہ کی ناول نگاری کے بعض اہم پہلوؤں پر اپنی تنقیدی رائے پیش کی ہے۔زیر بحث ناول کے موضوع پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتی ہیں:

"Love and marriage form an important element in Jane Austen's novels. Hers was a practical idealism. She was preoccupied with the subject of love and marriage. Jane Austen made marriage a serious vocation for women. The main theme of "Pride and Prejudice" as in all of Jane Austen's novels, is the choice make for marriage partners. Although marriage is the central theme of all of Jane Austen's novels. It is surprising how rarely one finds well matched couples in her works." (20)

اس اقتباس سے جین آسٹین کے افکار وخیالات اور ان کے جذبات واحساسات پر روشنی پڑتی ہے۔مصنفہ نے اپنے فلسفۂ حیات کو موضوع کے طور پر استعمال کیا ہے۔نو جوانوں کے ارمان، ان کے جذبات واحساسات اور ان کی دلی خواہشات کو جین آسٹین نے جس ادبی حسن کے ساتھ پیش کیا ہے۔اس کی مثال انگریزی ناول کی تاریخ میں کم ملتی ہے۔ان کے ناول اپنی اسی خاصیت اور اپنی اسی انفرادیت کے باعث انگریزی ناول نگاری کے میدان میں مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔مختصر یہ کہ جین آسٹین نے عشق ومحبت کی حسین دنیا کو موضوع کے طور پر استعمال کر کے اپنے فکر وفن کو آفاقیت عطا کی ہے

عصمت چغتائی کے یہاں موضوع کا ٹریٹمنٹ

ناول انسان کی سماجی اور معاشرتی زندگی کا ایک صاف اور شفاف آئینہ ہے۔ اردو ناول میں ہندوستان کی سماجی وسیاسی نیز یہاں کی تہذیبی ومعاشرتی زندگی کی حقیقی آئینہ داری ملتی ہے۔ اردو ناول کے لیے بیسویں صدی کا زمانہ عہد زریں کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس عہد میں فکری وتکنیکی سطح پر اردو ناول میں نئے نئے تجربے ہوئے۔ اس ملک کی تہذیبی وطبقاتی کشمکش، معاشی بدحالی، سیاسی نشیب وفراز، تقسیمِ ہند اور اس کے نتیجے میں پیدا شدہ حالات ومسائل کے علاوہ عالمی منظرنامے پر رونما ہونے والے انقلابات نے اردو ناول پر اپنے دیرپا اثرات مرتب کیے ہیں۔

اردو میں بیسویں صدی کے ادبی منظرنامے پر کئی اہم ناول نگار ابھرے۔ ان میں کسی نے سماج اور معاشرے کی کشمکش کو اپنے ناولوں کا موضوع بنایا تو کسی نے یہاں کے دوسرے مسائل کی ترجمانی کی۔ عصمت چغتائی اسی پرآشوب دور سے تعلق رکھتی ہیں۔ وہ ایک ایسے معاشرے کی پیداوار ہیں جہاں ہر طرف سماجی اور معاشرتی ناہمواریاں عام تھیں۔ سماج اور معاشرے میں کئی طرح کے مسائل سر اٹھائے کھڑے تھے۔ عصمت نے اپنے معاشرے کی ناہمواریوں اور بدعنوانیوں بالخصوص متوسط طبقے کی جنسی ونفسیاتی کجروی کو اپنے ناولوں میں موضوع کے طور پر برتا ہے۔ ان کے یہاں موضوع کا تنوع نہیں ملتا بلکہ ایک خاص دائرۂ فکر میں رہ کر انھوں نے سماج کے چند پوشیدہ حقائق کو بے نقاب کرنے کی شعوری کوشش کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تخلیقات میں ایک مخصوص معاشرے کے حالات وکوائف کی بازیافت ملتی ہے۔ انھوں نے اپنے ناولوں اور افسانوں کے ذریعہ جاگیردارانہ نظام کی رجعت پسندی، بوسیدہ روایت پرستی، مذہبی تعصب اور اخلاقی زوال کو اپنے طنز کا

نشانہ بنایا ہے۔

عصمت چغتائی ایک خاتون قلم کار ہیں۔انھوں نے متوسط طبقے کی عورتوں اور لڑکیوں کے معاشرتی مسائل خصوصاًان کی جنسی گھٹن وناسودگی اوران کی نفسیاتی پیچیدگیوں کا مشاہدہ ژرف نگاہی کے ساتھ کیا۔عصمت ذہنی طور پر ان مسائل سے مناسبت رکھتی ہیں۔ان کے بعض ہمعصروں نے بھی ان حالات وکوائف کواپنی تحریروں میں پیش کرنے کی سعی کی ہےمگرعصمت کے یہاں ان موضوعات کا ٹریٹمنٹ ایک منفرد لب ولہجہ اور ایک جداگانہ اسلوب میں ملتا ہے۔عصمت نے اپنی ناول نگاری کے ذریعہ اردو ناول کوایک معیار ووقار عطا کیا۔انھوں نے کئی ناول تخلیق کیے ہیں۔''ٹیڑھی لکیر'' جنسی اظہار بیان اور معاشرے کی پوشیدہ حقائق کی آئینہ داری کے لیے جانا جاتا ہے۔سماج کی ان بےرحم سچائیوں کی عکاسی کے لیےاس کی اہمیت آج بھی مسلم ہے۔معاشرے کی عکاسی کے لیےاس ناول میں سوانحی طرزتحریرکودانستہ اپنایا گیاہے۔بقول قمررئیس:

> ''ٹیڑھی لکیر کا فنی اسلوب سوانحی ہے۔مرزارسوا کا ناول''امراؤجان ادا''اور پریم چند کا ناول ''نرملا'' بھی اسی انداز کے ناول ہیں۔عصمت کا ناول اس لیے مختلف ہے کہ نفسیاتی تجزیے کی بنیاد پر شمن کے کردار کی تعمیر کرتی ہیں۔''(21)

عصمت چغتائی کے''ٹیڑھی لکیر'' میں ان کی اپنی زندگی کے واقعات ملتے ہیں۔ ناول کی ہیروئن شمن خودعصمت کی ذاتی زندگی کے بعض حقائق کی نمائندگی کرتی ہے۔انھوں نے فرائڈ کے نظریات واصول سے استفادہ کرتے ہوئے ناول میں اپنے معاشرے کا نفسیاتی مطالعہ پیش کیا ہے۔اس ناول میں متوسط طبقے کے کئی اہم مسائل سانس لے رہے ہیں۔انھوں نے طبقۂ نسواں کی زندگی کے جنسی پہلوؤں کے علاوہ ان کی شادی بیاہ اوران کی تعلیم وتربیت کواس ناول میں جگہ دی ہے۔عصمت چغتائی نے طبقۂ نسواں کی معاشرتی زندگی، ان پر ہونے والے ظلم وزیادتی، ان کے تعلیمی مسائل،لڑکیوں کی جنسی گھٹن اورمریضانہ ذہنیت کی خوبصورت ترجمانی کی ہے۔شمن ناول میں

ہر جگہ سماج کی رجعت پسندی، مذہبی تعصب، قدامت پسندی اور تنگ نظری کے خلاف عملی طور پر صدائے احتجاج بلند کرتی ہے۔ وہ ناول میں فعال اور متحرک کردار کی شکل میں نظر آتی ہے۔ ناول کے تمام کردار اور تمام واقعات اس کی شخصیت کو ابھارنے اور اس کے کردار کو مستحکم کرنے میں مدد کرتے ہیں۔ وہ پیدائش سے لے کر جوان ہونے تک مختلف مراحل سے گزرتی ہے۔ وہ پیدا ہوتے ہی گھر والوں کی بے اعتنائی کو جھیلتی ہے۔ گھر والوں کا یہ رویہ اسے شدید قسم کی نفسیاتی کشمکش میں مبتلا کر دیتا ہے۔

دوسری اہم بات یہ کہ عصمت چغتائی نے شمن کی زندگی کے پس پردہ ایک مخصوص معاشرے اور سماج کے کئی اہم مسائل کو منظر عام پر لانے کی کوشش کی ہے، مثلاً لڑکیوں کے تئیں لوگوں کے غیر ذمہ دارانہ رویئے، سماج میں پائے جانے والی رجعت پسندی، تنگ نظری، اخلاقی زوال، دقیانوسیت، فرسودہ خیالی، روایت پرستی، جنسی ونفسیاتی پیچیدگیاں وغیرہ سب کچھ ملتے ہیں۔ مجموعی طور پر ہم دیکھتے ہیں کہ عصمت نے متوسط طبقے کے سماجی اور معاشرتی نظام کو ادبی حسن کے ساتھ پیش کر دیا ہے۔ اس ناول میں مرکزی پلاٹ کے علاوہ دوسرے متوازی پلاٹ بھی ملتے ہیں۔ انھوں نے ضمنی پلاٹ کے ذریعہ بھی سماج کے تاریک گوشوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس ناول میں متوسط طبقے کا معاشرتی نظام سانس لے رہا ہے۔ مگر ان میں چند گوشے ایسے ہیں جو نمایاں طور پر سامنے آتے ہیں۔ مثلاً لڑکیوں پر اخلاقی پابندیوں کا عاید ہونا، شادی بیاہ کے سلسلے میں ان کی خواہشات کا خیال نہ رکھنا، ان کی جنسی آسودگی پر قدغن لگانا اور ان کی اعلیٰ تعلیم پر پابندی جیسے مسائل کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ عصمت عشق ومحبت کو بڑی اہم شے سمجھتی ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اخلاقی پابندیوں کے سبب نوجوان طبقہ شدید قسم کی نفسیاتی وجنسی گھٹن میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ایسے طبقے اور ایسے معاشرے کے افراد جنسی آسودگی کے لیے غلط راستے اختیار کرتے ہیں۔ ان کے اس نظریے کی بازگشت ''ٹیڑھی لکیر'' میں سنائی دیتی ہے۔

مشہور نقاد خلیل الرحمٰن اعظمی ''ٹیڑھی لکیر'' کے حوالے سے عصمت چغتائی کے جنسی

شعور اور ان کی نفسیاتی بصیرت پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں:

''ٹیڑھی لکیر میں نہ صرف یہ کہ مصنفہ کا اپنا مشاہدہ اور ذاتی تجربہ جھلکتا ہے بلکہ اس میں شمن کا جیتا جاگتا کردار بہت کچھ ان کی اپنی شخصیت کی بھی غمازی کرتا ہے۔ ناول کا سرورق جس آرٹسٹ نے بنایا ہے اس نے اس ناول کے موضوع کے رعایت سے ایک سانپ کی تصویر بنائی ہے جو جنس کی علامت ہے۔ جنس ہمارے سماج کا سب سے پیچیدہ مسئلہ یا سب سے ٹیڑھی لکیر ہے۔ ہندوستانی معاشرت میں اخلاقی پابندیوں اور جنسی شعور کے مناسب نشوونما پانے کی وجہ سے متوسط طبقے کی ایک ذہین اور ہونہار لڑکی جس طرح نفسیاتی الجھنوں کا شکار ہوتی ہے اور اس کا اثر زندگی کے تمام شعبوں پر جس نوعیت سے پڑتا ہے اس کی جتنی کامیاب عکاسی عصمت نے کی ہے اس کی مثال مشکل سے مل سکتی ہے۔'' (22)

پیش کیے گئے اس اقتباس میں خلیل الرحمٰن اعظمی نے ''ٹیڑھی لکیر'' کے جنسی پہلو کی جانب صاف اشارہ کیا ہے۔ زیر مطالعہ ناول میں اخلاقی پابندیوں کے باعث پیدا ہونے والی ہم جنسیت جیسی سماجی لعنت کو نمایاں طور پر پیش کیا گیا ہے۔ شمن جس اسکول میں داخلہ لیتی ہے اس میں طالبات کے علاوہ استانیاں بھی اس معاشرتی لعنت میں گرفتار ہیں۔ مصنفہ نے اس جنسی بے راہ روی کو بھیانک شکل میں پیش کیا ہے۔ اسکول میں لڑکیوں کے درمیان غضب کا رومانس چل رہا تھا۔ اقتباسات ملاحظہ ہوں:

''وہ لڑکیاں جو دوسروں پر مرتی ہیں وہ بڑے دل کھول کر دیتی ہیں۔ وہ خواہ کتنی غریب ہوں۔ وظیفہ پر گزارہ کر رہی ہیں۔ خیرات میں کتابیں اور ہدیے ملتے ہیں۔ مگر جس پر مرتی ہیں اس کے لیے چوری کریں گی، ڈاکے ڈالیں گی، بھیک مانگیں گی مگر اپنی چہیتیوں کو دس دس روپیہ کی چوڑیاں پانچ چھ روپے کے ہار پھول اور گجرے ضرور پہناویں گی۔'' (23)

ایک دوسری عبارت پیش خدمت ہے:

''جس لڑکی کی زیادہ مرنے والیاں ہوں گی اتنی ہی زیادہ اسے چیزیں ملیں گی۔ بعض

چھپتیاں تو ایسی پھولوں میں چھپ جاتی ہیں کہ معلوم ہوتا تھا کسی بڑے لیڈر کا جلوس نکل رہا ہے بعض مرنے والیاں پھولوں اور گوٹے کے گہنے پہنا کر بالکل دلہن بنا دیتی تھیں۔ اور پھر یہ دلہنیں لجاتی شرماتی امتحان کے کمرے میں چلی جاتیں۔ ہر مرنے والی کا ہار پہننا لازمی تھا۔‘‘(24)

ان اقتباسات سے عصمت چغتائی کی نفسیاتی بصیرت اور فکری میلانات پر روشنی پڑتی ہے۔ عصمت نے ان مسائل کو نہایت بے باکی اور جرأت مندی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ مصنفہ نے طبقۂ نسواں کے جنسی استحصال، ان کی معاشی وسیاسی بدحالی اور لڑکیوں میں پائی جانے والی اخلاقی بے راہ روی کو موضوع کے طور پر پیش کیا ہے۔ عصمت نے ان معاشرتی خلفشار کا ذمہ دار سماج اور اس کے ٹھیکیداروں کو ٹھہرایا ہے۔ ’’ٹیڑھی لکیر‘‘ اس کی اچھی مثال ہے۔ اس ناول میں جنسی گھٹن اور حسن وعشق کے علاوہ شادی بیاہ کے معاملات اور مسائل بھی ملتے ہیں۔ ناول کے مطالعے کے بعد طبقۂ نسواں کے معاشرتی حالات وکوائف کا ایک واضح خاکہ ہمارے سامنے ابھرتا ہے۔ ان واقعات کے ذریعہ عصمت چغتائی اس معاشرے کے کھوکھلے پن اور اس کی کمزوریوں وخامیوں کو اجاگر کرنا چاہتی ہیں۔

شادی بیاہ کا مسئلہ بھی انسانی زندگی میں خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ اس سے انسان کی شخصیت پر منفی اور مثبت دونوں طرح کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ متوسط طبقے میں رہ کر عصمت نے اس سنجیدہ مسئلے کو قریب سے دیکھا اور محسوس کیا تھا۔ لڑکیاں اپنی شادی کو لے کر طرح طرح کی نفسیاتی الجھنوں اور ذہنی کشمکش میں مبتلا رہتی ہیں۔ لڑکیوں کے علاوہ ان کے والدین بھی اس مسئلے کے تئیں فکرمند اور سنجیدہ نظر آتے ہیں۔ عصمت کے یہاں اس معاشرتی مسئلے کو اہمیت حاصل ہے۔ ان کے اکثر وبیشتر ناولوں میں شادی بیاہ کے مسائل اور اس کے نتیجے میں پیدا شدہ حالات وکوائف کی عکاسی ملتی ہے۔ ’’ٹیڑھی لکیر‘‘ میں انھوں نے اس اہم مسئلے کو بروئے کار لایا ہے۔ ناول

میں چند شادیاں بھی ہوتی ہیں۔لڑکیوں کے جوان ہوتے ہی ان کے والدین ان کی شادی کے تئیں سنجیدہ اور فکر مند نظر آتے ہیں۔ انھیں لڑکیوں کے غلط راستے پر پڑ جانے کا شدید خدشہ رہتا ہے۔ نوری کے جوان ہوتے ہی اس کے سرپرست اس کی شادی کرنے کے لیے بھاگ دوڑ کرتے ہیں۔

''نوری اب جوان ہو رہی تھی۔لہٰذا ساس ہر وقت بہو کو چال چلن سے رہنے کی تلقین کرتی، یا تو وہ خرچہ کے ڈر کے مارے کسی سے ملتی جلتی نہ تھی یا اب سارے کنبے کے لڑکوں کی بلائیں لینے پر تل گئی۔ساس اور بہو نے مل کر لڑکا گھیرنے پر کمر باندھ لی۔علاوہ نوری کے ذاتی صفات کی اس یتیمی کا سرٹیفکیٹ ہر جگہ کارآمد ثابت ہوا اور جلد ہی ایک نہایت مالدار اور اکلوتے لڑکے کو اس پر عاشق کرایا گیا، اس کے کنبے والوں نے لاکھ ادھم مچائی مگر ایک نہ چلی۔''(25)

اس اقتباس میں مصنفہ نے متوسط طبقے کی عورتوں کی ذہنیت اور ان کی معاشی بدحالی کی کتنی جاندار اور خوبصورت مرقع کشی کی ہے۔اس ناول میں ہم نوجوان لڑکیوں کے ارمانوں اور آرزوؤں کا قتل ہوتے با آسانی دیکھ سکتے ہیں۔صحیح وقت پر لڑکیوں کی شادی نہ ہونا اس طبقے کی اقتصادی زبوں حالی کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے۔

عباس شمن کا چچازاد بھائی ہے۔وہ انگلینڈ سے انجینئر بن کر آتا ہے۔اس کے والد جب اپنے بیٹے عباس کے ہمراہ اپنے خاندان میں پہنچتے ہیں تو ان دونوں کی خوب خاطر تواضع ہوتی ہے۔اس کے سبھی رشتہ دار عباس سے اپنی بیٹی کی شادی کرنے کے خواہش مند تھے۔اس کے آتے ہی گھر میں جوڑ توڑ کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔وہ سبھی نوجوان لڑکیوں کو چھیڑتا ہے۔خاندان کے لوگ اس بات سے پر امید تھے کہ عباس ان کی بیٹی کو پسند کرے گا۔آخر کار سب کو مایوسی ہاتھ لگتی ہے اور سب کی امیدوں پر پانی پھر جاتا ہے۔اقتباس ملاحظہ ہو:

''چچا غریب تو بولا گئے اور سمجھے بھی نہیں کہ کیوں اتنی خاطریں ہو رہی ہیں۔وہ کسی کام کو کہتے تو سارے گھر میں کھلبلی پڑ جاتی۔ مائیں لڑکیوں کو دوڑاتیں اور بیچاریاں کھسیانی ہو کر رہ جاتیں۔

ایک مقابلہ ہو رہا تھا۔ گویا دیکھیں کہ کون چچا چچی کو خاطروں سے بے حال کر کے ٹرافی یعنی عباس کو جیت لے جاتا ہے۔'' (26)

مذکورہ عبارت کے مطالعہ کے بعد متوسط طبقے کی معاشرتی صورت حال کا پورا نقشہ نگاہوں کے سامنے گھوم جاتا ہے۔ اس طرح واضح رہے کہ عصمت چغتائی نے معاشرے کی جنسی بدعنوانیوں کے علاوہ شادی بیاہ کے مسئلے کو بھی موضوع کے طور پر اپنے ناولوں میں برتا ہے۔ ناول میں پہلی شادی شمن کی بڑی بہن منجھو بی کی ہوتی ہے۔ ناول کا اختتام بھی شمن کی شادی کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہ شادی خاص حالات میں ہوتی ہے۔ یہاں پر عصمت کا فن کمزور ہے اور کہانی غیر فطری انداز میں ختم ہوتی ہے۔ دراصل شمن سماج کی بے وفائی، بے اعتنائی اور دغابازی کے باعث شدید نفسیاتی مرض میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ کئی مرد اس کی زندگی میں آتے ہیں اور اس کے جذبات سے کھیل کر چلے جاتے ہیں۔ اس محرومی اور تنہائی کے عالم میں وہ ایک اسکول کی سرپرستی قبول کرتی ہے۔ اسی دوران وہ کسی بچی کو گود بھی لیتی ہے۔ لیکن اسے کہیں بھی دلی سکون اور اصلی خوشی نصیب نہ ہو سکی۔ اسے اب اس بات کا احساس ہو چکا تھا کہ محبت اور ممتا کبھی خریدی نہیں جا سکتی۔ اس پرآشوب اور تنہائی کی حالت میں وہ انگریزوں سے شدید نفرت کے باوجود رونی ٹیلر نامی ایک آئرش نوجوان فوجی سے شادی کرتی ہے۔ افسوس کہ اس سے بھی نباہ نہیں ہوتا۔ یہ جان کر کہ وہ ماں بننے والی ہے، شمن کسی اور دنیا میں پہنچ جاتی ہے۔ یہ ناول خوشی اور غم کے اس احساس کے ساتھ ہی اپنے اختتام کو پہنچتا ہے۔

''ٹیڑھی لکیر'' ایک نفسیاتی ناول ہے۔ اس میں زمانے و حالات کی ماری ہوئی ایک لڑکی کی زندگی کے نشیب و فراز کو بنیاد بنا کر معاشرے کے کچے چٹھے کو بے نقاب کرنے کی کوششیں کی گئیں ہیں۔ ناول میں ہر جگہ بھاگ دوڑ، بے اطمینانی، بدسکونی، بے وفائی اور دغابازی کی کیفیت ملتی ہے۔ اس شدید مقصدیت کے سبب ناول کا فطری پن متاثر ہوا ہے۔ عصمت چغتائی کے یہاں رومانس اور حسن و عشق کے تذکرے ملتے ہیں لیکن ان کی نوعیت جین آسٹین کے یہاں پائے جانے

والے رومانس اور عشقیہ معاملات سے قدرے مختلف ہے۔ان کے ناول ''ضدی'' اور ''معصومہ'' میں بھی شادی بیاہ اور رومانی واقعات ملتے ہیں۔ان ناولوں میں جاگیردارانہ گھرانے کی تنگ نظری اور رجعت پسندی پر چوٹ کی گئی ہے۔ان کے دوسرے ناولوں کی طرح ''ٹیڑھی لکیر'' میں بھی ایک مخصوص معاشرے کی گونج صاف سنائی پڑتی ہے۔ہر چند کہ ان ناولوں میں موضوعات کا تنوع اور فکر کا وسیع دائرہ نہیں ملتا تاہم ان میں غضب کی وسعت اور گہرائی ہے۔یہی وصف عصمت چغتائی کی ادبی انفرادیت اور عظمت کا راز ہے۔

''ٹیڑھی لکیر'' میں عصمت چغتائی نے شادی بیاہ اور اس سے جڑے مسائل کو توجہ کے ساتھ پیش کیا ہے۔اس ناول میں انھوں نے کئی ایک کرداروں کو رشتۂ ازدواج سے منسلک کیا ہے۔لیکن شادی بیاہ کے تئیں ''ٹیڑھی لکیر'' کے نوجوان کرداروں کے دل میں وہ چاہت اور وہ جذبہ نظر نہیں آتا جو ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' کے کرداروں کے یہاں ملتا ہے۔''ٹیڑھی لکیر'' میں کردار شادی بیاہ کو مقصد حیات نہیں سمجھتے۔اقتصادی بدحالی اور معاشرتی واخلاقی زوال نے انھیں اس قدر بے حس اور بے جان کر دیا ہے کہ شادی جیسے عمل کو مجبوری اور لاچاری سمجھتے ہیں۔شادی کے متعلق ان کے دلوں میں کوئی امنگ، خوشی اور کوئی جوش نظر نہیں آتا۔اس ناول کے بعض کرداروں کو یہ پتہ نہیں ہے کہ انھیں زندگی میں کیا کرنا ہے۔ان کی زندگی کا مقصد کیا ہے۔وہ تو صرف خیالی دنیا میں بھٹکتے ہیں۔جبکہ جین آسٹین کے یہاں کرداروں کے سامنے زندگی کا ایک واضح تصور ہے۔وہ زندگی کو بھرپور جینا چاہتے ہیں۔وہ شادی بیاہ کو عین مقصد حیات سمجھتے ہیں۔''ٹیڑھی لکیر'' کی شمن ناول میں ہر جگہ نفسیاتی اور ذہنی کشمکش میں الجھی رہتی ہے۔ناول کے بالکل آخری حصے میں اس کی شادی ہوتی ہے۔شمن شدید ذہنی تناؤ میں مبتلا رہتی ہے۔وہ صرف سکون اور زندگی میں ٹھہراؤ کے لیے یہ فیصلہ لیتی ہے۔زمانے کی ستم ظریفیوں کے باوجود وہ زندگی سے ہار نہیں مانتی بلکہ ہر وقت ایک نئے پڑاؤ کی تلاش میں بھٹکتی ہے۔

ان کے یہاں شادیاں ہوتی ہیں مگر طبقاتی کشمکش کے باعث نباہ نہیں ہوتا۔

کرداروں کی ازدواجی زندگی کے کامیاب نہ ہونے کی دوسری وجہ معاشی بدحالی اور اخلاقی زوال بھی ہے۔ ''ٹیڑھی لکیر'' کے کرداروں میں زبردست اخلاقی زوال ملتا ہے۔ ان کی نظر میں اخلاقی قدروں کی کوئی اہمیت نہیں۔ ناول کے بالکل ابتدا میں انّا نامی نوکرانی اپنے عاشق کے ساتھ پکڑی جاتی ہے اور اسے آگرہ واپس بھیج دیا جاتا ہے۔

''انّا بالکل جوان تھی، سولہ سترہ برس کی۔ دوسرے انا کا عاشق جب اسے کندھے پر بٹھا کر گھوڑے کی طرح دوڑتا تو وہ سب دکھ درد بھول کر کلکاریاں مارنے لگتی۔ وہ تینوں، گھر والوں کی آنکھ بچا کر بھینسوں کے بھوسے والی کوٹھری میں دبک رہتے، انا بھوسے پر لوٹیں لگاتی اور اس کا عاشق اس کے پیچھے پیچھے لڑھکتا۔'' (27)

شوہر کے انتقال کے بعد شمن کی بڑی بہن گھر واپس آتی ہے۔ اس کا دیور رشید کسی نہ کسی بہانے سے اس سے ملنے آتا رہتا ہے۔ دونوں میں عشق بازی چلتی ہے، خط پکڑا جاتا ہے۔ آخر کار رشید کا آنا جانا بند کر دیا جاتا ہے۔

''غضب تو جب ہوا جب انھوں نے اس کے خط پکڑ لیے اور صاف بڑی سے کہلوا دیا کہ اگر یہ پتے بازی بند نہ ہوئی تو ابا جان تک نوبت پہنچ جائے گی۔ اگر ایسا ہی ہے تو نکاح کر لو شرافت سے، بڑی آپا کی ساس کے کان میں بھی بھنک پہنچی اور بڑھیا صلواتیں سناتی دہائی دیتی چڑھ دوڑی۔ وہ لے دے مچی کہ رشید بچارے کا آنا بند۔'' (28)

شمن کی ایک دوست ایلما سیتل نامی نوجوان سے ناجائز تعلقات قائم کرتی ہے اور حاملہ ہو جاتی ہے۔ بعد ازاں اس سے شادی کرنے سے انکار کر دیتی ہے۔ وہ سیتل کے بچے کو پیدا ہونے سے قبل مارنے کی کوشش بھی کرتی ہے۔ شمن اسٹوڈنٹ یونین کے صدر افتخار سے محبت کرتی ہے۔ بعد میں افتخار کی مکاری اور دغابازی سامنے آنے پر اس سے دل برداشتہ ہو جاتی ہے۔ افتخار ایک شادی شدہ نوجوان ہے۔ اس کے باوجود کئی عورتوں سے اس کے ناجائز رشتے ہیں۔ بڑا دلچسپ

واقعہ اس وقت پیش آتا ہے جب شمن ضعیف العمر رائے صاحب سے اظہارِ عشق کرتی ہے۔ یہی واقعہ ان کے لیے جان لیوا ثابت ہوتا ہے۔ شمن ایک حساس اور باغی لڑکی ہے، وہ محبت کی تلاش میں غلط راستے پر پڑ جاتی ہے۔ وہ زندگی کے ہر پڑاو پر معاشرے کے ظلم واستحصال کا شکار ہوتی ہے۔

ناول میں جنسی بے راہ روی اور معاشرتی زوال کی سب سے اچھی مثال اسکول کی طالبات اور استانیوں کا ہم جنسی فعل میں مبتلا ہونا ہے۔ اسکول میں استانیوں اور طالبات کے درمیان چل رہے رومانس کو عصمت نے خصوصی توجہ کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ناول میں اس جنسی بے راہ روی اور اخلاقی پستی کی کئی ایک مثالیں ملتی ہیں۔ عصمت چغتائی فرائڈ کے نظریے سے ذہنی مناسبت رکھتی ہیں۔ وہ پیار ومحبت میں گریۂ وزاری کو اچھا نہیں سمجھتیں۔ وہ محبت کو بڑی اہم چیز سمجھتی ہیں۔ ان کے نزدیک محبت اور جنس میں ایک فطری تعلق ہے۔ وہ رشتے کی پاکیزگی اور جنس کے سلسلے میں اخلاقی پابندیوں کی نفی کرتی ہیں۔ ان کے اس نظریے کی جھلک ''ٹیڑھی لکیر'' میں ملتی ہے۔ اپنی اسی بے باکی اور روایت شکنی کی وجہ سے وہ مطعون بھی ہوئیں۔ انھوں نے متوسط طبقے کے گھٹے ہوئے ماحول، عورتوں کے جذبات واحساسات، کالج میں پڑھنے والی لڑکیوں کی نفسیاتی کجروی کے علاوہ مردوں کی ذہنیت اور ان کی اخلاقی بے راہ روی وغیرہ کو موضوع کے طور پر پیش کیا ہے۔ معاشرے کے ان مسائل کو پیش کرتے ہوئے بعض مقامات پر غیر فطری پن در آیا ہے۔ ناول میں کہیں کہیں عریانیت اور فحاشیت کے نمونے بھی ملتے ہیں۔ انھوں نے اپنے منفرد لب ولہجہ میں اس معاشرے کی جیتی جاگتی تصویر کشی کی ہے

جین آسٹین کے یہاں موضوع کا ٹریٹمنٹ

جین آسٹین اٹھارہویں صدی کے اواخر میں جنوبی انگلستان کے ایک اعلیٰ متوسط طبقے میں پیدا ہوئیں۔ان کی زندگی کا بیشتر حصہ دیہی ماحول ومعاشرہ میں گزرا۔انھوں نے اپنے گردوپیش کی معاشرتی وثقافتی زندگی کا مشاہدہ نہایت گہرائی کے ساتھ کیا۔جین آسٹین نے کل چھے ناول لکھے ہیں۔ ان کے ناولوں میں جنوبی انگلستان بالخصوص دیہی تہذیب وتمدن اور وہاں کی تہذیبی وثقافتی زندگی کی جیتی جاگتی تصویریں ملتی ہیں۔انھوں نے وہاں کے نوجوان طبقے کے افکاروخیالات اور ان کے جذبات واحساسات کی ترجمانی کامیابی کے ساتھ کی ہے۔ان کے ناولوں میں شادی بیاہ اور حسن وعشق کے مسائل کوموضوع کے طور پر برتا گیا ہے۔جین آسٹین نے سماج کے خارجی اثرات سے قطع نظر باطنی وداخلی مسائل کوزیادہ اہمیت دی ہے۔

عالمی منظرنامے پر اٹھارہویں صدی کے نصف آخر کا زمانہ بڑا ہی ہنگامہ خیز رہا ہے۔اس عہد میں رونما ہونے والے سیاسی،سماجی اور صنعتی انقلابات نے انسانی زندگی کے ہر شعبے کوغیر معمولی طور پر متاثر کردیے تھے۔مثلاً امریکہ کی جنگ آزادی (1776ء)،فرانس کا انقلاب (1789ء) اور نپولین کا عروج وزوال جیسے تاریخ ساز واقعات قابل غور ہیں۔ٹھیک یہی زمانہ انگلستان کے صنعتی انقلاب کا بھی ہے۔ان تاریخ سازتحریکات اور انقلابات کے نشیب وفراز نے ادب پر اپنے دیرپا اثرات مرتب کیے۔انگریزی شعراء کے علاوہ انگریزی فکشن نگاروں نے بھی ان انقلابات اورتحریکات کے اثرات قبول کیے۔جین آسٹین کے ہمعصر ناول نگاروں کے یہاں ان سیاسی انقلابات اوراس پرآشوب دور کی سماجی کشمکش کے نقوش ملتے ہیں۔ان کے بعض ہمعصروں

کے یہاں اس عہد کی سیاسی وانقلابی ہنگامہ آرائی سانس لے رہی ہے۔تعجب کی بات ہے کہ جین آسٹین کے پورے ادبی سرمائے میں ان واقعات کی آہٹ تک نہیں ملتی۔انھیں تو صرف اس دلفریب اور حسین دنیا سے ایک فطری لگاؤ ہے جہاں ہر طرف خوشحالی ہو،عشق ومحبت کی رنگینیاں ہوں،رقص وسرود کی محفلیں ہوں۔وہ زمانے کے ہنگامے اور نشیب وفراز سے دور ایک حسین اور سحر انگیز دنیا میں پناہ لیتی ہیں اور اسی میں انسانی دکھ درداور رنج وغم کا مداوا تلاش کرتی ہیں۔انھیں معاشرے کی تصویر کشی پر والہانہ قدرت حاصل ہے۔ان کے یہاں مبالغہ آرائی نہیں ملتی بلکہ ایک حقیقی اور جیتی جاگتی دنیا کی مرقع کشی ملتی ہے۔

انگریزی کے ایک اہم نقاد G.E.Milton نے ان کی اس بصیرت پر اظہار خیال کرتے ہوئے ایک جگہ لکھا ہے:

"Jane Austen was the first to draw exactly what she saw around her in a humdrum country life and to discard all incidents all adventures all grotesque types for perfect simplicity."(29)

''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' ان کا محبوب ترین ناول ہے۔اس کا شمار کلاسیکی ادب کے نمائندہ ناولوں میں ہوتا ہے۔اس ناول میں بھی حسن وعشق اور شادی بیاہ جیسے مسائل کو مرکزیت حاصل ہے اور یہی اس ناول کا اہم موضوع ہے۔اس ناول میں مصنفہ نے انگلستان کی تہذیب وثقافت اور وہاں کی معاشرتی اور تمدنی زندگی کو پس منظر کے طور پر استعمال کیا ہے۔جین آسٹین حقیقت نگار ہیں۔وہ انسانی زندگی کے جیتے جاگتے مسائل کو موضوع بناتی ہیں۔ان کے کردار زندگی کے کسی نہ کسی رخ کو پیش کرتے ہیں۔وہ کسی خیالی دنیا میں نہیں رہتے۔ان کے سامنے زندگی کا ایک واضح تصور ملتا ہے۔وہ زندگی کو بھر پور طریقے سے جینے کا ارمان رکھتے ہیں۔وہ ایسے کرداروں کو پیش کرنا پسند نہیں کرتیں جن سے بھر پور واقفیت نہ ہو۔''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' کو بطور مثال پیش کیا جا سکتا ہے۔اس ناول میں کرداروں کی خاصی تعداد ملتی ہے۔اس میں نوجوان طبقے کے حسین خواب اور

ارمان کو موضوع کے طور پر برتا گیا ہے۔ ناول کے ابتدائی کلیہ سے ہی ناول کا موضوع واضح ہو جاتا ہے۔

"It is a truth universally acknowledged, that a single man in possession of a good fortune must be in want of a wife"(30)

اس کلیہ سے ناول کے موضوع پر روشنی پڑتی ہے۔ ناول کے نوجوان کردار کسی دولت مند اور خوبصورت شریک حیات کی تلاش میں مصروف نظر آتے ہیں۔ ان کے دوسرے ناولوں میں بھی کرداروں کی یہی فطرت ملتی ہے۔ اپنے ارمان اور حسین خواب کو شرمندہ تعبیر بنانے کے لیے نوجوانوں میں نفسیاتی جنگ شروع ہو جاتی ہے۔ اس ناول کا آغاز شادی بیاہ کے خوشگوار پیغام کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور مرکزی کرداروں کی شادی کے ساتھ ہی اپنے اختتام کو پہنچتا ہے۔ اپنی اولاد کا گھر بسانے کے لیے ان کے سرپرست بھی فکر مند اور سنجیدہ نظر آتے ہیں۔ اپنی اس ذمہ داری اور خواہش کو پورا کرنے کی غرض سے وہ سازش اور مکاری سے بھی باز نہیں آتے۔ مسٹر بینیٹ اور مسز بینیٹ کی پانچ غیر شادی شدہ بیٹیاں ہیں۔ وہ ہر وقت ان کی شادی کی فکر میں گھلتی رہتی ہیں۔ وہ ہر غیر شادی شدہ مالدار نوجوان کو بہت امید بھری نظروں سے دیکھتی ہیں اور اپنی بیٹیوں کی شادی کے لیے جوڑ توڑ میں مصروف رہتی ہیں۔ مصنفہ کی اس فکر میں آفاقیت ہے۔ انھوں نے عورتوں کی اس فطری ذہنیت کو پیش کیا ہے۔

ناول کے بالکل ابتداء میں بینیٹ فیملی کے ایک پڑوسی مسز لانگ نے مسٹر بینگلے نامی ایک غیر شادی شدہ اور صاحب ثروت نوجوان کے آنے کی خوش خبری دی۔ اتنا سننا تھا کہ مسز بینیٹ خوشی سے پریشان ہو اٹھتی ہیں۔ وہ اپنی اس خوشگوار بےچینی کو اپنے شوہر مسٹر بینیٹ کے سامنے ظاہر کرتی ہیں۔ دونوں ہی مسٹر بینگلے کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دونوں کچھ اس طرح گفتگو کرتے ہیں:

"What is his name?'

'Bingley.'
'Is he married or single?'
'Oh! single, my dear, to be sure! A single man of large fortune; four or five thousand a year. what a fine thing for our girls."(31)

ایک دوسری جگہ مسز بینیٹ اپنے شوہر مسٹر بینیٹ سے استفہامیہ انداز میں کہتی ہیں:

"Design! nonsense, how can you talk so! But it is very likely that he may fall in love with one of them, and therefore you must visit him as soon as he comes."(32)

یہ اقتباسات مصنفہ کی ذہنیت اور فکری میلانات کی جانب واضح اشارہ کرتے ہیں۔ ناول میں چار پلاٹ ہیں۔ ناول کا مرکزی پلاٹ ہیرو مسٹر ڈارسی اور ہیروئن مس ایلز بیتھ سے تعلق رکھتا ہے۔ ناول کا دوسرا اہم پلاٹ چارلس بینگلے اور جین بینیٹ کے معاشقے سے وابستہ ہے۔ ان دونوں نوجوان جوڑوں کی شادیاں ناول کے آخری حصے میں ہوتی ہیں۔ ان کی شادیوں کے ساتھ ہی ناول طربیہ اور خوشگوار انداز میں ختم ہوتا ہے۔ ان کے علاوہ بھی ناول میں کئی اور شادیاں ہوتی ہیں۔ مصنفہ نے ناول میں اچھی اور بری شادی کے فرق کو بھی واضح کرنے کی سعی کی ہے۔ جین بینیٹ اور ایلز بیتھ بینیٹ کی شادیاں کامیاب اور اچھی ہیں۔ انھیں کبھی بھی مالی مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑتا ہے۔ ان کے یہاں اخلاقی زوال نہیں ملتا بلکہ انھیں اپنی ذمہ داریوں کا بھرپور احساس ہے۔ ایلز بیتھ کی چھوٹی بہن لیڈیا نہایت جذباتی لڑکی ہے۔ اس کے اندر اخلاقی قدروں کا فقدان ہے۔ وہ غلط راستے پر پڑ جاتی ہے۔ اس کی شادی ناکام ہوتی ہے۔ وہ ہر وقت مالی مشکلات کا سامنا کرتی ہے جبکہ اس کی بڑی بہنیں آسودہ اور خوش حال زندگی بسر کرتی ہیں۔ ناول میں کوئی کسی کے حسن اور دولت سے متاثر ہوتا ہے تو کوئی کسی کی اخلاقی قدروں اور وفاداری کا قائل نظر آتا ہے۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ناول کا سارا تانا بانا اور سارا پس منظر شادی بیاہ اور رشتے ناطے کے گرد گردش کرتا ہے۔ ناقدین

ادب کے درمیان بھی مصنفہ کے ناولوں کے موضوعات کے متعلق اتفاق رائے ملتا ہے۔سب نے مجموعی طور پر رشتۂ ازدواج اور رشتۂ الفت کو ان کی تخلیقات کا موضوع قرار دیا ہے۔

انگریزی کے نقاد Lawrence J.Clipper کا خیال ہے:

"Her main subject is courtship and marriage. There are seven marriages in Pride and Prejudice, all of them undoubtedly intended to reveal first of all the requirements of a 'good' and 'bad' marriage." (33)

جین آسٹین کے ایک مشرقی نقاد آتما رام نے ان کے ادبی سرمائے میں پائے جانے والے افکار و نظریات سے بحث کرتے ہوئے کہا ہے:

"Love and marriage are highly engaging topics for Jane Austen's women characters.All her six novels are love-stories. Matrimony, existing or intended, constitutes the main situation in her novels."(34)

ایک دوسری جگہ انھوں نے لکھا ہے:

"In Jane Austen's world marriage occupies a prominent place.Love and marriage remain the recurrent themes of her fiction.The ultimate destiny of a Jane Austen heroine is marriage.'Pride and Prejudice' is a love story of two sisters, Elizabeth Bennet and Jane Bennet.'Sense and Sensibility' of Marianne Dashwood and Elinor Dashwood.'Northanger Abbey' describes the love-affair of Catherine Morland.'Persuasion' concentrates on the love and marriage of Anne Elliot.The action in 'Emma' revolves around marriages.'Mansfield Park', in a way, is the love-tale of Fanny price."(35)

مندرجہ بالا اقتباسات کے توسط سے جین آسٹین کے موضوعات اور ان کی فکری

اساس کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ آخری اقتباس میں آتمارام نے مصنفہ کے جملہ تخلیقات کے حوالے سے بات کی ہے۔ انھوں نے شادی اور محبت کو ان کی تخلیقات کا اصل موضوع گردانتے ہوئے ایک خاص تناظر میں بات کی ہے۔ وہ مصنفہ کی ہیروئن کی قسمت اور اس کی زندگی کا نصب العین شادی قرار دیتے ہیں۔ پہلے اقتباس میں لارنس جے کلیپر نے ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' میں ہونے والی سات شادیوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔

''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' کے پہلے باب میں ہی اس ناول کا سارا پس منظر سامنے آجاتا ہے۔ نوجوان اور غیر شادی شدہ کرداروں کی محبت اور دوستی کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ نوجوان کرداروں کی زندگی کو سنوارنے اور اس کے لیے راہ ہموار کرنے میں ان کے سرپرستوں کا رول بھی ناقابلِ فراموش ہے۔ ناول کے بعض کرداروں کی محبت میں بڑی پیچیدگی ہے۔ ایلز بیتھ بینیٹ اور مسٹر ڈارسی کے رشتۂ الفت میں اس قدر گتھیاں پڑتی ہیں کہ سلجھنے کا نام نہیں لیتیں۔ ان دونوں کی محبت میں سنجیدگی اور متانت ملتی ہے۔ دونوں کبھی بھی جذباتیت سے کام نہیں لیتے۔ اس کی بڑی بہن جین بینیٹ کو چارلس بینگلے سے الفت ہے۔ یہ دونوں بھی اخلاقی قدروں کا پاس رکھتے ہیں۔ یہاں بھی جذباتیت کا گزر نہیں۔ ان دونوں بہنوں کی شادیاں ناول کے آخر میں ہوتی ہیں۔ ایلز بیتھ کے والد مسٹر بینیٹ اپنے دور کے ایک رشتہ دار مسٹر کولنس کو خط میں لکھتے ہیں:

"Dear Sir,

I must trouble you once more for congratulations. Elizabeth will soon be the wife of Mr Darcy. Console lady Catherine as well as you can. But, if I were you, I would stand by the nephew. He has more to give.

Yours sincerely,& c."(36)

مس ایلز بیتھ اور مس جین کی شادی کی خبر جلد ہی ہر طرف پھیل جاتی ہے۔ مبارک باد کا ایک خوشگوار سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ اس خوش خبری کو سننے کے بعد ایلز بیتھ کی والدہ مسز بینیٹ خوشی سے پاگل ہو جاتی ہیں اور اناپ شناپ حرکتیں کرنے لگتی ہیں۔ ان شادیوں کے علاوہ دوسری شادیاں

بھی ناول کے درمیانی حصے میں ہوتی ہیں۔مختصر یہ کہ ناول میں عشق ومحبت، منگنی اور شادی بیاہ وغیرہ کی اچھوتی منظر کشی ملتی ہے۔

عصمت چغتائی کے ''ٹیڑھی لکیر'' کی طرح ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' میں بھی خواتین کے درمیان دوستی کے علاوہ غضب کی رقابتیں چلتی ہیں۔کہیں پر محبت اور وفا کے پھول کھل رہے ہیں تو کہیں حسد کی آگ بھی جل رہی ہے۔چارلس بینگلے کی بہنیں بینیٹ بہنوں سے حسد کرتی ہیں۔جین آسٹین نے انسانی زندگی کے اس رخ کو بھی اپنے موضوع کے ساتھ برتا ہے۔لیڈی کیتھرین بھی اس کی ایک اچھی مثال ہیں۔وہ اپنی بیٹی کا گھر بسانے کے لیے دوسروں کی منگنی تک توڑنے کی کوشش کرتی ہیں۔اس کے لیے وہ دھمکی تک دیتی ہیں۔نوجوان کرداروں کے علاوہ ان کے سرپرست اور والدین بھی اپنی بیٹیوں کی شادی کے لیے ایک دوسرے کے خلاف سازش اور مکاری کرنے سے گریز نہیں کرتے ہیں۔ڈارسی، چارلس بینگلے کا قریبی دوست ہے۔چارلس بینگلے کی بہن مس بینگلے اسے چاہتی ہے۔وہ اسے اپنے دام الفت میں گرفتار کرنا چاہتی ہے مگر وہ اس کی طرف ملتفت نہیں ہوتا۔اسی رقابت اور حسد کی آگ میں وہ بینیٹ بہنوں کو لندن میں چارلس بینگلے اور مسٹر ڈارسی سے ملنے نہیں دیتی۔دونوں کو ان کے خلاف بہکاتی اور بھڑکاتی ہے۔کرداروں کے ان حرکتوں سے ناول میں تجسس اور کشمکش کی ڈرامائی کیفیت در آئی ہے۔

جین آسٹین نے اپنے اس ناول میں انگلستان کی معاشرتی اور اخلاقی بے راہ روی کو بھی آئینہ دکھلایا ہے۔ناول کے بعض کرداروں میں اخلاقی پامالی ملتی ہے تو بعض انسانی اقدار وحیات کی بہترین مثال پیش کرتے ہیں۔لیڈیا اور وکھم اخلاقی زوال اور معاشرتی بے راہ روی کی اچھی مثال ہیں۔دونوں کی فطرت ومزاج میں جذباتیت اور سطحیت ملتی ہے۔دونوں غیر مہذب اور غیر سنجیدہ کردار ہیں۔دونوں ہی جنسی خواہشات کی تکمیل میں مصروف پائے جاتے ہیں۔وکھم لیڈیا کو بھگا لے جاتا ہے۔بعد میں بڑی مشکل سے وہ اس سے شادی کرنے کے لیے تیار ہوتا ہے۔لیڈیا کے علاوہ وہ ڈارسی کی ایک پندرہ سالہ بہن کو بھی بھگانے کی کوشش کرتا ہے مگر کامیاب نہیں ہوتا۔کرداروں

کے درمیان کی رقابت اور حسد سے معاشرتی اور اخلاقی زوال کا اندازہ ہوتا ہے۔''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' کے کردار''ٹیڑھی لکیر'' کے کردار کی طرح خیالی دنیا میں نہیں رہتے بلکہ زندگی کی کشمکش اور علامت کو پیش کرتے ہیں۔

جین آسٹین نے اپنے ناولوں کے ذریعہ نوجوانوں کے دلوں میں حسن وعشق اور شادی بیاہ کی چاہت پیدا کی ہے۔لیکن ان کے یہاں ایک صحت منداور مہذب لائحہ عمل ملتا ہے۔ انھوں نے معاشرے کی بدعنوانیوں اور ناہمواریوں پر بھرپور طنز کیا ہے۔جین نے اپنے ناولوں میں اقتصادی فلسفے کو بھی پیش کیا ہے۔اس سے اٹھارہویں صدی کے لوگوں کی ذہنیت اور معاشرتی رجحان کا پتہ چلتا ہے۔لوگوں میں اقتصادی حیثیت اور جائداد کو خاص اہمیت حاصل ہے۔اعلیٰ متوسط طبقے کے لوگ جاگیردارانہ انداز میں زندگی بسر کرتے تھے۔لڑکیوں کی نظریں اپنے آس پاس کے کسی نہ کسی صاحب ثروت اور خوبصورت نوجوان پر جمی رہتی ہیں۔نوجوانوں کے علاوہ ان کے سرپرست بھی کسی دولت منداور مالدار نوجوان کی تلاش میں رہتے ہیں۔وہ اپنی بیٹیوں کی شادی کرنے سے قبل اس کی مالی حیثیت اوراس کی جائداد کا اندازہ لگانا ضروری خیال کرتے ہیں۔

''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' میں ہر جگہ اس قبیل کی مثالیں ملتی ہیں۔مسٹر ڈارسی کی سالانہ آمدنی دس ہزار پونڈ ہے۔ایک خاص تقریب میں اس خبر کے پھیلتے ہی لوگوں نے اس کی خوبروئی کی تعریف کی۔خواتین کی نظر میں وہ چارلس بینگلے سے کہیں زیادہ دلکش ٹھہرا۔ناول کی اکثر وبیشتر خواتین کردار کسی مالداراور قابل نوجوان سے رشتۂ ازدواج استوار کرنے کی خواہاں ہیں۔خود مسٹر ڈارسی سے کئی خواتین شادی کرنا چاہتی ہیں۔مس بینگلے کی ہزار کوششوں کے باوجود وہ اس سے متاثر نہیں ہوتا۔مسٹر کولنس اور شارلٹ لیوکاس کی شادی اقتصادی مصلحت کی بنا پر ہوتی ہے۔مسٹر کولنس کو بینیٹ فیملی کی جائداد ملنے والی ہے۔لہٰذا مسز بینیٹ اس سے اپنی کسی ایک بیٹی کی شادی کا خواب دیکھتی ہیں۔لیڈیا شادی اور محبت کے متعلق محتاط نہیں ہے۔لہٰذا وہ ہر وقت پریشان رہتی ہے۔اسے مالی بحران سے گزرنا پڑتا ہے۔وکھم میں دولت کی اس قدر لالچ ہے کہ وہ ایک اچھی رقم لے کر ہی اس

سے شادی کے لیے راضی ہوتا ہے۔ دونوں کو ہر وقت مالی مدد کی ضرورت پڑتی ہے۔ جین آسٹین نے غربت اور افلاس میں ہونے والی شادی کے برے نتائج سے ہمیں واقف کرایا ہے۔

ناول کے آخری باب میں لیڈیا اپنی بہن ایلز بیتھ کو ایک خط کے ذریعہ شادی کی مبارک باد پیش کرتی ہے۔ خط میں وہ اس کی دولت کی خوب تعریف کرتی ہے۔ لیڈیا ایلز بیتھ سے اپنی غربت اور خستہ حالی ظاہر کر کے اس سے مالی مدد کی التجا کرتی ہے۔ خط ملاحظہ ہو:

"My Dear Lizzy,
I wish you joy. If you love Mr.Darcy half so well as I do my dear Wickham, you must be happy. It is a great comfort to have you so rich, and when you have nothing else to do, I hope you will think of us. I am sure Wikham would like a place at court very much, and I do not think we shall have quite money enough to live upon without some help. -
Yours &c."(37)

مسز گارڈنیر ایلز بیتھ کے رشتہ دار ہیں۔ وہ ڈارسی کی دولت سے متاثر ہیں۔ یہ جان کر کہ ڈارسی ایلز بیتھ سے محبت کرتا ہے، ان کی نظر میں ایلز بیتھ کی عزت بڑھ جاتی ہے۔ وہ پیمبر لے میں واقع ڈارسی کا مکان دیکھنے جاتی ہیں۔ مکان کی خوبصورتی اور اس کے فرنیچر کی کافی تعریف کرتی ہیں۔ وہ ڈارسی کے مکان کی خوبصورتی بیان کرتے ہوئے ایلز بیتھ سے کہتی ہیں:

"If it were merely a fine house richly furnished...I should not care it myself; but the grounds are delightful. They have some of the finest woods in the country."(38)

اوپر پیش کیے گئے اقتباسات سے خواتین کردار کی داخلی کیفیات سے پردہ اٹھتا ہے۔ وہ کسی کی رئیسانہ زندگی اور شان وشوکت سے بے حد متاثر ہوتی ہیں۔ اس سے ان کی خود غرضی اور مادہ پرستی ظاہر ہوتی ہے۔ مسز بینیٹ اپنی پیاری بیٹی ایلز بیتھ بینیٹ عرف لیجی سے والہانہ محبت کرتی

ہیں۔مصنفہ نے اس ناول میں والدین اور اولاد کے رشتے کو بھی توجہ کے ساتھ دکھلایا ہے۔خاص طور پر مائیں اپنی بیٹیوں سے غیر معمولی محبت کرتی ہیں۔وہ ہر وقت انھیں خوش حال اور کامیاب دیکھنا پسند کرتی ہیں۔وہ بیٹیوں کی اچھی جگہ شادی کر دینا ہی ان کی خوشیوں کی ضمانت سمجھتی ہیں۔ناول میں مرد کردار کے سلسلے میں یہ بات نظر نہیں آتی۔ناول میں کسی بھی مرد کردار کی ماں کا کوئی رول نظر نہیں آتا۔

ایلز بیتھ اور مسٹر ڈارسی کی شادی کے متعلق بینیٹ گھرانہ کے لوگ پہلے تو مایوس رہتے ہیں لیکن بعد میں ان کی مایوسی امید میں تبدیل ہو جاتی ہے۔دونوں ایک دوسرے کی نیکیوں اور اچھائیوں کو پرکھتے ہیں اور ان کی آپسی بدظنی جاتی رہتی ہے۔آخر کار دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ایلز بیتھ کی ماں مسز ایلز بیتھ کو اس بات سے سب سے زیادہ خوشی ہوتی ہے۔ان کی حرکتوں سے ان کی شفقت،محبت اور ممتا جھلکتی ہے۔ان کی خوشی کی اصل وجہ ڈارسی کی رئیسانہ زندگی اور اس کی دولت ہے۔وہ ایلز بیتھ سے نہایت فخریہ اور استعجاب بھرے لہجے میں کہتی ہیں:

> "Oh, my sweetest Lizzy! how rich and how great you will be! What pin-money, what jewels, what carriages you will have! Jane's is nothing to it- nothing at all. I am so pleased- so happy! Such a charming man!- so handsome! so tall- Oh, my dear Lizzy! pray apologize for my having disliked him so much before. I hope he will overlook it. Dear,dear Lizzy! A house in town! Every thing that is charming! Three daughters married! Ten thousand a- year! Oh, Lord! what will become of me.I shall go distracted."(39)

مذکورہ بالا مباحث سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ جین آسٹین کے یہاں اقتصادی مسائل کو خاص اہمیت حاصل ہے۔انھوں نے اٹھارہویں صدی کی معاشرتی زندگی کے اس پہلو کو اپنے ناولوں میں جگہ دی ہے۔ناول میں کردار محنت سے جی چراتے ہیں۔وہ اپنی جائداد اور دولت کی بنا پر رئیسانہ زندگی گزارنے کے قائل ہیں۔ان کی زندگی کی رنگینی،سرمستی،ٹھاٹھ باٹ ناول میں ہر

جگہ نظر آتی ہے۔خواتین کے علاوہ بعض مرد کردار بھی دولت کے حصول میں اپنی عافیت سمجھتے ہیں۔ انھیں اپنے مال دار اور دولت مند ہونے پر فخر بھی ہے۔

انگریزی زبان وادب کے نقادوں اور ادیبوں نے جین آسٹین کی تخلیقات میں شادی بیاہ اور حسن وعشق کے علاوہ ان کے اقتصادی فلسفے کی نشاندہی کرنے کی کوشش کی ہے۔

بقول Leonard Woolf

"The social standards are almost entirely those of money and snobbery. The social standard, ideal, and duty of a woman is assumed to be to marry as high or as rich as possible, and we know, on Mrs Bennet's evidence that, according to the tariff, 10,000 pond a year was as good as a lord..."(40)

موصوف کی اس بات کی تردید کی جاسکتی ہے کہ ایک عورت کی سماجی ذمہ داری کسی اعلیٰ معیار یا کسی صاحب ثروت نوجوان سے شادی کرنا ہے۔ڈارسی ناول کا ہیرو ہے۔وہ خوبصورت اور صاحب ثروت نوجوان ہے۔لیکن اس کی بداخلاقی کے باعث ایلزبیتھ اس سے بدظن ہو جاتی ہے۔وہ اس کی ہر حرکتوں کا معقول جواب دیتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کی شادی کی تجویز کو سختی کے ساتھ رد کرتی ہے۔ان کے بعض خواتین کردار کی نظر میں دولت ہی سب کچھ نہیں ہے بلکہ ایک خوش حال زندگی اور کامیاب شادی کے لیے کسی اور بھی چیز کی ضرورت پڑتی ہے۔محبت، وفاداری، خوش اخلاقی اور اپنی ذمہ داریوں کا احساس وغیرہ رشتے کی پائیداری کے لیے ضروری ہے۔لیڈیا اور وکھم کے یہاں اس جذبے کا فقدان ہے۔لہٰذا ان کے رشتے میں پائیداری نہیں ملتی۔

یہ درست ہے کہ جین آسٹین کی جملہ تخلیقات میں ایک مخصوص معاشرے کی تہذیبی و ثقافتی زندگی اور اس کے لوازمات کی عکاسی پورے آب وتاب کے ساتھ ملتی ہے۔مصنفہ کے ناول، ان کی ذہنی وفکری روش کی ترجمانی کرتے ہیں۔مصنفہ کو جنوبی انگلستان کے معاشرتی حالات وکوائف سے ذہنی ہم آہنگی ہے۔ان کے ناولوں میں انسانی زندگی کے سرد وگرم کا احساس نہیں ہوتا۔انھوں

نے اپنے گرد و پیش کی تہذیب وتمدن کی ایسی اچھوتی تصویر کشی کی ہے کہ وہاں کا سارا سماجی نظام نگاہوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔جین آسٹین کے یہاں حسن وعشق، منگنی اور شادی بیاہ کے علاوہ وہاں کا بود و باش، خورد ونوش، سرمستی ورنگینی، رقص وسرود کی محفلوں، بال وتقریبات، چھیڑ چھاڑ، رئیسانہ طرز زندگی، سامان آرائش وآسائش، زراعت وباغات، ذرائع آمد ورفت مثلاً ٹم ٹم، بگھی اور گھوڑا گاڑی وغیرہ کا مکمل معاشرتی نظام سانس لے رہا ہے۔انھوں نے ان تمام تر صورت حال کو پس منظر کے طور پر استعمال کیا ہے۔

ان مباحث کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں کہ جین آسٹین کے یہاں موضوع اور فکر کی سطح پر ایک تنگ اور محدود دائرہ کار (Limited Range) ملتا ہے۔انھوں نے اپنے اس محدود لائحہ عمل اور دائرہ فکر سے باہر قدم نہیں رکھا۔جین آسٹین نے انسانی زندگی کے دوسرے بہت سارے مسائل کو نظر انداز کر دیا ہے۔انگریزی کے بعض ادیبوں نے ان کی اس محدود کائنات کو ہدف تنقید بنایا ہے تو بعض نے اسے خوبی اور فکری امتیازات قرار دیا ہے۔اسی انفرادیت کے باعث ان کے ادبی کارنامے کو "A little bit of ivory", "Ivory towered", "Two inches of ivory", "Three or four families" وغیرہ سے تعبیر کی گئی۔بقول نیرو پم مشرا:

"A narrow physical setting a country town, a country house, Bath; a narrow social setting- the three or four families within such a society who would be on visiting terms; a narrow moral setting- the manners and morals accepted within that society; a narrow character range- most of the character being middle class; a limited plot- the range of events likely to occur within that setting; these are the limitations of her art, and at the same time the discipline of her art."(41)

اس اقتباس میں موصوفہ نے جین آسٹین کی تخلیقی کائنات کی کتنی سچی تصویر کھینچی ہے۔یہ صحیح ہے کہ جین آسٹین کی فکر محدود ہے۔ان کے موضوعات میں وسعت نہیں ملتی۔مگر مصنفہ

نے جس ژرف نگاہی اور باریک بینی سے اپنے معاشرے کی تصویر کشی کی ہے اس کی نظیر انگریزی ناول نگاری کی تاریخ میں کم ملتی ہے۔ اس تنگ دائرہ فکر کے باوجود ان کے یہاں تکرار کی گنجائش کم ہے۔ مختصر یہ کہ جین آسٹین کے بعد کئی ناول نگاروں نے ان کی پیروی کرنے کی کوشش کی لیکن جو کامیابی اور جو شہرت جین آسٹین کو ملی کسی اور کو نصیب نہ ہو سکی۔

دونوں ناولوں کے موضوعات کا تقابلی مطالعہ

فکری اور موضوعاتی تقابل میں دو فن کاروں کی فکری اساس اور ان کے رجحانات و میلانات سے گفتگو کی جاتی ہے۔ اس سلسلے میں دونوں فن کاروں یا فن پاروں کے گرد و پیش کے ماحول کو بھی مدنظر رکھنا چاہیے۔ اگر قلم کار کسی مخصوص مکتبۂ فکر سے وابستہ ہوں تو اس کا ذکر بھی سود مند ثابت ہوتا ہے۔ دو فن کاروں کی فکری اساس کا موازنہ کرتے وقت دونوں کے یہاں پائی جانے والی فکری یکسانیت کے علاوہ عدم یکسانیت کو بھی زیر بحث لانا ضروری ہے۔ ایسا نہ کرنے سے تقابلی مطالعے کی معنویت کم ہو جاتی ہے۔ کیوں کہ فن کاروں یا فن پاروں کے درمیان پائے جانے والے افتراقات بھی قابل غور ہوتے ہیں۔

عصمت چغتائی اور جین آسٹین کا تعلق دو مختلف ملکوں سے ہے۔ دونوں کی زبانیں الگ ہیں۔ دونوں کی تہذیب و ثقافت الگ ہے۔ عصمت چغتائی ہندوستان میں پیدا ہوئیں اور یہاں کی تہذیب و معاشرت میں پروان چڑھیں۔ ان کا تعلق سماج کے اعلیٰ متوسط طبقے سے تھا۔ وہ ایک ایسے دور سے وابستہ رہی ہیں جس میں ملک ایک نئی کروٹ لے رہا تھا۔ سماج کی پرانی قدریں مٹ رہی تھیں۔ لوگوں کے سوچنے کا انداز بدل رہا تھا۔ سماج بہ حیثیت مجموعی کشمکش و تصادم میں مبتلا تھا۔ اس ماحول نے عصمت کو شدید ذہنی الجھن میں مبتلا کر دیا تھا۔ انھوں نے اپنے تیز قلم کے ذریعہ سماج اور معاشرے کے ان گوشوں کو بے نقاب کیا ہے جو اب تک پوشیدہ تھے۔ انھوں نے سماج کی قدیم بوسیدہ روایات اور معاشرتی ناہمواریوں کو اپنے ناولوں کا موضوع بنایا۔ ان کے یہاں محدود دائرۂ عمل ملتا ہے لیکن انھوں نے جس خلاقانہ چابکدستی کے ساتھ ان مخصوص مسائل کو پیش کیا ہے اس کی مثالیں

اردو ادب میں خال خال ملتی ہیں۔ ''ٹیڑھی لکیر'' ان کا اہم ترین ادبی کارنامہ ہے۔ اس میں ان کے تجربات ومشاہدات کی جھلک ملتی ہے۔

جین آسٹین نے انگلستان میں آنکھیں کھولیں۔ ان کا تعلق بھی سماج کے اعلیٰ متوسط طبقے سے تھا۔ وہ ایک ایسے عہد سے وابستہ رہی ہیں جس میں عالمی سطح پر ایک ہنگامی اور انقلاب آفریں کیفیت طاری تھی۔ صنعتی اور سیاسی انقلاب نے پورے سماج کو بڑی حد تک متاثر کر دیا تھا۔ جین آسٹین نے اس ہنگامی صورتِ حال سے قطع نظر جنوبی انگلستان کے دیہی تہذیب وکلچر اور وہاں کی تہذیبی وثقافتی زندگی کو اپنے ناولوں کا موضوع بنایا۔ انھوں نے متوسط طبقے کی ذہنیت، عادات و اطوار کی اچھوتی تصویر کشی کی ہے۔ ان کے ناولوں میں اس زمانے کی اخلاقی اور معاشرتی خرابیوں نیز رجعت پسندی، بوسیدہ روایت پرستی کے کھوکھلے پن کی خوبصورت عکاسی ملتی ہے۔ انھوں نے انگلستان کے سماجی رسم ورواج، گھریلو رہن سہن اور اس زمانے کے لوگوں کے پسندیدہ مشغلوں کی مرقع کشی کامیابی کے ساتھ کی ہے۔

دونوں خواتین ناول نگار سماج کے اعلیٰ متوسط طبقے سے تعلق رکھتی ہیں۔ دونوں کی پیدائش علم وادب کے گہوارے میں ہوئی۔ دونوں کی شخصیت اور فکر وشعور کی تشکیل وتعمیر اور نشو ونما میں خاندان کے علمی وادبی ماحول نے اہم رول ادا کیا۔ دونوں نے سماج اور معاشرے کی اخلاقی ناہمواریوں، رجعت پسندی اور تہذیبی وثقافتی زوال کو موضوع بحث بنایا۔ دونوں کے یہاں روایت شکنی قدر مشترک کا درجہ رکھتی ہے۔ ان کے یہاں موضوع اور فکر کی سطح پر کوئی خاص تنوع نہیں ملتا بلکہ ایک تنگ اور محدود دائرہ فکر ملتا ہے۔ بعض ناقدین ادب نے ان کے اس محدود دائرہ فکر کو ہدفِ تنقید بنایا ہے تو بعض نے اسے خوبی قرار دیا ہے۔ مختصر یہ کہ دونوں کے یہاں معاشرتی وتہذیبی زندگی کی عمدہ مرقع کشی ملتی ہے۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ دونوں کے افکار وخیالات اور ان کے سوچنے کے انداز میں بڑی حد تک یکسانیت ملتی ہے۔ ان کے ناول اس کے بیّن ثبوت ہیں۔ موضوعات کی سطح پر پائی جانے والی یکسانیت کا تجزیہ ''ٹیڑھی لکیر'' اور ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' کے حوالے سے کیا جائے گا۔

ان دونوں ناولوں کا شمار معاشرتی یا گھریلو ناول کے ذیل میں ہوتا ہے۔عصمت چغتائی اور جین آسٹین حقیقت نگار ہیں۔ دونوں قلم کاروں نے اپنی حقیقت نگاری کے ذریعہ معاشرے کی حقیقی ترجمانی کی ہے۔ زیر مطالعہ ناولوں میں سماج کے اعلیٰ متوسط طبقے کے حالات ومسائل کو پیش کیا گیا ہے۔عصمت چغتائی نے شمن نامی مرکزی کردار کے حالات زندگی کو بنیاد بنا کر زمانے و معاشرے کے گوناگوں پہلوؤں کی ترجمانی کی ہے۔عصمت نے اس ناول کے ذریعہ سماج کے منفی گوشوں پر گہرا طنز کیا ہے۔ ناول میں لڑکیوں کے خارجی وداخلی حالات ومسائل کو مرکزیت حاصل ہے۔انھوں نے طبقۂ نسواں کے مسائل کی ترجمانی کے لیے پورے سماج اور معاشرے کو پس منظر کے طور پر استعمال کیا ہے۔ ناول میں لڑکیوں کی تعلیم ،جنسیت ،عشق و محبت جیسے مسائل کو خاص اہمیت حاصل ہے۔انھوں نے اس میں ہم جنسیت (Lesbianism) جیسی سماجی لعنت کو پیش کیا ہے۔ ناول میں جنسی ناہمواریوں اور جنسی گھٹن کی کئی مثالیں ملتی ہیں۔علاوہ ازیں شادی بیاہ اور حسن وعشق جیسے مسائل بھی اس ناول میں زیر بحث ہیں۔

''ٹیڑھی لکیر'' کی طرح ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' میں بھی انگلستان کی تہذیبی ومعاشرتی زندگی کی حقیقی ترجمانی ملتی ہے۔جین آسٹین انگلستان کی سرزمین اور وہاں کی سماجی وثقافتی زندگی سے فطری وابستگی رکھتی ہیں۔انھوں نے وہاں کے رہن سہن ، بول چال ،خورد ونوش ، بود وباش اور عیش وعشرت وغیرہ کو پس منظر کے طور پر استعمال کیا ہے۔ان کی جملہ تخلیقات میں انگلستان کی تہذیبی وثقافتی زندگی ہچکولے کھاتی ہوئی نظر آتی ہے۔انھوں نے شادی بیاہ اور حسن وعشق کے مسائل کو موضوع کے طور پر استعمال کیا ہے۔''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' میں یہ خوبی پورے آب وتاب کے ساتھ ملتی ہے۔ان کے ناولوں میں نوجوان طبقے کے ان مسائل کو مرکزی اہمیت حاصل ہے۔ ناول میں نوجوان کرداروں کی اچھی تعداد ملتی ہے۔ یہ کردار اپنے حسین خواب کو شرمندۂ تعبیر بنانے میں مصروف نظر آتے ہیں۔ان کی زندگی کا نصب العین اچھی شادی ہے۔مصنفہ نے اپنے اس ناول کے موضوع کو ابتدائی چند جملوں کے ذریعہ ہی پیش کر دیا ہے۔

بینیٹ کنبے کے سربراہ کو ہر وقت اپنی پانچ بیٹیوں کے گھر بسانے کی فکر دامن گیر رہتی ہے۔ ناول میں خواتین بھی خوبرو اور صاحبِ ثروت شوہر کی تلاش میں سرگرداں نظر آتی ہیں۔ ناول کی ہیروئن ایلز بیتھ بینیٹ اور ہیرو مسٹر ڈارسی کی شادی کے ساتھ ہی ناول طربیہ انداز میں ختم ہوتا ہے۔ ناول میں کوئی کسی کے حسن و جمال تو کوئی کسی کی دولت پر فدا ہے۔ کسی کو پہلی نظر میں ہی محبت ہو جاتی ہے تو کوئی محتاط رویے سے کام لیتا ہے۔ کسی کی محبت میں سطحیت اور جذباتیت ملتی ہے تو کوئی سنجیدگی اور ذہانت سے کام لیتا ہے۔ ناول میں جنسی بے راہ روی کی مثالیں بھی موجود ہیں۔ جین آسٹین نے اس اخلاقی و معاشرتی زوال کو اپنے طنز کا نشانہ بنایا ہے۔

اس طرح واضح رہے کہ دونوں ناولوں میں سماج اور معاشرے کی غیر صحت مند قدروں اور اخلاقی زوال کو غیر جانبدارانہ طور پر پیش کیا گیا ہے۔ دونوں کے یہاں شادی بیاہ اور عشق و محبت جیسے مسائل کو امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ دونوں ناولوں میں جنسی گھٹن و نا آسودگی اور اخلاقی بے راہ روی کی کیفیت ملتی ہے۔ دونوں کے یہاں اس سماجی لعنت کو برتنے کا طریقۂ کار ذرا مختلف ہے۔ موضوعات میں پائی جانے والی یکسانیت کے علاوہ چند افتراقات بھی قابل ذکر ہیں۔ مثلاً عصمت کے اس ناول میں ہم جنسیت کے مسئلے کو نمایاں طور پر پیش کیا گیا ہے۔ جبکہ ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' میں یہ نفسیاتی بیماری نہیں ملتی۔ انھوں نے وکھم اور لیڈیا کے ذریعہ جنسی ناہمواریوں کو پیش کیا ہے۔ ان دونوں کرداروں میں اخلاقی زوال نظر آتا ہے۔ یہ دونوں کردار جنسی خواہشات کی تکمیل میں ہر وقت مبتلا رہتے ہیں۔ ''ٹیڑھی لکیر'' میں بھی اس کی کئی مثالیں ملتی ہیں۔ شمن، افتخار، ایلما، سیتل، بلقیس اور استانی مس چرن وغیرہ اس سماجی وبا میں گرفتار ہیں۔

دونوں کے یہاں لڑکیوں کی شادی بیاہ کا مسئلہ درپیش ہے۔ والدین کے علاوہ لڑکیاں بھی خوبصورت اور دولت مند شوہروں کی تلاش میں لگی رہتی ہیں۔ اس سلسلے میں ایلز بیتھ بینیٹ، جین بینیٹ، شارلٹ لیوکاس اور لیڈیا وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ ''ٹیڑھی لکیر'' میں شمن کا چچا زاد بھائی عباس انگلینڈ سے انجینئر بن کر ہندوستان واپس آتا ہے۔ تعلیم یافتہ عباس کی قابلیت کے

پیش نظر اس کے رشتہ دار اس سے اپنی اپنی بیٹیوں کی شادی کرنے کے لیے پریشان ہوا ٹھتے ہیں۔ اس طرح مجموعی طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ دونوں ناولوں میں سماج کے اس مسئلے کو اہمیت حاصل ہے۔ موضوعاتی اعتبار سے دونوں کے یہاں ملنے والی مماثلت کی یہ اچھی مثال ہے۔ دوستی ومحبت میں خیانت اور شادی کے بعد بے وفائی جیسے معاملات بھی قریب قریب دونوں ناولوں میں نظر آتے ہیں۔ ''ٹیڑھی لکیر'' میں افتخار کا شمن کے ساتھ دغا بازی و بے وفائی کرنا، رشید کا شمن سے عشق کرنا اور اسے چھوڑ کر کہیں باہر چلا جانا، غرض یہ کہ کئی سارے لوگوں کا اس کے جذبات سے کھیل کر چلے جانا اس جانب واضح اشارہ کرتے ہیں۔ ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' میں وکھم کا کم فہم لیڈیا کو بھگا لے جانا اور اس کے جذبات سے کھیل کر اس سے شادی کرنے سے انکار کرنا، مسٹر کولنس کا لیڈی کیتھرین سے وعدہ خلافی کر کے ان کی بیمار بیٹی سے شادی کرنے سے صاف انکار کرنے جیسی باتیں معاشرے کے اخلاقی زوال کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

عصمت چغتائی نے ان مسائل کو پیش کرتے ہوئے بعض اوقات بے باکی اور انتہا پسندی سے بھی کام لیا ہے جبکہ جین آسٹین کے یہاں ایک قسم کی سنجیدگی اور شائستگی ملتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ دونوں کے یہاں رومانی خیالات اور حسن وعشق کے تذکرے ملتے ہیں لیکن دونوں کی نوعیت جدا جدا ہے۔ عصمت نے شمن کی زندگی کو بنیاد بنا کر پورے معاشرے کا نفسیاتی مطالعہ پیش کیا ہے۔ وہ موضوع کو نمایاں کرنے کی غرض سے کرداروں کی نفسیاتی خوبی کو ابھارتی ہیں جبکہ جین آسٹین کے یہاں یہ خوبی تھوڑی بہت ملتی ہے۔ جین آسٹین نے بھی لڑکیوں کی نفسیات کا تجزیہ پیش کیا ہے لیکن جو شدت چغتائی کے یہاں ملتی ہے وہ جین آسٹین کے ناولوں میں نظر نہیں آتی۔

موضوعات کی یکسانیت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ دونوں نے انسانی زندگی اور اس کے زندہ مسائل کو موضوع بحث بنایا ہے۔ ان دونوں ناولوں میں مذہبی فکر وفلسفہ اور مذہب کے تئیں احترام وعقیدت کا جذبہ نہیں ملتا۔ بلکہ مذہب کے اصول ونظریات سے صرف نظر کرتے ہوئے ان پر طنز کیا گیا ہے۔ عصمت نے شمن کے ذریعہ مذہبی تعصب اور رجعت پسندی پر چوٹ کی ہے۔ جین

آسٹین نے بھی اپنے اس ناول میں طبقۂ نسواں کی معاشرتی وسماجی زندگی کے اہم مسائل کو ترجیح دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ناقدین ادب نے ان دونوں خواتین قلم کاروں کی تخلیقات میں نسائی حسیت اور تانیثی فکر واحساس کی نشاندہی کرنے کی سعی کی ہے۔ دونوں ناول نگاروں نے اپنی ناول نگاری کے ذریعہ طبقۂ نسواں کے سماجی حقوق کی بازیافت کی ہے۔

جین آسٹین کے ایک مشرقی نقاد آتمارام نے مصنفہ کی تخلیقات میں پائے جانے والے اس رجحان کی نشاندہی کرتے ہوئے کہا ہے:

"The problem of feminism is basically concerned with the education and place of woman. We may examine the element of feminism in Jane Austen's novels keeping in mind the position of woman in the eighteenth century."(42)

مذکورہ بالا اقتباس میں آتمارام نے عورتوں کے سماجی مقام اور ان کی تعلیم کو تانیثی فکر کا اہم مسئلہ قرار دیا ہے۔ انھوں نے جین آسٹین کے ناولوں میں فیمینیزم کے اثرات کی نشاندہی کرنے کی کوشش کی ہے۔

''ٹیڑھی لکیر'' اور ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' میں موضوعات کی سطح پر پائی جانے والی مماثلت کا ایک دوسرا اہم پہلو اقتصادی مسائل سے علاقہ رکھتا ہے۔ عصمت چغتائی نے اپنے اس ناول میں طبقۂ نسواں کے سماجی، سیاسی اور تعلیمی مسائل کے علاوہ ان کی معاشی اور اقتصادی صورت حال کو بھی شعوری یا غیر شعوری طور پر پیش کی ہے۔ ''ٹیڑھی لکیر'' میں بعض خواتین کردار پیسے کی وجہ سے کئی طرح کے مسائل سے دوچار ہیں۔ جین آسٹین نے اس ناول میں اپنے اقتصادی فلسفے کو شعوری طور پر پیش کیا ہے۔ اس ناول سے مال ودولت کی اہمیت وافادیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ جین آسٹین نے اٹھارہویں صدی کے لوگوں کی ذہنیت اور مال ودولت کے تئیں ان کے نظریات کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' میں خواتین کردار کسی صاحبِ ثروت اور

دولت مند شوہروں کی تلاش میں سرگرداں نظر آتی ہیں۔ اتنا ہی نہیں ان کے والدین کی زندگی کا مقصد بھی اپنی بیٹیوں کی شادی کسی مالدار شخص سے کرنا ہے۔ فکری سطح پر دونوں کے ناولوں میں ایک بڑا فرق یہ ہے کہ عصمت چغتائی نے ''ٹیڑھی لکیر'' میں لڑکیوں کے تعلیمی مسئلہ کو خصوصی توجہ کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اس ناول میں لڑکیاں تعلیمی سرگرمیوں میں منہمک نظر آتی ہیں جبکہ جین آسٹین نے اپنے اس ناول میں لڑکیوں کی تعلیم کو موضوع بحث نہیں بنایا ہے۔ ان کے یہاں خواتین محض رومانی دنیا میں کھوئی رہتی ہیں۔ شادی بیاہ اور حسن و عشق کے مسائل ہی ان کی زندگی کے اہم مقاصد ہیں۔

مذکورہ بالا مباحث سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ دو مختلف زبان و ادب اور دو مختلف تہذیبی روایت سے وابستگی کے باوجود دونوں خواتین ناول نگاروں کے افکار و نظریات اور طرز فکر میں بہت ساری مماثلتیں ملتی ہیں۔ ان دونوں کے فلسفۂ حیات اور ان کے جذبات و احساسات میں ملنے والی یکسانیت کو ''ٹیڑھی لکیر'' اور ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کسی تعصب اور جانب داری سے قطع نظر ان مباحث کو معروضی انداز میں پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔

حواشی

1. بیسویں صدی میں اردو ناول۔ڈاکٹر یوسف سرمست۔ترقی اردو بیورو،نئی دہلی،۱۹۹۵ء،ص ۱۱۷
2. ٹیڑھی لکیر۔عصمت چغتائی۔کتابی دنیا،دہلی،۲۰۰۶،ص ۶۰۔۵۹
3. اردو میں ترقی پسند ادبی تحریک۔خلیل الرحمٰن اعظمی۔ایجوکیشنل بک ہاؤس،علی گڑھ،۲۰۰۷ء،ص ۲۱۰
4. داستان سے افسانے تک۔سید وقار عظیم۔ایجوکیشنل بک ہاؤس،علی گڑھ،۲۰۰۳،ص ۱۲۷۔۱۲۶
5. بیسویں صدی میں اردو ناول۔ڈاکٹر یوسف سرمست۔ص ۴۰۲
6. ٹیڑھی لکیر۔عصمت چغتائی۔ص ۴۲۰
7. Forms and Movement; Dr.Gunjan Chaturvedi, Shivam Publications, Agra,2002, p.123
8. Pride and Prejudice: A Critical Evalution; Dr.S. Sen, Unique Publishers, New Delhi, 1992, p.20
9. World's Ten Greatest Novels; W.S. Maugham, Fawcett Publications, New York,1956, p.93
10. Pride and Prejudice: A Study in Structure Jane Austen; David Campbell Publishers Ltd. London,1991, p.1
11. Jane Austen's Novels; Andrew H.Wright, Penguin Books Ltd. Australia,1962, p.22
12. Pride and Prejudice: A Critical Evalution; Dr. S.Sen, p.292
13. Pride and Prejudice; Jane Austen, p.1
14. Ibid, p.1
15. Ibid, p.2
16. Ibid,
17. Pride and Prejudice: A Critical Study; Dr. B.P. Asthana, Sahitya Bhandar, Meerut,1990, p.38
18. Ibid, p. 20
19. Pride and Prejudice; Jane Austen, p. 1-2
20. Jane Austen's Pride and Prejudice; Dr. Nirupma Mishra, Shivam Publication, Agra, 1996, p.67
21. تلاش و توازن۔ڈاکٹر قمر رئیس۔ادارہ خرم پبلی کیشنز،دہلی ۱۹۶۸ء،ص ۴۵۔۴۴
22. اردو میں ترقی پسند ادبی تحریک۔خلیل الرحمٰن اعظمی،ص ۲۱۰
23. ٹیڑھی لکیر۔عصمت چغتائی۔ص ۸۴
24. ایضاً،ص ۸۵۔۸۴
25. ایضاً،ص ۱۷۴

26. ایضاً، ص۱۲۵
27. ایضاً، ص۴
28. ایضاً، ص۵۳
29. In refer. with Forms and Movements; Dr. Gunjan Chaturvedi, p.124
30. Pride and Prejudice; Jane Austen, p.1
31. Ibid, p.1-2
32. Ibid, p.2
33. In refer. with Pride and Prejudice: A Critical Evalution; Dr. S.Sen, p.302
34. Woman As A Novelist: A Study of Jane Austen; Atma Ram, Doaba House, Nai Sarak, Delhi,1989, p.75
35. Ibid, p.52
36. Pride and Prejudice; Jane Austen, p.362
37. Ibid, p.365-366
38. Ibid, p.420
39. Ibid, p.358
40. Critics on Jane Austen; Edited by Judith O'Neill, George Allen and Unwin Ltd, London,1970, p.51
41. Jane Austen's Pride and Prejudice; Dr. Nirupma Mishra, p.42
42. Woman As A Novelist: A Study of Jane Austen; Atma Ram, p.43

باب سوم

ٹیڑھی لکیر اور پرائیڈ اینڈ پریجوڈس کا فنی مطالعہ

ٹیڑھی لکیر کا پلاٹ

قصے کو ترتیب دینے اور واقعات کو تسلسل کے ساتھ پیش کرنے کا نام پلاٹ ہے۔ ناول کے قصے میں ایسا منطقی ربط و تسلسل ہونا چاہیے کہ یکے بعد دیگرے واقعات بالکل فطری معلوم ہوں۔ ہمارے یہاں پلاٹ کے متعلق ناقدین ادب کے درمیان اختلاف رائے ملتا ہے۔ عام طور پر لوگ پلاٹ اور قصے میں کوئی امتیاز نہیں کرتے، بلکہ دونوں کو ایک ہی چیز سمجھتے ہیں۔ بناوٹ کے اعتبار سے پلاٹ کی دو قسمیں ہیں۔ اوّل ڈھیلا ڈھالا پلاٹ اور دوسرا گٹھا ہوا۔ ناول کے واقعات ایک دوسرے سے پوری طرح مربوط ہوں تو گٹھا ہوا اور اگر اس میں تسلسل و منطقی ربط نہ ہو تو ڈھیلا ڈھالا پلاٹ کہلائے گا۔ پلاٹ کی تعمیر و تشکیل میں ناول کی دلکشی اور کامیابی کا راز مضمر ہوتا ہے۔ ناول میں پلاٹ کی بڑی اہمیت ہے۔ ای ایم فاسٹر نے پلاٹ کو ناول کی ریڑھ کی ہڈی قرار دیا ہے۔

عصمت چغتائی نے ''ٹیڑھی لکیر'' کے پلاٹ کی تعمیر میں کسی جدید تجربے یا کسی نئی تکنیک کا سہارا نہیں لیا ہے۔ انھوں نے ''ٹیڑھی لکیر'' کی پلاٹ سازی میں فنی چابکدستی سے کام لیا ہے۔ 'ٹیڑھی لکیر' میں واقعات کو تسلسل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ ناول کے پلاٹ میں نہ تو ''فلیش بیک'' اور نہ ہی ''شعور کی رو'' کا انداز ملتا ہے۔ ناول میں کوئی نیا تجربہ نہیں ملتا بلکہ اسی روایتی انداز میں انھوں نے اپنی فنی مہارت کا ثبوت پیش کیا ہے۔ عصمت نے اس ناول میں سوانحی انداز اختیار کیا ہے۔ اس میں شمن نامی لڑکی کے حالات زندگی پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ناول میں سماج کے فرسودہ رسم و رواج اور معاشرتی بدعنوانیوں کو اجاگر کیا گیا ہے۔ ''ٹیڑھی لکیر'' کی مقبولیت و ادبی اہمیت بڑی حد تک عصمت کی فنی بصیرت پر منحصر ہے۔ انھوں نے ناول کے پلاٹ کی تشکیل و تعمیر میں اپنا خونِ جگر

صرف کیا ہے۔ ''ٹیڑھی لکیر'' کے دلکش و مربوط پلاٹ نے اس ناول کو ادبی حسن عطا کیا ہے۔

ناول ''ٹیڑھی لکیر'' اکتالیس (41) ابواب میں منقسم ہے۔ ناول میں بیک وقت کئی واقعات ہیں۔ اس میں کرداروں کی خاصی تعداد موجود ہے۔ تمام کرداروں کو واقعات سے جوڑتے ہوئے انھوں نے شمن کی زندگی اور اس کے جذبات و احساسات کو ادبی حسن کے ساتھ پیش کیا ہے۔ واقعات میں ایک فطری تسلسل ہے، ایک منطقی ربط ہے۔ ناول کا پلاٹ کچھ یوں ہے۔

شمن ناول کا مرکزی کردار ہے۔ وہ ایک ایسے گھرانے میں پیدا ہوتی ہے جہاں بچوں کا جمِ غفیر موجود ہے۔ کثرتِ اولاد کے باعث اسے اپنے والدین کی محبت و شفقت سے محروم ہونا پڑا۔ اس کی پرورش و پرداخت انّا نامی ایک نوکرانی کے ذریعہ ہوتی ہے۔ ایک روز انّا جب اپنے عاشق کے ساتھ پکڑی جاتی ہے تو اسے آگرہ واپس بھیج دیا جاتا ہے۔ بعد ازاں شمن کی دیکھ بھال کی ذمہ داری بڑی بہن منجھو بی کے سر آتی ہے۔ منجھو بی نے شمن کی پرورش بے حد پیار و دلار کے ساتھ کی۔ منجھو بی چوں کہ ماں نہ تھی لہٰذا وہ ماں کی ممتا دینے سے قاصر رہی۔ علاوہ بریں منجھو بی نے شمن کے ساتھ سختی بھی کی۔ کسی معمولی سی غلطی پر منجھو بی نے شمن کو بے رحمی کے ساتھ مارا پیٹا بھی۔ منجھو بی کی اس سخت گیری نے اس کے اندر بغاوت و خودسری کے جذبات پیدا کر دیے۔

منجھو بی کی شادی کے بعد شمن تنہا اور اکیلی ہو جاتی ہے۔ بڑی بہن کی جدائی نے شمن کے اندر احساسِ محرومی کے شدید جذبات پیدا کر دیے تھے۔ وہ ہر وقت انھیں یاد کرتی ہے حتیٰ کہ وہ منجھو بی کے شوہر کی موت کی دعا بھی مانگتی ہے۔ اتفاقاً شمن کی دعا قبول ہوتی ہے اور منجھو کو اپنی بیٹی نوری کے ساتھ میکے آنا پڑتا ہے۔ منجھو بی شمن کو بات بات پر ڈانٹتی اور پھٹکارتی ہیں۔ وہ ہر بات پر اپنی بیٹی نوری کا مقابلہ شمن سے کرتی ہیں۔ بڑی بہن کے اس رویے نے شمن کو احساس کمتری میں مبتلا کر دیا۔ دریں اثنا شمن کو منجھو بی کے سسرال بھیجا جاتا ہے۔ اسے وہاں کا ماحول بھی راس نہیں آتا۔ آخر کار شمن کو احساس محرومی اور ذلت کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ اب وہ جلد ہی اپنے گھر واپس آتی ہے۔

اس پورے ماحول و معاشرے اور گھر والوں کی بے اعتنائی و بے توجہی نے شمن

کے دل ودماغ پر دوررس اثرات مرتب کیے۔اب شمن کے اندر خودسری، بے باکی اور مزاحمت کے رویے پیدا ہوتے ہیں۔وہ شدید ذہنی کشمکش اور نفسیاتی الجھنوں میں مبتلا ہوجاتی ہے۔گھر پر رہ کر شمن عجیب وغریب حرکتیں وشرارتیں کرتی ہے۔اس کی شرارتوں سے پریشان ہوکر گھر والوں نے اسے اسکول میں داخل کر دیا۔اسکول میں بھی اس کی حرکتیں جاری رہیں۔اسی درمیان منجھو بی اور اس کے دیور کے عشق کا راز فاش ہوتا ہے۔اسکول میں رہ کر شمن نئے نئے تجربات اور مشاہدات سے دوچار ہوتی ہے۔اسکول میں ہم جنسیت جیسی سماجی وبا عام ہے۔اسکول میں طالبات کے علاوہ استانیاں بھی اس سماجی لعنت میں مبتلا نظر آتی ہیں۔شمن کی دوست نجمہ، رسول فاطمہ، بلقیس اور سعادت اسے اس فعلِ بد کی لذت سے آشنا کراتی ہیں۔مس چرن نامی ایک استانی اسی بداخلاقی کے باعث اسکول سے نکالی جاتی ہے۔اسکول میں رہ کر شمن کے ذہن میں جو نفسیاتی کج روی پیدا ہوئی وہ اسے تا آخر کریدتی رہتی ہے۔

کہانی آگے بڑھتی ہے اور شمن کی ملاقات پریما اور اس کے والد رائے صاحب سے ہوتی ہے۔شمن ضعیف العمر رائے صاحب سے اظہارِ محبت کرتی ہے۔ کچھ دنوں بعد رائے صاحب کا انتقال ہوجاتا ہے۔اس سانحہ نے شمن کو بری طرح متاثر کیا۔کالج میں اس کی ملاقات یونین کے صدر افتخار سے ہوتی ہے۔ یونین کے کچھ دوسرے افراد سے بھی اس کا سابقہ پڑتا ہے۔افتخار کی قربت میں رہ کر اسے حوصلہ ملتا ہے۔ان دونوں کی دوستی وقربت محبت میں تبدیل ہوجاتی ہے۔بعد میں وہ یونین کی رکنیت بھی قبول کرتی ہے۔افتخار ''دق'' کے مرض میں مبتلا ہے۔وہ علاج کی غرض سے کچھ دنوں کے لیے باہر جاتا ہے۔افتخار کے چلے جانے کے بعد یونین (Union) کی ذمہ داری سیتل سنبھالتا ہے۔ ایلما شمن کی دوست ہے۔ ایلما سیتل سے محبت کرتی ہے۔ وہ سیتل سے جسمانی تعلقات بھی قائم کرتی ہے۔اسی درمیان حاملہ بھی ہوجاتی ہے۔اس کے باوجود وہ سیتل سے شادی کرنا نہیں چاہتی، لہٰذا اسقاطِ حمل کی غرض سے کہیں اور چلی جاتی ہے۔

کہانی ایک نئی موڑ لیتی ہے اور شمن حصول تعلیم کے بعد ایک قومی اسکول کی سرپرستی

قبول کرتی ہے۔ وہ اسکول کی ناگفتہ بہ حالت کو بدلنے میں ہر ممکن کوشش کرتی ہے۔ شمن اسکول کی ذمہ داریوں سے تنگ آ کر تفریح کے لیے باہر نکلتی ہے۔ سفر کے دوران اسٹیشن پر اس کی ملاقات اپنے دوست ایلما سے ہوتی ہے۔ ایلما اسے بتاتی ہے کہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے سیتل کے بچے کو جنم دیا ہے۔ ایلما سیتل سے نفرت کرتی ہے۔ اس نفرت کی آگ میں وہ اس کے بچے رولف کو بے وجہ مارتی پیٹتی ہے۔ اچانک ایک روز شمن کو افتخار کا تار ملتا ہے اور وہ اس سے ملنے جاتی ہے۔ شمن افتخار کو علاج کے لیے مالی مدد بھی دیتی ہے۔ شمن کے دل میں افتخار کی محبت اب بھی باقی ہے۔ وہ ہر وقت افتخار کا خیال رکھتی ہے۔ کچھ دنوں بعد ایلما کی ملاقات شمن سے ہوتی ہے اور وہ اسے بتاتی ہے کہ اس کا بیٹا رولف مر چکا ہے۔ بیٹے کی موت کے صدمے میں ایلما ذہنی توازن کھو بیٹھتی ہے۔ شمن ایلما پر بار بار شادی کے لیے دباؤ بناتی ہے مگر وہ کسی بھی صورت میں راضی نہیں ہوتی۔

کہانی میں ایک نیا موڑ اس وقت آتا ہے جب شمن کی ملاقات ''حسین بی'' نامی ایک عورت سے ہوتی ہے۔ اس نے اپنا تعارف افتخار کی بیوی کے طور پر کرایا۔ یہ خبر سنتے ہی شمن بے خود ہو جاتی ہے۔ اس حیرت انگیز انکشاف سے شمن اندر ہی اندر ٹوٹ جاتی ہے۔ اب اسے دنیا جھوٹی اور بے وقعت معلوم پڑتی ہے۔ اسے ہر شے مکاری، دغا بازی اور بے وفائی کی تصویر نظر آتی ہے۔ اسے اب پتہ چلتا ہے کہ افتخار کے تعلقات کئی عورتوں سے ہیں۔ افتخار کی بے وفائی نے اسے بڑی حد تک احساس محرومی میں مبتلا کر دیا۔ سچی و حقیقی محبت کی تلاش میں وہ کئی لوگوں سے رشتہ جوڑتی ہے۔ اس درمیان کئی نوجوان اس کی زندگی میں آتے ہیں اور اس کے جذبات سے کھیل کر چلے جاتے ہیں۔ شمن کو ان سب سے بھی بے وفائی اور بے اعتنائی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا ہے۔ اس مرحلے تک پہنچتے پہنچتے شمن اندر سے بالکل ٹوٹ چکی ہوتی ہے۔ شمن اب سکون کی تلاش میں بھٹکتی ہے۔ وہ منجھو بی کی لڑکی کو گود لیتی ہے۔ کچھ دنوں بعد وہ بھی داغِ مفارقت دے جاتی ہے۔ اب شمن ایک ایسی دنیا میں پہنچ چکی ہوتی ہے جہاں اسے ہر طرف تاریکی نظر آتی ہے۔

ناول کے اختتام میں شمن ایک انگریز فوجی افسر رونی ٹیلر سے ملتی ہے۔ انگریزوں

سے شدید نفرت کے باوجود وہ اس سے شادی کرتی ہے۔افسوس کہ اس سے بھی نباہ نہیں ہوتا۔آخر کار روفی ٹیلر دل برداشتہ ہو کر محاذِ جنگ پر چلا جاتا ہے۔شمن ایک بار پھر تنہا اور بے سہارا ہو جاتی ہے۔تبھی اسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ماں بننے والی ہے۔ناول اس نوید پر ختم ہوتا ہے۔

''ٹیڑھی لکیر'' کا یہی قصہ ہے جس پر اس ناول کی بنیاد رکھی گئی ہے۔سوانحی انداز کے اس ناول میں ایک لڑکی کی زندگی کے نشیب وفراز کے واقعات کو خوبصورت پلاٹ میں ڈھالا گیا ہے۔ناول کے آغاز سے ہی قصہ سیدھے سادے انداز میں اپنے انجام کو پہنچتا ہے۔اس میں کسی قسم کی پیچیدگی اور الجھن کا احساس نہیں ہوتا۔عصمت نے اس ناول میں مروجہ فن وتکنیک سے کام لیا ہے۔انھوں نے کسی جدید تکنیک کو اپنانے سے گریز کیا ہے۔عصمت مروجہ تکنیک سے کما حقہ واقفیت رکھتی ہیں۔اور اسے کامیابی کے ساتھ برتنے کا ہنر بھی جانتی ہیں۔

''ٹیڑھی لکیر'' کے پلاٹ وقصے میں خوبیوں کے علاوہ چند خامیاں بھی ہیں۔ناول کے آخری حصّے میں بے ربطی کا احساس ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ناول کا انجام بکھرا بکھرا سا معلوم ہوتا ہے۔غور طلب ہے کہ روفی ٹیلر سے شادی کے بعد ناول میں ایک غیر فطری وغیر متوازن ٹھہراؤ کا احساس ہوتا ہے۔ناول کے اختتام میں وہ حرکت وعمل نہیں ملتا جو ناول کے آغاز میں نظر آتا ہے۔ایسا لگتا ہے کہ عصمت جلد از جلد کہانی کو ختم کر دینا چاہتی ہیں۔

اردو کے بعض ناقدین ادب نے بھی عصمت کی اس فنی کمزوری کی گرفت کی ہے۔
خلیل الرحمٰن اعظمی ناول ''ٹیڑھی لکیر'' کی اس فنی خامی کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''عصمت نے اس ناول کو جس غیر فطری انداز میں انجام تک پہنچایا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ جنس کی اس بھول بھلیوں سے ماہرانہ واقفیت رکھتی ہیں لیکن اس سے نکلنے کا راستہ انھیں معلوم نہیں۔''(۱)

مختصر یہ کہ پلاٹ کی اس فنی کمزوری اور خامی کے باوجود ''ٹیڑھی لکیر'' اردو ناول

نگاری کے میدان میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ دوسری اہم بات یہ کہ کرداروں کی اتنی لمبی تعداد کو ناول کے پلاٹ کے ساتھ ہم آہنگ کرنا کس قدر مشکل کام ہے۔ عصمت نے پلاٹ اور کرداروں کے درمیان توازن اور ہم آہنگی پیدا کرنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔

کردار

ناول پلاٹ وواقعات پر منحصر ہوتا ہے اور واقعات کردار کے ذریعہ ظہور میں آتے ہیں۔اس طرح واضح رہے کہ کردار نگاری کی اہمیت پلاٹ سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ناول میں انسان کی داخلی اور خارجی زندگی کے گونا گوں حالات ومسائل کو موضوع بحث بنایا جاتا ہے۔بہتر ہے کہ کردار جیتے جاگتے سماج سے اخذ کیے جائیں۔کیوں کہ ناول کے کردار جس قدر جاندار اور حقیقی ہوں گے ناول اتنا ہی دلکش اور کامیاب ہوگا۔

ناول کے کرداروں کو متعارف کرانے کے دو طریقے رائج ہیں۔پہلا ''تشریحی'' اور دوسرا ''ڈرامائی''۔پہلے طریقے میں ناول نگار کرداروں کے جذبات واحساسات اور خیالات وغیرہ بیان کرتا ہے اور خود ان پر رائے زنی بھی کرتا ہے۔دوسرا طریقہ یعنی ڈرامائی انداز میں کردار از خود اپنی بات چیت، اپنی حرکات وسکنات کے ذریعہ ہمارے سامنے آتے ہیں۔پہلے انداز میں کرداروں کے بجائے ناول نگار ہماری توجہ کا مرکز ہوتا ہے مگر ڈرامائی انداز میں ہماری توجہ ناول نگار کے بجائے کرداروں پر مرکوز ہوتی ہے اور ناول نگار فراموش ہو جاتا ہے۔آج کل ڈرامائی انداز زیادہ کامیاب اور موزوں خیال کیا جاتا ہے۔بہر حال ایک کامیاب اور اچھے ناول میں کم وبیش دونوں اندا ز کی شمولیت ملتی ہے۔

ناول میں کردار کئی طرح کے ہوتے ہیں۔کچھ چھوٹے کچھ بڑے، کچھ اچھے کچھ برے۔بالفاظ دیگر ناول کو ایک سماج یا معاشرہ کہا جا سکتا ہے جہاں ہر طرح کے لوگ رہتے ہیں۔کرداروں کے اپنے اعمال وحرکات اور انفرادیت کے پیش نظر انھیں مختلف خانوں میں تقسیم کرنے کی

روایت ملتی ہے۔انگریزی کے نقاد ای ایم فاسٹر (E.M.Forster) نے اپنی کتاب "Aspect of the Novel" میں کردار نگاری کے فن پر کارآمد گفتگو کی ہے۔ان کے مطابق ناول میں دو طرح کے کردار پائے جاتے ہیں۔ پہلا سادہ یا سپاٹ کردار (Flat Character) اور دوسرا مکمل یعنی پہلودار کردار (Round Character)۔سادہ یا سپاٹ کردار زندگی کے کسی ایک رخ کو پیش کرتے ہیں۔اس نوعیت کے کردار کسی خاص مقصد کے تحت تخلیق کیے جاتے ہیں۔جبکہ پہلودار کردار انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں سے علاقہ رکھتے ہیں۔حالات ومسائل کے اعتبار سے ان میں تغیر اور تبدل بھی ہوتا ہے۔

اہم مغربی نقاد مارٹین ٹرنل (Martin Ternell) نے کردار نگاری کی اہمیت وافادیت اور اس کے فنی لوازمات پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا ہے:

"A character is a verbal construction which has no existence outside the book. It is a vehicle for the novelist's sensibility and it's significance lies in its relations with the author's othe constructions. A novel is a essentially a verbal pattern in which the different characters are strands, and the reader's experience is the impact of the complete pattern on his sensibility."(2)

عصمت چغتائی کے اندر ایک اچھے ناول نگار کے کم وبیش تمام اوصاف پائے جاتے ہیں۔انھوں نے پلاٹ سازی کے علاوہ کردار نگاری کے فن میں بھی اپنے کمال کا مظاہرہ کیا ہے۔''ٹیڑھی لکیر'' میں چھوٹے بڑے کئی واقعات ملتے ہیں۔ان واقعات کو آگے بڑھانے کے لیے تقریباً پچاس کرداروں کا سہارا لیا گیا ہے۔ہر کردار اپنا ایک منفرد شناخت رکھتا ہے۔ یہ تمام کردار اپنے مخصوص حرکات وسکنات اور جذبات واحساسات کے باعث پہچانے جاتے ہیں۔عصمت نے ان کرداروں کے ذریعہ زندگی کے کئی اہم گوشوں کو بے نقاب کرنے کی سعی کی ہے۔کرداروں کی پیش کش میں زیادہ تر ڈرامائی انداز کو بروئے کار لایا گیا ہے۔''ٹیڑھی لکیر'' کے کردار انسانی سماج سے اخذ

کیے گئے ہیں۔ان میں سے چند کردار زندگی کے سرد و گرم کو پیش کرتے ہیں تو بعض خیالی دنیا میں بھی بھٹکتے ہیں۔ان کرداروں کے پسِ پردہ عصمت نے سماج کے تلخ حقائق کی بازیافت کی ہے۔ ناول کے کرداروں میں اچھائی بھی ہے برائی بھی۔ وہ نہ تو مکمل طور پر شیطان ہیں اور نہ ہی فرشتہ بلکہ انسانی زندگی کی بعض کڑوی سچائیوں کی ترجمانی کرتے ہیں۔ حالات وواقعات کے مطابق ان میں تبدیلی بھی رونما ہوتی ہے۔

عصمت چغتائی انسانی نفسیات سے اچھی طرح واقف ہیں۔ وہ زندگی کے نشیب وفراز،اس کی دھوپ چھاؤں سے بھی کما حقہ واقفیت رکھتی ہیں۔انھوں نے اپنے زمانے کے حالات ومسائل سے چشم پوشی نہیں کی بلکہ ان کا مقابلہ کیا۔ ناول کی ہیروئن شمن ایک ایسی لڑکی ہے جس نے زمانے کے حالات ومسائل سے لوہا لیا۔اس کے اندر عصمت کی زندگی کے حالات وکوائف کی عکاسی ملتی ہے۔اس بات کا اعتراف خود مصنفہ نے بھی کیا ہے۔سوانحی انداز کے اس ناول میں کردار نگاری کے جو اعلیٰ نمونے ملتے ہیں وہ اردو ناول کی تاریخ میں نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہیں۔عصمت فن کردار نگاری میں مہارت رکھتی ہیں۔انھوں نے اس ناول میں کرداروں کی ایک خاصی تعداد کو خوبی اور سلیقے سے برتا ہے۔اس کی مثال اردو ناول کی تاریخ میں خال خال ملتی ہے۔

ڈاکٹر یوسف سرمست نے اپنی کتاب ''بیسویں صدی میں اردو ناول'' میں ''ٹیڑھی لکیر'' کی کامیابی کا راز اس کی اچھوتی کردار نگاری میں تلاش کرتے ہوئے ایک جگہ لکھا ہے:

> ''ٹیڑھی لکیر کی بڑائی بہت حد تک اس بات پر ہی منحصر ہے کہ عصمت نے اس ناول میں پچاسوں کرداروں کو بہترین طریقے سے ابھارا ہے۔ان کرداروں کو پیش کرتے ہوئے اور ان کو ابھارتے ہوئے عصمت نے زندگی کے بے شمار حقیقی پہلوؤں کی عکاسی کی ہے جو اس ناول کی اہمیت میں زیادہ سے زیادہ اضافہ کرتی ہے۔''(3)

شمن ناول کی ہیروئن ہے۔اس کا تعلق سماج کے متوسط طبقے سے ہے۔شمن کے

کردار کو مستحکم بنانے کے لیے عصمت نے متعدد کرداروں کا سہارا لیا ہے۔ جس طرح انسان کی حقیقی زندگی میں ایک شخص کے تعلقات مختلف لوگوں سے ہوتے ہیں ٹھیک اسی طرح شمن کی زندگی میں بھی کئی افراد آتے ہیں۔ عصمت نے ان تمام کرداروں کو نہایت دیانت داری کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ''ٹیڑھی لکیر'' کو ہم کرداری ناول کا نام بھی دے سکتے ہیں۔ ناول کا سارا تانا بانا شمن کے گرد گردش کرتا ہے۔ عصمت نے شمن کی پیدائش سے لے کر آخری تمام مراحل کو خلاقانہ طور پر اپنے تجربات ومشاہدات کے سانچے میں ڈھالا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کسی خاص مقصد کے تحت عصمت نے اس کردار کو خلق کیا ہے۔ وہ اس کردار کے ذریعہ سماج کو آئینہ دکھلانا چاہتی ہیں۔ ایک پیغام دینا چاہتی ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ شمن کا کردار ایک ایسا سماجی آلہ ہے جس کے ذریعہ سماج کی معاشرتی، تہذیبی، سیاسی اور معاشی صورت حال کا صحیح اندازہ ہوتا ہے۔ شمن کی زندگی سے وابستہ چھوٹی سے چھوٹی بات، چھوٹے سے چھوٹے معاملات کو بھی فنی لوازمات کے ساتھ پیش کرنا اس بات کی ٹھوس دلیل ہے کہ اس کردار کے آئینے میں وہ اپنی شخصیت اور اپنے حالات زندگی کو نمایاں کرنے کی خواہش مند ہیں۔ علاوہ ازیں شمن کی نفسیاتی اور ذہنی کج روی کو اجاگر کرنا کسی خاص نقطۂ نظر کی غمازی کرتا ہے۔

عصمت نے شمن کو ضدی، بے باک اور ایک باغی لڑکی کے طور پر پیش کیا ہے۔ اس کی پیدائش ایک خاص ماحول میں ہوتی ہے جہاں بچوں کا جمِ غفیر موجود ہے۔ اسے اپنے ماں باپ کی محبت اور ان کا پیار نہیں ملا۔ اس کی پرورش و پرداخت گھر کے نوکرانیوں کے ذریعہ ہوتی ہے۔ اس محرومی اور عدم توجہ کے گہرے نقوش اس کے ذہن پر ثبت ہوتے ہیں۔ شمن اس طرح کی کسی بھی ناانصافی اور بے اعتنائی کو برداشت نہیں کرتی۔ وہ زندگی کے ہر موڑ پر سماج وزمانے کی چیرہ دستیوں سے ٹکراتی ہے اور اس کے خلاف عملی طور پر صدائے احتجاج بھی بلند کرتی ہے۔ وہ ایک انصاف پسند اور خود دار لڑکی ہے۔ اس کے اندر غضب کی خود اعتمادی ہے۔ وہ زمانے کے ظلم وستم کے آگے ہتھیار نہیں ڈالتی بلکہ ڈٹ کر مقابلہ کرتی ہے۔ اس کی زندگی میں پریشانیاں آتی رہیں مگر اس نے زندگی سے کبھی ناطہ نہیں توڑا۔ وہ زندگی کے تئیں ایک واضح نظریہ رکھتی ہے۔ ایک فلسفہ رکھتی ہے۔ شمن کی

انصاف پسندی، خودداری اور خوداعتمادی کی مثالیں ناول میں ہر جگہ موجود ہیں۔

عصمت کی کردار نگاری کا ایک خاص وصف یہ ہے کہ ان کے کردار حالات وواقعات کے اعتبار سے بدلتے ہیں۔ان میں ایک فطری پن موجود ہے۔''ٹیڑھی لکیر'' کے کردار مصنفہ کے ہاتھ کے کٹھ پتلی نہیں لگتے بلکہ ان میں زندگی کی رمق باقی ہے۔ پیار ومحبت اور شفقت انسان کا پیدائشی حق ہے۔شمن اپنے اسی حق کی حصولیابی کی خاطر ناول میں ہر جگہ دوڑتی، پھرتی ہوئی نظر آتی ہے۔چاہے گھر کے معاملات ہوں یا باہر کے مسائل، وہ ہر جگہ انصاف چاہتی ہے۔انصاف پسندی کی اسی انتہا پسندی نے اسے نفسیاتی کرب واضطراب میں مبتلا کر دیا۔عصمت نے شمن کی شخصیت کو مشاقی وخوش اسلوبی کے ساتھ پیش کیا ہے۔اس سے ان کے ذاتی مشاہدات وتجربات کا پتہ چلتا ہے۔عصمت نے زندگی کی رنگا رنگی کو قریب سے دیکھا اور سمجھا تھا۔اپنے اسی تجربات ومشاہدات کی روشنی میں انھوں نے شمن کے کردار کو نکھارا اور سنوارا ہے۔''ٹیڑھی لکیر'' ایک نفسیاتی ناول ہے۔اس میں سماج وفرد کے درمیان پائی جانے والی کشمکش کو نفسیاتی تجزیے کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

''ٹیڑھی لکیر'' کرداری ناول ہے۔اس میں مصنفہ نے اپنی ساری توجہ شمن پر صرف کی ہے۔ ناول کے دوسرے کردار یعنی اس کے والدین، بھائی بہن، انا، استانیاں، اسکول کی لڑکیاں، کالج کے دوست واحباب، اس کی عزیز سہیلیاں سبھی اس کی فطرت کے کسی نہ کسی پہلو کو ابھارتے ہیں۔ دراصل یہ سارے کردار شمن کی شخصیت کی تکمیل کے واسطے پیدا کیے گئے ہیں۔ بقول وقار عظیم:

> ''ٹیڑھی لکیر' زندگی سے زیادہ کردار کا ناول ہے۔ایک خاص کردار اپنی پیدائش سے لے کر جوانی تک کچھ خاص حالات سے گزرتا رہتا ہے اور زندگی کی مختلف منزلوں میں پیش آنے والے یہ چھوٹے بڑے واقعات اس کی سیرت کی تشکیل کرتے ہیں۔عصمت چغتائی نے اپنے ناول کی بنیاد اسی نفسیاتی حقیقت پر رکھی ہے اور اس کے علاوہ تحت الشعور کے عمل کو

انسانی زندگی اوراس کے افعال سے جو گہرا تعلق ہے۔مختلف قسم کے ماحول سے انسانی ذہن میں جونفسیاتی گتھیاں پڑ کراس کے قدم قدم پر اثر انداز ہوتی ہیں۔عصمت نے اپنے ناول میں برابران نفسیاتی نکات کو ذہن میں رکھا ہے۔''(4)

مندرجہ بالا اقتباس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ''ٹیڑھی لکیر'' کن حالات اور کس پس منظر میں لکھا گیا ہے۔انسان کا ذہن شعور،تحت الشعور اور لاشعور کی پیچیدگیوں سے عبارت ہے۔ شمن مختلف متضاد کیفیات سے دوچار ہے۔اس کا ذہن پر پیچ گتھیوں میں الجھتا ہے اور تا آخر سلجھنے کا نام نہیں لیتا۔

شمن کے علاوہ ناول کے کچھ دوسرے کردار بھی قابل ذکر ہیں۔منجھو شمن کی بڑی بہن ہے۔انّا کے چلے جانے کے بعد اس نے ہی شمن کی دیکھ بھال کی ذمہ داری سنبھالی۔منجھو کا کردار کئی معنوں میں اہم ہے۔ایک تو یہ کہ اس نے شمن کو جذباتی سہارا دیا۔دوسرا یہ کہ منجھو آپا نے شمن کو پڑھایا لکھایا،نہلایا اور کپڑے بھی سل کر پہنایا،غرض یہ کہ وہ شمن کا ہر طرح سے خیال رکھتی ہے۔شمن کے چھوٹے چھوٹے معصوم ہاتھ اس کی گردن اور سینے پر بھٹکتے رہتے پھر بھی وہ قطعاً برا نہ مانتی۔منجھو فطرتاً ضدی اور غصیل تھی۔بعض اوقات وہ شمن سے مار پیٹ بھی کرتی۔اقتباس ملاحظہ ہو:

''جب منجھو نے قاعدے کی صورت دیکھی تو تمام گزشتہ گھونسوں سے زیادہ وزنی گھونسہ جمایا۔ اس کے بعد تھپڑ اور چانٹے۔وہ دیر تک بیٹھی بے آنسوؤں کی سوکھی سوکھی سسکیاں بھرتی رہی۔''(5)

منجھو خود ماں نہ تھی لہٰذا وہ ماں کی ممتا دینے سے قاصر رہی۔منجھو تربیت کے معاملے میں بھی ناتجربہ کار تھی۔اسے بچوں کی تربیت کے فرائض کا اندازہ نہ تھا۔جب منجھو نے اسے الف سے انار کہنے کو کہا تو یہ بات اس کی سمجھ سے باہر تھی۔وہ کہتی ہے کہ انار تو آتش بازی سے چھوٹتا ہے۔ص ض کو اس نے چائے دانیاں بتایا۔اس سے شمن کی ذہنیت اور ذہانت کا اندازہ ہوتا ہے۔مختصر

یہ کہ منجھو کا کردار بڑا دلچسپ اور اہم ہے۔ شمن کے کردار کی تکمیل کے لیے منجھو آپا کا کردار لازمی قرار پاتا ہے۔

اسکول میں داخل ہونے کے بعد اس کا سابقہ مس چرن نامی ایک استانی سے پڑتا ہے۔ وہ شمن سے ہم عمر دوست کی طرح پیش آتی ہے۔ منجھو کے بعد مس چرن پہلی عورت تھی جس نے اسے متاثر کیا۔ شمن مس چرن سے اس قدر متاثر ہوتی ہے کہ ہر وقت اس کے ذہن میں مس چرن کا خیال رہتا ہے۔ مس چرن کا کردار نہایت مضحکہ خیز ہے۔ وہ بیک وقت کئی لوگوں سے عشق لڑاتی ہے۔ اپنے اسی بداخلاقی کے سبب وہ اسکول سے نکالی جاتی ہے۔ مس چرن نے ہی شمن کو ہم جنسیت کی لت سے آشنا کیا۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

''ایک رات کو اس نے اپنے آپ کو برآمدے میں مس چرن کے کمرے کے آگے کچھ ٹٹولتے ہوئے پایا۔ وہ ایک دم ڈر گئی، وہ کیسے اتنی دور تک سوتی ہوئی چلی آئی۔ جلدی جلدی کمرے میں آکر بچھونے میں دبک گئی۔ یہ کیا ہو گیا تھا اسے؟ وہ تھی یا اس کا بھوت جو راتوں کو اسے گھسیٹتے پھرتا تھا۔'' (6)

شمن مس چرن کی یادوں میں اس قدر کھوئی رہتی ہے کہ ہر وقت اس کی زبان پر بس اس کا ہی نام رہتا ہے۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

''اس کی زبان پر ہر وقت مس چرن کا نام رہنے لگا۔ لڑکیوں نے اسے چھیڑنے کی کوشش کی۔ جس سے بجائے کم ہونے کے ان کا خیال ایک رومانی چیز بن کر اس کے دماغ پر چھانے لگا۔ مس چرن کو دیکھ کر آپ ہی آپ اس کا دل ان کی طرف کھنچنے لگتا۔'' (7)

ایلما، رسول فاطمہ، نجمہ اور بلقیس شمن کی سہیلیاں ہیں۔ ایلما اس کی جگری اور قریبی دوست ہے۔ ایلما شمن کی شخصیت کی تشکیل میں ایک منفرد رول ادا کرتی ہے۔ وہ ایک خوبصورت، ذہین اور تعلیم یافتہ لڑکی ہے۔ سماج کے قید و بند سے دور وہ ایک آزادانہ زندگی گزارتی ہے۔ زمانہ

طالب علمی میں اس نے کئی لڑکوں مثلاً افتخار اور سیتل وغیرہ سے آشنائی کی۔ وہ سیتل کے بچے کی ماں بننے کے باوجود اس سے شادی کرنے سے انکار کرتی ہے۔ نجمہ، رسول فاطمہ اور بلقیس وغیرہ ہاسٹل میں شمن کے ساتھ رہتی ہیں۔ رسول فاطمہ شمن پر مرتی ہے تو شمن نجمہ پر جان چھڑکتی ہے۔ رسول فاطمہ ایک غریب اور بیوقوف قسم کی لڑکی ہے۔ جبکہ نجمہ نرم و نازک اور حسین لڑکی ہے۔ بلقیس بھی شمن کی سہیلی اور روم میٹ بنتی ہے۔ اس نے شمن کو بتایا کہ لڑکیوں کو لڑکوں پر مرنا چاہیے۔ وہ اس کی دوستی اپنے بھائی رشید سے کرواتی ہے۔ بلقیس بھی بیک وقت کئی لڑکوں سے عشق لڑاتی ہے۔ شمن اور اس کے اسکول کی تمام سہیلیاں ہم جنسیت کی بیماری میں مبتلا ہیں۔ شمن کے ان دوستوں نے اسے بھی اس سماجی وبا کی لذت سے آشنا کر دیا۔ مذکورہ بالا نسوانی کرداروں نے ناول کے مرکزی کردار کی ذہنی تشکیل اور اس کی شخصیت کے کئی اہم گوشوں کو روشن کرنے میں ایک خاص کردار ادا کیا ہے۔ اقتباس پیش خدمت ہے:

> ''بلقیس اور شمن کی دوستی ایسی بڑھی کہ دن رات ساتھ رہتیں ساتھ اٹھتی بیٹھتیں اور ساتھ ہی پڑھتیں۔ بلقیس اسے بہت پسند تھیں۔ سعادت سے بھی زیادہ پتہ نہیں نجمہ سے کم یا زیادہ! نجمہ اور چیز تھی۔ دہکتی ہوئی شراب اور بلقیس صاف نتھرا ہوا میٹھا پانی۔'' (8)

ناول میں روفی ٹیلر کا کردار بھی اہم ہے۔ وہ ایک فوجی اور آئرش نوجوان ہے۔ عصمت نے اس کردار کو ایک خاص مقصد کے تحت خلق کیا ہے۔ وہ ہندوستانی تہذیب و معاشرت سے محبت کرتا ہے۔ ہر جگہ سے مایوس اور ناامید ہونے کے بعد شمن روفی ٹیلر سے شادی کرتی ہے۔ یہ کردار شمن کی شخصیت اور اس کے کردار کے آخری مرحلے کو استحکام بخشتا ہے۔ روفی ٹیلر کے چلے جانے کے بعد شمن اکیلی اور تنہا رہ جاتی ہے۔ آخر کار شمن کے پیٹ میں پل رہے اس کے بچے نے اسے احساسِ تنہائی کے گڈھے سے باہر نکالا۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''اس وقت اسے ایسا معلوم ہوا جیسے اس کی ساری دنیا سمٹ کر خود اس کی ہستی میں سما گئی۔

آج اس بے کسی کی تنہائی میں بھی کتنی چہل پہل تھی۔ اس بے سروسامانی میں بھی کتنی سلجھی ہوئی سجاوٹ تھی! آج وہ کتنی متحیر مگر خوش تھی!''(9)

ناول کے کچھ دوسرے اہم کرداروں میں رائے صاحب، افتخار اور اعجاز عرف اجّو وغیرہ کے نام ناقابل فراموش ہیں۔ رائے صاحب شمن کی سہیلی وہم جماعت پریما کے والد ہیں۔ ان کی شخصیت نہایت پرکشش اور پروقار ہے۔ شمن ان سے بے اختیار متاثر ہوتی ہے۔ وہ رقص وسرود اور فنِ مصوری میں ماہر ہیں۔ شمن رائے صاحب سے اظہار محبت کرتی ہے۔ ان کی صحبت میں رہ کر اسے سکون قلب ملتا ہے۔ شمن رائے صاحب سے اپنی شدید محبت کا اظہار کرتے ہوئے نہایت جذبات بھرے لہجے میں کہتی ہے:

''نہیں.... نہیں رائے صاحب، میں مرجاؤں گی۔ رائے صاحب مجھے، رائے صاحب دور نہ کیجئے۔'' رائے صاحب ایسے جھجھکے جیسے کسی نے ان کے ماتھے پر پتھر ماردیا۔
''رائے صاحب..... میں اپنا دھرم بھی بدل دوں گی۔'' اس نے اور قریب ہوکر کہا، رائے صاحب چاروں طرف گھبراتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگے۔''(10)

رائے صاحب کا کردار ناول کو رنگینی اور جاذبیت عطا کرتا ہے۔ رائے صاحب کے تعلق سے شمن کی جو تصویر ابھر کر آتی ہے وہ ایک ناپختہ، ناتجربہ کار اور لاابالی لڑکی کی ہے۔ ان کے کردار نے شمن کے جذبات، اور اس کی شخصیت کے ایک خاص پہلو کو نمایاں کیا ہے۔

''ٹیڑھی لکیر'' سوانحی انداز کا ناول ہے۔ اس میں پلاٹ سے زیادہ کردار نگاری پر زور دیا گیا ہے۔ جیسا کہ بعض ناقدینِ ادب کا خیال ہے کہ'' ٹیڑھی لکیر'' ایک کرداری ناول ہے۔ عصمت نے شمن کے ذریعہ سماج کی فرسودہ خیالی، دقیانوسیت، توہم پرستی، قدامت پسندی، ستم ظریفی وغیرہ کو بے نقاب کرنے کی سعی کی ہے۔ ناول کے تمام کردار اپنا ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔ ان میں سے چند بے حد دلچسپ اور پرکشش ہیں۔ ناول میں بعض جگہوں پر ڈرامائی انداز بھی پیدا

ہو گیا ہے۔

عصمت چغتائی نے اس ناول میں کردار نگاری کے فنی لوازمات کو برتنے کی کوشش کی ہے۔''ٹیڑھی لکیر'' کی کردار نگاری میں خوبیوں کے علاوہ چند خامیاں بھی نظر آتی ہیں۔ناول میں بعض جگہوں پر غیر فطری پن کا احساس ہوتا ہے۔ایسا لگتا ہے کہ شدید مقصدیت کے باعث ان کا فن مجروح ہوا ہے۔مثلاً شمن رائے صاحب کے نوجوان بیٹے نریندر کی محبت کو ٹھکرا کر ضعیف العمر رائے صاحب سے اظہارِ عشق کرتی ہے۔ یہ حادثہ ہی ان کے لیے جان لیوا ثابت ہوتا ہے۔اعجاز عرف اجّو شمن کا خالہ زاد بھائی ہے۔عصمت نے اسے بدصورت، ندیدہ، غلیظ، بدتمیز، جنگلی، وحشی، لالچی کے طور پر پیش کیا ہے۔لیکن وہی اعجاز انگلینڈ سے انجینئر بن کر جب واپس آتا ہے تو وہ خوبصورت نوجوان تھا۔اس کے بال سیاہ اور چمکیلے تھے۔اچھی گفتگو کرتا تھا۔کپڑے سلیقے سے پہنتا تھا۔سوال اس بات کا ہے کہ ایک لڑکا جوان ہو کر اپنا ندیدہ پن دور کرسکتا ہے، گندگی کو چھوڑ کر صفائی کو اپنا سکتا ہے۔لیکن بدصورت اور بدشکل لڑکا خوبصورت کیسے ہو جائے گا۔اس کے ملگجے بال سیاہ اور چمکیلے کیسے ہو جائیں گے۔اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''جب لوگوں نے اسے دیکھا تو اللہ کی شان یاد آنے لگی۔وہی سوکھا مارا بدوضع جانور ایک وجیہ نوجوان بن چکا تھا۔اس کا گھٹا ہوا سر چمکیلے بالوں سے آراستہ تھا۔قیمتی سوٹ کیس میں رکھے ہوئے کپڑوں کی تہیں بھی متاثر کیے بغیر نہ رہ سکیں۔''(11)

ناول میں ہم جنسیت کو نمایاں طور پر پیش کیا گیا ہے۔استانیاں، لڑکیاں سبھی اس نفسیاتی مرض میں مبتلا ہیں۔سوال یہ ہے کہ اس نوعیت کی معاشرتی برائی اگر اتنی عام تھی تو لڑکیوں کے والدین اتنے بے خبر کیوں تھے۔عصمت نے یہاں مبالغہ آرائی سے حد درجہ کام لیا ہے۔آخری قابلِ اعتراض بات یہ ہوسکتی ہے کہ شمن جس گھرانے میں پیدا ہوئی وہاں بچوں کی ایک کثیر تعداد موجود ہے۔شمن اپنے والدین کی سب سے آخری اولاد ہے۔وہ اپنے ماں باپ کی بے توجہی کا شکار ہوتی

ہے۔ عام طور پر ایسے ماحول میں بچے کچھ نہ کچھ بے توجہی کے شکار ہوتے ہیں۔ لیکن عصمت جتنی خطرناک تصویر پیش کرنا چاہتی ہیں، کہانی کے سیاق میں اتنی بھیانک تصویر نہیں ابھرتی ہے۔

ناول کے مطالعے کے بعد اس کے چند کردار ذہن پر چھا جاتے ہیں۔ ''ٹیڑھی لکیر'' کے پلاٹ اور قصے سے زیادہ اس کے کردار غیر شعوری طور پر متاثر کرتے ہیں۔ ناول میں کچھ کردار مضحکہ خیز اور غیر دلچسپ بھی ہیں۔ ناول کے غیر اہم اور بے اثر کرداروں کے برعکس بعض ایسے کردار بھی ہیں جو ایک مستقل احتجاج کی حیثیت رکھتے ہیں۔ شمن ان میں سے ایک ہے۔ پیدائش کے بعد شمن جس تیزی سے تغیر پذیر ہوتی ہے، حالات و مسائل جس طرح اسے متاثر کرتے ہیں، وہ واقعی سوچنے پر مجبور کرتا ہے۔ اس کے اندر بغاوت، مزاحمت اور احتجاج کا جو شعلہ بھڑکتا ہے، وہ ایک للکار کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ عصمت نے اس ناول کا انتساب ان یتیم بچوں کے نام کیا ہے جن کے والد بقید حیات ہیں۔ شمن اس طبقے کی نمائندہ کردار ہے۔ ناول کے پیش لفظ میں عصمت نے شمن کی کہانی کو ان ہزاروں لڑکیوں کی کہانی بتایا ہے جو سماج و معاشرے کی روایت پرستی، رجعت پسندی، توہم پرستی اور تنگ نظری کی زد میں ہیں۔ مختصر یہ کہ ''ٹیڑھی لکیر'' مذکورہ بالا فنی خامیوں اور کمزوریوں کے باوجود ایک منفرد مقام رکھتا ہے

مکالمے

مکالمہ ناول کا ایک اہم حصہ ہے۔اس کی اہمیت کو عام طور پر سبھی نے تسلیم کیا ہے۔مکالمے کے ذریعہ ناول نگار ناول کے قصے میں دلچسپی کے عناصر پیدا کرتا ہے۔اس کی مدد سے کرداروں کے جذبات واحساسات اور ان کے افکار وخیالات کو ظاہر کیا جاتا ہے۔علاوہ ازیں مکالمے کے توسط سے کرداروں کی سیرت وشخصیت پر بھی روشنی پڑتی ہے۔یہ پلاٹ وقصے کے ارتقاء میں بھی مدد کرتا ہے۔دراصل مکالمہ ایک ایسا آلہ ہے جس کے سہارے ناول نگار اپنے نظریات وافکار کو قاری تک پہنچاتا ہے۔

عمدہ مکالمہ نگاری کے لیے فنی مہارت درکار ہے۔ ناول میں مکالمے فطری، برجستہ، برمحل، موزوں، دلکش اور موثر ہونے چاہیے۔ناول نگار کو اس بات کا خاص خیال رکھنا چاہیے کہ کرداروں کے مکالمے ان کی فطرت اور مزاج سے مطابقت رکھیں۔اس سے مکالمے میں حقیقت کا رنگ اور ایک خاص قسم کی جمالیاتی خوبی اور دلکشی پیدا ہوتی ہے۔مکالمے کی کامیابی اور دلکشی کا راز بڑی حد تک اس میں مستعمل زبان میں پوشیدہ ہوتا ہے۔لہٰذا ضروری ہے کہ اس میں جو زبان استعمال کی جائے وہ کرداروں کی عادت ومزاج اور اس کی ذاتی فطرت کے مطابق ہو۔

عصمت چغتائی کو مکالمہ نگاری کے فن میں مہارت حاصل ہے۔وہ سماج کے متوسط طبقے کی بول چال اور طرز گفتگو سے بخوبی واقف ہیں۔''ٹیڑھی لکیر'' میں ان کا یہ فن پورے عروج پر ہے۔وہ بچے، جوان، بوڑھے، طالب علم، استانیاں، پروفیسر وغیرہ کی ذہنی ونفسیاتی فکر واحساس کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔وہ یہ جانتی ہیں کہ انسان پر کس وقت کس طرح کی کیفیت طاری ہوتی

ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے مکالمے نہایت پرتاثیر اور دلکش ہوتے ہیں۔ وہ وقت اور حالات کی نزاکت کو بخوبی سمجھتی ہیں۔ ان کی یہ بصیرت مذکورہ ناول کے کرداروں کی زبان سے نکلنے والے مکالموں میں جھلکتی ہے۔

''ٹیڑھی لکیر'' کے کرداروں کی زبان سے ادا ہونے والے مکالموں میں دلکشی اور بیساختگی ہے۔ ان کے یہاں طنز کی نشتریت بھی ملتی ہے۔ ناقدین ادب اور ان کے بعض ہمعصروں نے بھی ان کے مکالموں کی چستی، برجستگی اور دلکشی کی تعریف کی ہے۔ انھوں نے اپنے اس فن کا جادو فلموں میں بھی چلایا ہے۔ عصمت نے کئی فلموں کے لیے مکالمے لکھے۔ ان کے یہاں مکالمہ نگاری کا ایک خاص وصف ملتا ہے۔ ان کی یہی خوبی انھیں دوسرے فن کاروں سے الگ کرتی ہے۔ ان کا یہ جوہر ان کے افسانوں میں بھی نمایاں ہے۔ عصمت چغتائی نے مکالموں کے ذریعہ ناول میں ڈرامائی شان پیدا کرنے کی سعی کی ہے۔ ''ٹیڑھی لکیر'' کے پلاٹ و مکالموں میں بے ربطی کا احساس نہیں ہوتا بلکہ اس میں ایک تسلسل نظر آتا ہے۔

عصمت چغتائی نے کرداروں کی پیش کش میں زیادہ تر ڈرامائی انداز کا سہارا لیا ہے۔ ان کے بیشتر کردار اپنی گفتگو کے ذریعہ ہی ہمارے سامنے آتے ہیں۔ ایسے میں ان کا یہ فن اور بھی نکھر جاتا ہے۔ ''ٹیڑھی لکیر'' کے کردار اپنی بات چیت اور اپنے افکار و خیالات کے سبب ہمیں متاثر کرتے ہیں۔ ان کی زبان سے ادا ہونے والے فقرے و جملے نہایت فکر انگیز اور معنی خیز ہوتے ہیں۔ بعض اوقات ان میں مزاحیہ رنگ بھی جھلکتا ہے۔ عصمت نے اپنے مزاحیہ و طنزیہ انداز بیان سے بھی مکالموں میں رنگ آمیزی کی ہے۔ علاوہ ازیں ان کے یہاں ایسے مکالمے بھی ہیں جن میں فلسفیانہ انداز جھلکتا ہے۔ چند مکالمے ملاحظہ ہوں:

''آخر تمہیں محبت کس سے ہے؟''

''محبت جو سچ پوچھو تو مجھے عباس سے ہے، بچپن سے ہم ایک دوسرے کو جانتے ہیں اور پھر ہمارے خیالات بھی ایک جیسے ہیں۔''

''چہ..... جھوٹی! پہلے کہتی تھی میں انصار پر مرتی ہوں، بڑا قوم پرست ہے، یہ ہے، وہ ہے،''
شمن نے چڑ کر کہا۔

''ہے تو قوم پرست مگر بہن سچ بتاؤ گزر کیسے ہوسکتی ہے اس کی؟ بھئی بات یہ ہے کہ چاہے کچھ بھی ہو مجھے سوسائٹی پسند ہے۔''

''بلقیس حد سے زیادہ مکار ہو تم، محبت میں تو انسان ان باتوں کو سوچتا بھی نہیں۔''

''مگر اصل میں تو مجھے اختر ہی سے زیادہ محبت ہے۔''

''ہنہ اختر سے یا اس کی نئی موٹر سے۔''

''چہ، بھئی تم تو ہو بیوقوف، موٹر اس کی خاک پسند نہیں، خدا قسم موسیٰ کی موٹر دیکھو تو بس مر جاؤ۔''

''تو پھر محبت؟''

''محبت تو غریبوں ہی سے زیادہ ہوتی ہے مگر۔۔۔''

''مگر؟''

''مگر شادی تو امیر ہی سے کرنا پڑتی ہے۔۔۔۔ کیوں ہے نا بھئی؟''

''کیوں؟ یہ تو بالکل رنڈیوں جیسی بات ہوئی۔''

''ہشت، رنڈیوں جیسی کیوں ہوئی، اور اگر ہے بھی تو کیا ہوا، شمن ایک ہی تو بات ہے۔''

''کیا؟''

ہاں بھئی، دیکھو۔۔۔ آپ جیسے۔۔۔۔ انہہ بھئی مجھے نہیں معلوم تم تو بحث کرتی ہو، چہ توبہ ہم کیا باتیں کرنے لگے۔۔۔ شمن میں نے کل نماز پڑھی تھی۔''(12)

مذکورہ بالا اقتباس چند کرداروں کے درمیان ہوئی گفتگو کو پیش کرتا ہے۔ ان مکالموں کے مطالعے سے عصمت چغتائی کی زبان کی برجستگی اور بے ساختگی از خود ظاہر ہو جاتی ہے۔ مذکورہ بالا مکالموں میں فطری پن کے ساتھ ساتھ طنز و مزاح کا رنگ بھی جھلکتا ہے۔ ان میں بے باکی اور مزاحمتی رویے بھی نظر آتے ہیں۔ ان مکالموں میں ایک خاص رچاؤ ہے، ایک منفرد قسم کا انداز

ہے۔ان کے یہاں سطحی جذباتیت کے علاوہ شائستگی بھی ملتی ہے۔انھوں نے اپنے مکالموں میں چند ایسے الفاظ کا استعمال بھی کیا ہے جو آج معیوب سمجھے جاتے ہیں۔عصمت ایک روایت شکن ادیب کی حیثیت سے جانی جاتی ہیں۔ان کی یہ روایت شکنی موضوع کے ساتھ ساتھ زبان و بیان کی سطح پر بھی دکھائی دیتی ہے۔زبان و بیان بالخصوص مکالموں میں عصمت کی فنی چابکدستی دیکھنے کو ملتی ہے۔ عصمت نے اپنے اس ناول کے نوجوان کرداروں کی زبان سے ایسے جملے ادا کروائے ہیں،جن سے نوجوان طبقے کی ذہنی وفکری روش خوب میل کھاتی ہے۔بطور نمونہ پیش کیے گئے مکالموں میں جھوٹی وسطحی جذباتیت کے علاوہ زندگی کا فلسفہ بھی ملتا ہے۔مثلاً محبت تو غریبوں ہی سے زیادہ ہوتی ہے۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ ان کے کردار زندگی کی صحت مند قدروں سے بھی آشنا ہیں۔پورے ناول میں اس قبیل کی مثالیں ملتی ہیں۔

ناول کے آخری حصے میں مرکزی کردار شمن اور آئرش نوجوان روفی ٹیلر کے درمیان شدید نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔دونوں آپس میں لڑتے جھگڑتے ہیں اور ایک دوسرے کو برا بھلا کہتے ہیں۔ان دونوں کے درمیان ہوئی نوک جھونک کے چند مکالمے پیش خدمت ہیں:

''ہم نے سخت غلطی کی۔''ٹیلر بجھی ہوئی آواز میں بولا۔

''حد سے زیادہ بڑی حماقت۔''

''کیسے بھگتی جائے گی یہ دوزخ۔''

''کیا ضرورت ہے کہ بھگتی ہی جائے۔اگر زہر کھالیا جائے تو قصہ کیوں نہ کر دی جائے۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا؟''

''مطلب یہ کہ دو زندگیوں کو قبر میں جھونکنے سے بہتر ہے تو اپنا منہ ادھر کر لو ہم اپنا ادھر کر لیں۔''

''کسی ہندوستانی سے کہتیں تو مزہ چکھا دیتا اس وقت ٹیلر نے دانت پیس کر کہا۔

''شاید۔''

''اور پھر تمہیں اعتراض بھی نہ ہوتا۔''

''شاید''

''کس قدر رنیچ ہو تم۔''اس کے منہ میں جھاگ آ گئی۔ذبح کر ڈالنا چاہئے اس قسم کی حیوانی عورتوں کو۔اف۔۔۔۔۔مجھے تم سے کتنی نفرت ہے۔

''ہنہ،اور جیسے میں تمہارے عشق میں دیوانی ہو رہی ہوں۔''

''تم۔۔۔تم بیسوا سے بھی بدتر کسی خبیث طبقے سے ہو۔۔۔کاش ایک بار کوئی تمہارا گلا گھونٹ کر مجھے آزاد کر دے۔''

''اور تمہیں کیوں نہ مسل ڈالے جونک بن کر سارے ملک کا خون چوس رہے ہو۔ذرا اپنی ماں بہنوں کو تو دیکھو۔۔۔ہنہ۔۔۔بدمعاش زمانے بھر کی۔''

''چپ کمبخت۔۔۔گلاب کے پھولوں کو چھوڑ کر میں نے تھوہرے سے ناطہ جوڑا۔۔۔''

''اور تم بڑے حسن کے پتلے ہو۔۔۔کوڑھ جیسی رنگت،سڑے ہوئے دانت،بندر کہیں کے۔''(13)

ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے مکالموں میں دلچسپی کے تمام عناصر موجود ہیں۔ان میں ذرا بھی تصنع یا غیر فطری پن کا احساس نہیں ہوتا۔مکالمے نہایت پر لطف اور برجستہ ہیں۔موقع و محل کے اعتبار سے ان میں طنز کے نشتر بھی ملتے ہیں۔آخری جملے میں طنز و نفرت کا شدید احساس ملتا ہے۔زیر بحث ناول میں مستعمل مکالمے کا ایک خاص وصف یہ ہے کہ ان میں بے جا طوالت نہیں ملتی ہے۔بلکہ مکالمے مختصر،چست اور برجستہ ہیں۔عصمت نے بعض اوقات رمز و ایما سے بھی کام لیا ہے۔وہ اشاروں میں بات کہنے کا ہنر اچھی طرح جانتی ہیں۔ان کے کرداروں کی زبان سے فکر انگیز جملے بھی نکلتے ہیں جن سے کرداروں کی ذہانت کا پتہ چلتا ہے۔اقتباس ملاحظہ ہو:

''لوگ تو عورتوں کی ہی زندگی دوبھر کر دیتے ہیں۔''

''مردوں کی نہیں کرتے؟''

''مرد پرواہ جو نہیں کرتے!''

''تو عورتوں سے کون کہتا ہے کہ وہ پرواہ کریں،کہہ دیجئے سماج۔''

اور کیا؟''

''اور یہ سماج بنایا کس نے؟ خود انڈا پھوڑ کر بچہ نکل آیا؟''

''نہیں تو!''

''جب ہم نے یہ سماج بنایا ہے تو ہم یہ توڑ سکتے ہیں۔''

''مگر اور بھی مصیبتیں ہیں جو صرف عورتوں کو بھگتنا پڑتی ہیں۔'' شمن نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

''یعنی بچہ وغیرہ؟''

''جی ہاں۔''(14)

عصمت کو خصوصاً عورتوں کی زبان و بیان پر قدرت حاصل ہے۔ اس کی اچھی مثال ''ٹیڑھی لکیر'' میں ملتی ہے۔ ناول میں عورتوں کے مکالمے کرداروں کی سوچ اور ان کے افکار و خیالات کے حسب حال ہیں۔ کسی کی زبان میں عریانیت اور فحش کلامی ملتی ہے تو کوئی سنجیدہ گفتگو کرتے ہوئے نظر آتا ہے۔ مندرجہ بالا اقتباس میں بے حد فکر انگیز گفتگو کی گئی ہے۔ شمن اپنے دوستوں کے ہمراہ موقع و محل کے اعتبار سے بات چیت کرتی ہے۔ چوں کہ شمن نہایت ارتقاء پذیر کردار ہے لہٰذا اس کے افکار و خیالات بدلتے رہتے ہیں، اس کی بات چیت کا انداز بھی ارتقائی شکل اختیار کرتا ہے۔ مختصر یہ کہ عصمت کی فنی بصیرت کرداروں کی زبان سے ادا ہونے والے مکالموں سے عیاں ہوتی ہے۔

اسلوب اور زبان و بیان

اردو کے افسانوی ادب میں چند فکشن نگار ایسے ہیں جو اپنی زبان و بیان اور اسلوب کے سبب منفرد شناخت رکھتے ہیں۔عصمت چغتائی ان میں سے ایک ہیں۔عصمت چغتائی سماج کے متوسط طبقے سے تعلق رکھتی ہیں۔انھیں اس مخصوص طبقے بالخصوص عورتوں کی بول چال کی زبان پر قدرت حاصل ہے۔وہ اپنی زبان و بیان اور منفرد اسلوب کے سبب پہچانی جاتی ہیں۔ہم جانتے ہیں کہ اسلوب، طرز ادا اور زبان و بیان کی خوبیاں ناول کے حسن میں اضافہ کرتی ہیں۔لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ بڑے ناول نگاروں نے اپنی زبان کی خوبیوں کی جانب زیادہ توجہ نہیں کی ہے۔ان کا خیال ہے کہ ادبی ناول کے لیے عمدہ زبان کا ہونا اتنا ضروری نہیں ہے، ہاں ناول کی زبان و بیان کو عام نقائص سے پاک ہونا ضروری ہے۔

عصمت چغتائی اردو کے افسانوی ادب میں ایک روایت شکن فکشن نگار کی حیثیت سے جانی جاتی ہیں۔ان کے یہاں مزاحمت واحتجاج کی کیفیت ہے۔ان کی یہ روایت شکنی موضوع کے ساتھ ساتھ زبان و بیان اور اسلوب کی سطح پر بھی دیکھی جا سکتی ہے۔انھوں نے اپنے افکار وخیالات اور جذبات واحساسات کی ترجمانی کے لیے اپنے طنز آمیز اور دلکش طرز تحریر کا بھرپور استعمال کیا ہے۔وہ ایک ایسے دور سے تعلق رکھتی ہیں جس میں سماجی قدریں تیزی سے بدل رہی تھیں۔پرانے افکار وخیالات اور روایتی سماجی نظام کی جگہ ایک نیا سماجی نظام لے رہا تھا۔یہی وجہ ہے کہ اس عہد کے ادبی سرمائے میں اس دور کی سماجی وطبقاتی کشمکش کی بازگشت صاف سنائی پڑتی ہے۔ترقی پسند تحریک سے وابستہ قلم کاروں نے موضوعات کے ساتھ ساتھ زبان و بیان اور طرز ادا کی

سطح پر بھی تبدیلی پیدا کی۔ عصمت چغتائی کے یہاں سماجی ناہمواریوں بالخصوص جنسی مسائل کی ترجمانی ایک خاص لب ولہجہ اور اسلوب کے ساتھ ملتی ہے۔ عصمت کا خاص کمال یہ ہے کہ انھوں نے ان موضوعات کو ایک منفرد زبان و بیان اور ایک دلکش طرزِ اسلوب کے ساتھ برتنے کی شعوری کوشش کی ہے۔ وہ اپنے اس دلکش اسلوب اور خوبصورت انداز بیان کے باعث ایک جداگانہ حیثیت رکھتی ہیں۔

زیر مطالعہ ناول ''ٹیڑھی لکیر'' میں موضوع کے علاوہ زبان و بیان اور اسلوب کو کمال مہارت کے ساتھ برتنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ''ٹیڑھی لکیر'' ایک گھریلو اور معاشرتی ناول ہے۔ اس میں ایک محدود دائرہ کار ملتا ہے۔ سماج کے بوسیدہ اور قدامت پسندانہ افکار و خیالات کی عکاسی کے لیے عصمت نے سماج کے متوسط طبقے کی زبان استعمال کی ہے۔ ''ٹیڑھی لکیر'' میں نہ تو بہت عمدہ زبان ملتی ہے اور نہ عالمانہ انداز گفتگو کی جھلک موجود ہے۔ اس میں عورتوں کی ایک خاص زبان ملتی ہے جہاں ہر طرف طعنے، گالیاں اور چھیڑ چھاڑ کا انداز پایا جاتا ہے۔ عصمت کو اس ماحول و معاشرے اور اس مخصوص طرز گفتگو سے ذہنی مناسبت ہے۔ انھیں اپنے اس اسلوب پر فخر بھی ہے۔ دراصل وہ اس پر پوری دسترس رکھتی ہیں۔ ان کے یہاں بلا کی روانی ہے۔ وہ حسب ضرورت محاوروں، کہاوتوں، فقروں، گالیوں، طعنوں، روزمرے اور پھبتیوں وغیرہ سے کام لیتی ہیں۔ جب خیالات کی یورش اور الفاظ کی طغیانی باہم مل جاتے ہیں تو ان کا قلم سرپٹ دوڑنے لگتا ہے۔ ان کے ہمعصر ادیبوں نے ان کی اس فنی بصیرت کا اعتراف کیا ہے۔

اردو کے ترقی پسند فکشن نگار کرشن چندر نے عصمت چغتائی کے فن کے اس وصف کا ذکر کرتے ہوئے ایک جگہ لکھا ہے:

> ''ایک اور بات جو ذہن میں آتی ہے وہ ہے گھوڑ دوڑ۔ یعنی رفتار، حرکت، سبک خرامی اور تیز گامی۔ نہ صرف افسانہ دوڑتا ہوا معلوم ہوتا ہے بلکہ فقرے، کنائے، اشارے اور آوازیں اور جذبات اور احساسات ایک طوفان کی سی بلاخیزی کے ساتھ چلتے اور آگے بڑھتے نظر

آتے ہیں۔‘‘(15)

اس اقتباس سے ان کی فنی لیاقت پر روشنی پڑتی ہے۔ خود منٹو نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ عصمت چغتائی نے پانچ سو صفحات پر مشتمل ناول ’’ٹیڑھی لکیر‘‘ کو سات آٹھ نشستوں میں ہی لکھ لیا تھا۔ سعادت حسن منٹو نے ان کی اس تخلیقی شان کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

’’عصمت کا قلم اور اس کی زبان دونوں بہت تیز ہیں۔ لکھنا شروع کرے گی تو کئی مرتبہ اس کا دماغ آگے نکل جائے گا اور الفاظ بہت پیچھے رہ جائیں گے۔‘‘(16)

عصمت نے اپنے اس ناول میں زور بیان سے بھی کام لیا ہے۔ ناول میں زور بیان کی مثالیں ہر جگہ ملتی ہیں۔ ان کا یہ وصف ان کی تحریر کو جلا بخشتا ہے۔ خیالات کے ریلے اور زبان کے پر جوش بہاؤ میں قاری بے اختیار بہہ جاتا ہے۔ یہ ان کے فن کی کامیابی اور مقبولیت کی واضح دلیل ہے۔ زور بیان کے لیے یہ لازمی ہے کہ زبان و بیان اور امڈتے ہوئے احساسات و جذبات میں ہم آہنگی ہو۔ تاکہ اظہار مطالب بحسن و خوبی ہو سکے۔ زور بیان کے لیے دوسرے فنی اوصاف بھی درکار ہیں۔ مصنفہ نے اس ناول میں اس کی اچھی مثالیں پیش کی ہیں۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

’’جرمنی نے لندن پر آگ برسانی شروع کر دی۔ جن بھوکوں کا خون نچوڑ کر شاندار شہر سجایا گیا تھا ان کے کچلے ہوئے دلوں میں مسرت کی آگ شعلوں کی طرح دوڑ گئی۔ آہا کیا مزا آ رہا ہوگا۔ یہ جو پربت جیسی اونچی اور جنت جیسی حسین عمارتیں نظر آتی ہیں بھوسے کی گٹھریوں کی طرح بکھر جائیں گی۔ نازک اندام میمیں اور پھول جیسے بابا لوگ قصائی کی دکان سے پھینکا ہوا ملغوبہ بن جائیں گے، جنھیں کتے بھنبھوڑیں گے اور گدھ نوچیں گے۔‘‘(17)

مندرجہ بالا اقتباس سے عصمت کے زور بیان کی خوبی واضح طور پر سامنے آتی ہے۔ زور بیان صرف الفاظ کے پرزور ہونے کا نام نہیں ہے بلکہ ان سے مصنف کے حقیقی جذبات و خیالات بھی منعکس ہونے چاہیے۔ عصمت اس کسوٹی پر پوری اترتی ہیں۔

''ٹیڑھی لکیر'' میں منظر کشی کے خوبصورت نمونے بھی ملتے ہیں۔عصمت نے اپنی زبان و بیان کی باریک بینی سے کرداروں کے داخلی کرب واضطراب اور جذبات واحساسات کی اچھی تصویر کشی کی ہے۔ان کے اسلوبِ بیان کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ اکثر اوقات منظر کو چند جملوں میں سمو کر یوں پیش کرتی ہیں کہ وہ کاغذ پر جی اٹھتا ہے۔منظر نگاری ایک مشکل مرحلۂ فن ہے۔ عصمت اس فن کی نزاکت کو بخوبی سمجھتی ہیں۔انھوں نے نہایت سادگی کے ساتھ منظر کشی کے فن کو برتا ہے۔ ناول میں سماجی زندگی، معاشرتی حالات وکوائف اور تہذیبی نقوش کی خوبصورت عکاسی ملتی ہے۔ان کی نظر چھوٹی سی چھوٹی جزئیات پر بھی ہوتی ہے۔عصمت نے منظر کشی کے فنی رموز ونکات سے کام لے کر ناول کے حسن میں غیر معمولی اضافہ کیا ہے۔منظر کشی کے دوران عصمت نے زماں ومکاں کا پاس بھی رکھا ہے۔ناول میں مناظر فطرت کی بھی چند اچھی مثالیں ملتی ہیں۔منظر کشی کا نمونہ ملاحظہ ہو:

> ''گرمی شباب پر تھی معلوم ہوتا تھا سورج گھومتے گھومتے راستہ بھول کر قریب آتا جا رہا تھا۔ دنیا چکرائی جا رہی ہے۔جرمنی نے فرانس کو بھون کر رکھ دیا۔صدیوں سے آزادی کا جھنڈا لے کر بڑھنے والی کان کوڑی ڈال کر ادب اور فن کی دیوی زہرہ پر نازی عقاب پنکھ پھیلا کر ٹوٹ پڑا۔یہ کیسی مجنولائن تھی کہ الٹی اپنے پیروں میں بیڑی بن کر الجھ گئی۔وہ تکیہ جس سے پیٹھ لگائے مزے سے لیٹے تھے الٹا دم گھٹنے لگا۔''(18)

عصمت نے اپنے ناول میں انسانی زندگی کے جذباتی نظام کی بھی خوبصورت عکاسی کی ہے۔اقتباس پیش خدمت ہے:

> ''اس کی نیند بالکل اچاٹ ہوگئی تھی۔سارا نظام ہی درہم برہم ہو گیا تھا۔رات بھر یہی معلوم ہوتا۔وہ مل گیا راستا ٹیلر کی موٹر آ کر رکی۔۔۔وہ اترا۔۔۔اب زینے پر چڑھ رہا ہے۔ سیڑھیاں طے کر چکا۔۔۔اب دروازے پر آ رہا ہے۔مگر مگر نہیں سارا حساب گڑ بڑ معلوم ہونے لگتا۔نہیں بھلا اتنی جلدی موٹر سے کیسے اترا ہوگا۔منہ سے کہنا اور بات ہے فعل کے

سرزد ہونے میں تو وقت گزرتا ہے۔۔۔وہ کھٹ سے اس نے موٹر کا دروازہ بند کیا۔۔۔۔
اب۔۔۔چلا۔۔۔سیڑھیوں پر چڑھا۔۔۔صاف جوتوں کی چاپ سنائی دے رہی
ہے۔''(19)

مذکورہ بالا اقتباس کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں کہ عصمت نے انسانی جذبات واحساسات کی کیسی کیسی تصویریں پیش کیں ہیں۔عصمت نے لطافت بیان سے کام لے کر اپنی زبان وبیان اور طرز ادا میں دلکشی، شیرینی اور ملائمت پیدا کی ہے۔ان کے بعض جملے اپنی ملائمت ،رنگینی اور شیرینی سے ذہن میں آسودگی کا احساس جگاتے ہیں۔عصمت کے یہاں فکر انگیز جملے بھی ملتے ہیں۔ان جملوں سے ان کے تجربات اور مشاہدات کا پتہ چلتا ہے۔انھوں نے طنز ومزاح کے ذریعہ بھی اپنی زبان وبیان میں چاشنی پیدا کی ہے۔ناول میں اس کی بہترین مثالیں جا بجا ملتی ہیں۔دراصل طنز ومزاح تحریر کو شگفتگی اور تازگی عطا کرتا ہے۔وہ اپنے اس انداز سے قاری کو بے ساختہ متوجہ کرلیتی ہیں۔عصمت نے خوبصورت تشبیہات واستعارات کا استعمال بھی کیا ہے۔یہ ان کی تحریر میں نگینے کی مانند جڑے ہوتے ہیں۔ناول میں اس کی اچھوتی مثالیں ہر جگہ دیکھی جاسکتی ہیں۔یہ ان کی زبان وبیان کو رنگین اور پرتاثیر بنانے میں ایک خاص رول ادا کرتے ہیں۔انھوں نے موقع ومحل کے اعتبار سے ان کا استعمال کیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان کے تشبیہات واستعارات موزوں اور مناسب ہوتے ہیں۔چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

''نجمہ گرم اور نرم ایسی کہ ہاتھوں میں لے کر زور سے دباؤ تو ابلے ہوئے انڈے کی طرح
پھسل جائے۔''(20)

''اس کی باہر کو ابلی ہوئی آنکھیں ضرورت سے زیادہ بڑی اور بے رونق تھیں جیسے چپٹی تھالی
میں دو مینڈک رکھے ہوں۔''(21)

''نو بچوں کے بعد ایک کا اضافہ، جیسے گھڑی کی سوئی ایک دم آگے بڑھ گئی''(22)

''جوانی لہراتے پھنکارتے سانپ کی طرح پلک جھپکتے دوڑ گئی۔کچھ یونہی دھندلی سی لکیر باقی

تھی۔"(23)

"اماں غسل خانے میں چولی ایسے چھپ کر پہنتیں جیسے موٹی گالی ہو۔"(24)

مندرجہ بالا تشبیہات سے ان کی زبان و بیان کی دلکشی پر روشنی پڑتی ہے۔عصمت نے جتنی جاندار اور دلکش تشبیہات ناول میں پیش کیے ہیں اس کی مثال دوسروں کے یہاں کم ملتی ہے۔ انھوں نے تشبیہات کی مدد سے اپنی زبان و بیان کو سجایا سنوارا ہے۔عصمت چغتائی نے کرداروں کی زبان سے ایسے ہی مکالمے ادا کروائے ہیں جو ان کی فکری اور ذہنی سطح کے مطابق ہو۔عصمت نے اس ناول میں متوسط طبقے کی زبان کو شعوری طور پر استعمال کی ہے۔خاص طور سے عورتوں کی زبان اور بول چال پر تو انھیں غضب کی قدرت حاصل ہے۔

"اری رسولن، او، رسولن کہاں مرگئی۔مالزادی! جا علی بخش سے کہہ کے سودا نہیں لائے۔ہاں جلدی سے لائیں، مونگ کی دال اور۔۔۔۔اور بھنی ہوئی گرم گرم مونگ پھلیاں، ہاں شمن بی کے لیے اور شکر کی گولیاں بھی۔۔۔۔نائیں میرا چاند، میرا کلیجے کا ٹکڑا۔"(25)

دوسرا اقتباس ملاحظہ ہو:

"خدا غارت کرے اس منی سی بہن کو۔اماں کی کوکھ کیوں نہیں بند ہو جاتی۔" حد ہو گئی تھی! بہن بھائی اور پھر بہن بھائی۔بس معلوم ہوتا تھا، بھک منگوں نے گھر دیکھ لیا ہے، امڈتے چلے آتے ہیں۔کتے بلیوں کی طرح ازل کے مر بھکے۔اناج کے گھن ٹوٹے پڑتے ہیں۔"(26)

اوپر پیش کیے گئے اقتباسات کو دیکھ کر باآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مصنفہ کو گھریلو زبان پر کس قدر قدرت حاصل ہے۔ان کے اس انداز میں طنز کے نشتر کے علاوہ مزاحیہ رنگ بھی جھلکتا ہے۔وہ اپنی اس مخصوص زبان و بیان سے گھریلو فضا تخلیق کر دیتی ہیں۔ایسا لگتا ہے کہ پورا گھریلو ماحول و معاشرہ نگاہوں کے سامنے آگیا ہو۔درحقیقت یہی وہ زبان و بیان ہے جس نے

عصمت کے فن کو آب و تاب عطا کیا ہے۔

پرائیڈ اینڈ پریجوڈس کا پلاٹ

جین آسٹین انگریزی ناول کا ایک معتبر نام ہے۔ ان کے یہاں جنوبی انگلستان کی سماجی ومعاشرتی زندگی کی خوبصورت مرقع کشی ملتی ہے۔ انھوں اپنی تخلیقی مہارت سے نے انگریزی ناول نگاری کی روایت کو استحکام بخشا ہے۔ جین آسٹین نے اپنے فکروفن میں جدت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے یہاں ناول کے فنی لوازمات پورے آب وتاب کے ساتھ ملتے ہیں۔ تکنیکی سطح پر انھوں نے کوئی نیا تجربہ نہیں کیا بلکہ اسی روایتی انداز میں دلکشی پیدا کی ہے۔ ان کے ناول پلاٹ کے اعتبار سے بے حد دلکش اور کامیاب ہیں۔ وہ انگلستان کی تہذیبی ومعاشرتی زندگی سے اپنے ناول کا پلاٹ تیار کرتی ہیں۔ ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' اس کی خوبصورت مثال ہے۔ انھوں نے اس ناول کے پلاٹ کی تعمیر وتشکیل میں اپنی خصوصی توجہ صرف کی ہے۔ ناول کا پلاٹ ملاحظہ ہو:

ناول کی کہانی کا آغاز اس کلیہ کے ساتھ ہوتا ہے کہ ہر صاحب ثروت شخص کو ہر حال میں بیوی کی ضرورت پڑتی ہے یعنی:

"It is a truth universally acknowledged , that a single man in possession of a good fortune must be in want of a wife" (27)

مسٹر بینیٹ کا خاندان سماج کے اعلیٰ متوسط طبقے سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ لانگ برن نامی گاؤں میں کئی سال سے رہائش پزیر ہیں۔ جین بینیٹ، ایلز بیتھ بینیٹ، میری بینیٹ، کیدرائن بینیٹ اور لیڈیا بینیٹ ان کی پانچ بیٹیاں ہیں۔ یہ پانچوں بہنیں

غیر شادی شدہ ہیں۔ سر ولیم لیوکس اور مسز لانگ ان کے پڑوسی ہیں۔ ان سے بینیٹ گھرانے کے گہرے مراسم ہیں۔ اپنے ان پڑوسیوں کے ذریعہ مسز بینیٹ کو پتہ چلتا ہے کہ لانگ برن کے نزدیک نیتھر فیلڈ پارک نامی حویلی میں چارلس بینگلے نام کا ایک نوجوان ٹھہرا ہوا ہے۔ اس خبر سے ہی مسز بینٹ بے حد خوش ہوتی ہیں۔ وہ ہر وقت اپنی بیٹیوں کی شادی کی فکر میں گھلتی رہتی ہیں۔ وہ مسٹر بینگلے سے اپنی کسی ایک بیٹی کی شادی کرنے کا خواب دیکھتی ہیں۔ اپنے اس خواب کو شرمندہ تعبیر کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کرتی ہیں۔ اپنی بیوی کی ضد پر مسٹر بینیٹ چارلس بینگلے سے ملاقات کرتے ہیں۔ حسب دستور مسٹر بینیٹ کی یہاں ایک شاندار محفل رقص کا اہتمام ہوتا ہے۔ مسٹر بینگلے اپنے قریبی دوست ولیم ڈارسی کے ساتھ اس تقریب میں شرکت کرتا ہے۔ ولیم ڈارسی خوبصورت اور بلند شخصیت کا مالک ہے۔ وہ اس ناول کا اصل ہیرو ہے۔

ایلز بیتھ ناول کی ہیروئن ہے۔ وہ اپنی بڑی بہن جین بینیٹ کے مقابلے میں کم خوبصورت ہے۔ رقص کے دوران وہ ولیم ڈارسی سے متاثر ہوتی ہے۔ وہ ان کے ساتھ رقص کرنا چاہتی ہے۔ اپنی اس خواہش کی اظہار ان کی سامنے کرتی ہے مگر ولیم ڈارسی یہ کہہ کر انکار کر دیتا ہے کہ وہ اپنے سے کم تر لوگوں کے ساتھ رقص کرنا پسند نہیں کرتے۔ ان کے اس طنز آمیز جملے سے ایلز بیتھ پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ ولیم ڈارسی کے اس ناروا سلوک کے باعث ایلز بیتھ ان سے حسد کرنے لگتی ہے۔ اس کے برعکس مسٹر بینگلے ایلز بیتھ کی بڑی بہن جین بینیٹ کے ساتھ رقص کرتے ہیں۔ وہ بھی ان کی رفاقت کو پسند کرتی ہے۔ اس تقریب میں شرکت کرنے والوں میں بینگلے کی دو بہنیں بھی ہیں۔ ان میں سے ایک شادی شدہ ہے اور دوسری غیر شادی شدہ۔ غیر شادی شدہ بہن مسٹر بینگلے کے گھر کا انتظام دیکھتی ہے۔ وہ مسٹر ڈارسی سے پیار کرتی ہے۔ ان سے شادی کرنا چاہتی ہے۔ مگر ولیم ڈارسی اس کی طرف ملتفت نہیں ہوتا ہے۔ زمانے کے دستور کے مطابق اور بھی کئی محفلوں کا انعقاد ہوتا ہے۔ ان محفلوں میں مسٹر بینگلے اور جین بینیٹ ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ ان دونوں کے تعلقات بڑھتے ہیں۔ اور ان کی دوستی محبت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ ایلز بیتھ دونوں کی محبت کو بھانپ لیتی

ہے۔اوراس کا ذکر اپنی مخلص سہیلی شارلٹ لیوکس سے کرتی ہے۔ادھر ڈارسی کو ایلز بیتھ میں کوئی خاص حسن محسوس نہیں ہوتا ہے۔البتہ وہ اس کی زندہ دلی اور بذلہ سنج شخصیت سی متاثر ہوتی ہے۔ولیم ڈارسی غیر شعوری طور پر اسے پسند کرتا ہے۔ناول میں مختلف موقعوں پر دونوں کی ملاقاتیں ہوتی ہیں۔دونوں ایک دوسرے سے بحثیں بھی کرتے ہیں۔نوک جھوک بھی ہوتی ہے۔ایلز بیتھ اپنی ذہانت اور حاضر جوابی سے ان کی طنز آمیز جملوں کا معقول جواب دے کر اپنی عزت نفس کا تحفظ کرتی رہتی ہے۔

ایلز بیتھ کی چھوٹی بہن میری کو پڑھنے لکھنے اور گانے کا بے حد شوق ہے۔دوسری چھوٹی بہن لیڈیا لوگوں سے ملنے اور تقریبوں میں شرکت کی شوقین ہے۔وہ آسانی سے دوسروں کی باتوں میں آجاتی ہے چنانچہ وہ ایک فوجی نوجوان کی جال میں پھنس جاتی ہے۔مسٹر بینگلے کی بہن بینیٹ خاندان کی دوسری لڑکیوں کو ناپسند کرتی ہے۔خاص طور پر جب اسے پتہ چلتا ہے کہ ڈارسی ایلز بیتھ کی طرف مائل ہو رہے ہیں تو وہ اس سے اور بھی زیادہ حسد کرتی ہے۔مسٹر کولنس مسٹر بینیٹ کے دور کے رشتہ دار ہیں ان کا کردار بڑا دلچسپ ہے۔مسٹر بینیٹ کے کوئی لڑکا نہ تھا۔اس لیے اس زمانے کے قانون کے مطابق مسٹر بینیٹ کی جائداد مسٹر کولنس کو ملنے والی تھی۔وہ مسٹر بینیٹ کی کسی لڑکی سے شادی کرنے کی غرض سے ان کے گھر آتے ہیں۔یہ معلوم کر کے کہ جین کا رشتہ کہیں اور ہونے والا ہے وہ ایلز بیتھ کو پسند کرتے ہیں۔وہ ایلز بیتھ کے سامنے طویل تقریری کرتا ہے اور اپنی محبت کا اظہار بھی کرتا ہے۔وہ ایلز بیتھ کو پسند کرتا ہے۔ایلز بیتھ کولنس میں کوئی دلچسپی نہیں لیتی ہے۔وہ ان سے شادی کرنے سے صاف انکار کر دیتی ہے۔اس کے بعد ان کی ملاقات ایلز بیتھ کی مخلص سہیلی اور سر ولیم لیوکس کی لڑکی شارلٹ سے ہوتی ہے۔دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں اور جلد ہی ان دونوں کی شادی ہو جاتی ہے۔

مسٹر کولنس کو ولیم ڈارسی کی خالہ لیڈی کیتھرین کے یہاں ملازمت مل جاتی ہے۔ لیڈی کیتھرین دولت مند خاتون ہیں۔ان کی ایک معذور نوجوان لڑکی ہے۔اس کی شادی وہ مسٹر کولنس سے کرنا چاہتی ہیں۔کولنس ایک لمبے عرصے تک ٹال مٹول کرنے کے بعد آخر کار اس سے

شادی کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ مسٹر بینیٹ کے بھائی مسٹر فلپ اپنے کنبے کے ساتھ قریب ہی میریٹن قصبہ میں رہتے ہیں۔ لیڈیا وہاں اکثر آتی جاتی رہتی ہے۔ وہاں وہ فوجی افسروں سے عشق لڑاتی ہے اور جلد ہی وہ وکھم نامی ایک فوجی افسر کے ساتھ بھاگ جاتی ہے۔ اس واقعے سے بینیٹ گھرانے کے سماجی وقار کو ٹھیس لگتی ہے۔ اس رسوائی سے خاص طور پر ایلز بیتھ کو بڑا صدمہ ہوتا ہے۔ وہ اپنے ماموں مسٹر گارڈینز کی مدد سے اس کا پتہ لگانے کی کوشش کرتی ہے۔ آخر کار وہ وکھم کو ڈھونڈ نکالتے ہیں اور وکھم و لیڈیا کی شادی وہاں کے رسم و رواج کے مطابق کرائی جاتی ہے۔

اس معاملے کو سلجھانے میں اس کے رشتہ دار اور خاص طور پر ولیم ڈارسی اہم رول ادا کرتے ہیں۔ اس میں ان کی ایک اچھی خاصی رقم خرچ ہوتی ہے۔ بینیٹ گھرانے پر ان کا بہت بڑا احسان ہے۔ وکھم اپنی ذاتی معاملے کو لے کر ایلز بیتھ سے ڈارسی کی شکایت کرتا ہے۔ وہ ایلز بیتھ کو بتاتا ہے کہ ڈارسی نے اس کو گرجا گھر میں ملازمت نہں دی۔ وہ یہ بھی بتاتا ہے کہ اس کے خاندانی تعلقات ڈارسی کے والد سے تھے۔ ڈارسی نے ان کی وصیت کی خلاف ورزی کی اور اسے ہر طرح سے نقصان پہنچایا۔ ڈارسی ایلز بیتھ کو خط لکھتا ہے۔ اس خط میں وہ وکھم کی بدمعاشی اور نااہلیت کو اجاگر کرتا ہے۔ اس طرح ایلز بیتھ کو صحیح صورت حال کا اندازہ ڈارسی کے خط سے ہوتا ہے۔ ادھر لندن میں دوران قیام بینگلے کی بہن کیرولین بینگلے انھیں جین بینیٹ سے ملنے نہیں دیتی ہے۔ جین اور ایلز بیتھ کو چارلس بینگلے سے بدگمانی پیدا ہو جاتی ہے کہ ڈارسی کے مشورے پر وہ جین سے قطع تعلق کرنا چاہتے ہیں۔ اپنے اس خط میں ولیم ڈارسی نے وکھم کے علاوہ جین اور ایلز بیتھ کے معاملات کا ذکر بھی کیا تھا۔ ایلز بیتھ کو لکھے گئے خطوط اس کی بدگمانی اور بدظنی کو ختم کرنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ ایلز بیتھ اپنے ان سخت رویئے کو بدلتی ہے۔ نتیجتاً اس کے دل میں ڈارسی کے لیے محبت اور پسندیدگی کے جذبات واحساسات پیدا ہونے لگتے ہیں۔

ایلز بیتھ اپنے ماموں اور ممانی کے ساتھ ایک لمبے سفر پر روانہ ہوتی ہے۔ سفر کے دوران روزنگز میں وہ اپنی سہیلی اور مسٹر کولنس کی بیوی شارلٹ کے یہاں ٹھہرتی ہے۔ اس کے علاوہ وہ

لیڈی کیتھرین کی مہمان نوازی کا لطف بھی اٹھاتی ہے۔سفر کے دوران وہ پیمبرلے اور اس کے حسین و دلکش مناظر بھی دیکھتی ہے۔تفریح کے دوران ایلز بیتھ ولیم ڈارسی سے بھی ملتی ہے۔دونوں کی خوشگوار ملاقاتیں ہوتی ہیں۔عشق ومحبت کے مراحل طے ہوتے ہیں۔ناول کے آخر میں ایلز بیتھ کی شادی ولیم ڈارسی سے اور جین کی شادی چارلس بینگلے ہو جاتی ہے۔دونوں جوڑے خوشی خوشی زندگی بسر کرنے لگتے ہیں۔لیڈیا اور وکھم بھی صحیح راستے پر آ جاتے ہیں۔اس طرح ناول خوشگوار اور طربیہ انداز میں ختم ہوتا ہے۔

پلاٹ کے مطالعہ سے اس کی دلکشی وفطری پن کا اندازہ ہوتا ہے۔مصنفہ نے ناول کے پلاٹ میں توازن اور ہم آہنگی پیدا کی ہے۔اس کا پلاٹ نہایت دلکش اور مربوط ہے۔ناول کے واقعات میں کہیں بھی تصنع کا احساس نہیں ہوتا ہے۔ناول میں کرداروں کی ایک خاصی تعداد ملتی ہے۔ ناول کے تمام کردار پلاٹ اور واقعات سے پوری طرح مربوط اور ہم آہنگ ہیں۔کرداروں کی زبان سے نکلنے والے مکالمے کہانی کو آگے بڑھانے میں خاص کردار ادا کرتے ہیں۔اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ناول کا پلاٹ کرداروں کے اعمال وحرکات سے بالکل ہم آہنگ ہے۔اس میں کسی قسم کی آورد کا احساس نہیں ہوتا ہے۔نوجوان کرداروں کی ذہنی کشمکش،ان کی خواہشات، ان کی غلط فہمیاں،ان کی نازیبا حرکتیں اور ان کا متکبرانہ رویے ناول کے پلاٹ کی ارتقائی صورت کو مستحکم کرتے ہیں۔

پلاٹ ناول کے واقعات کو ترتیب دینے کا نام ہے۔ پلاٹ کی تشکیل میں فنی مہارت درکار ہے۔جین آسٹین پلاٹ کی تعمیر وتشکیل کا ہنر جانتی ہیں۔ناول پرائیڈ اینڈ پریجوڈس کا پلاٹ ان کی خلاقانہ صلاحیت کا پتہ دیتا ہے۔ایک ناول میں چھوٹے بڑے کئی قصے ہو سکتے ہیں۔ ناول نگار کا کام ہے کہ ان واقعات کو ایک دوسرے سے جوڑے۔ان میں فطری تسلسل پیدا کرے۔ اگر ایسا نہ ہو تو ناول کا پلاٹ کمزور اور غیر مربوط ہو جاتا ہے۔مصنفہ اس فنی تقاضے کو بخوبی سمجھتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے یہاں پلاٹ کا مضبوط تصور ملتا ہے۔زیر مطالعہ ناول میں چھوٹے بڑے کئی واقعات موجود ہیں۔مصنفہ نے ان واقعات کے ارتقاء میں تسلسل اور فطری پن کا پاس رکھا ہے۔

پہلا پلاٹ مسٹر ڈارسی اور مس ایلز بیتھ کی داستان عشق سے تعلق رکھتا ہے۔ مسٹر ڈارسی ناول کا ہیرو اور ایلز بیتھ ناول کی ہیروئن ہے۔ انھیں ناول میں مرکزی اہمیت حاصل ہے۔ ناول کے دوسرے تمام واقعات اس خاص پلاٹ کو آگے بڑھانے میں اپنا رول ادا کرتے ہیں۔ ناول کا دوسرا پلاٹ مسٹر بینگلے اور جین بینیٹ سے متعلق ہے۔ تیسرا پلاٹ وکھم اور لیڈیا سے اور چوتھا مسٹر کولنس اور شارلٹ لیوکاس سی علاقہ رکھتا ہے۔ مسٹر ڈارسی وایلز بیتھ بینیٹ ،مسٹر بینگلے وجین بینیٹ کی شادی کے ساتھ ہی ناول کا اختتام ہوتا ہے۔ان کے علاوہ ناول کے درمیانی حصے میں دوسری شادیاں بھی ہوتی ہیں۔

ہم جانتے ہیں کہ ناول کی کامیابی کا انحصار بڑی حدتک پلاٹ کی تشکیل وتعمیر پر ہوتا ہے۔ پلاٹ کے ڈھیلا اور کمزور ہونے پر ناول فنی لحاظ سے کامیاب نہیں ہوتا۔ان کا یہ ناول فن کے اس کسوٹی پر کھرا اترتا ہے۔ناول میں آغاز سے اختتام تک ایک منطقی ربط ملتا ہے۔اس ناول کو ہم پانچ حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ مصنفہ نے پہلے حصے میں تمام کرداروں کا تعارف پیش کیا ہے۔ دوسرے حصے میں ان کرداروں کے معاملات میں گتھیاں پڑنے لگتی ہیں۔ اس حصے میں ناول کے نوجوان کردار عشق ومحبت اور شادی بیاہ جیسے مسائل سے دوچار ہوتے ہیں اور اپنی خواہشات کی تکمیل میں سرگرداں نظر آتے ہیں۔ چوں کہ ناول کا موضوع شادی بیاہ اور محبت ہے لہذا ناول کے تمام پلاٹ اس موضوع سے ہم آہنگ ہیں۔ ناول کے تیسرے حصے میں یہ گتھیاں اس قدر الجھ جاتی ہیں کہ ان کا سلجھنا محال معلوم ہونے لگتا ہے۔ چوتھے حصے میں یہ گتھیاں سلجھنے لگتی ہیں اور پانچویں حصے میں تمام حالات ومعاملات خاتمہ پر پہنچ جاتے ہیں۔ مصنفہ نے نہایت سلیقے سے ناول کے کرداروں کو پلاٹ سے جوڑا ہے۔ جین آسٹین کے یہاں جو فطری پن اور دلکشی ملتی ہے اس کی مثال دوسرے ناول نگاروں کے یہاں کم نظر آتی ہے۔ انگریزی کے صف اول کے نقادوں نے جین آسٹین کی اس فنی باریک بینی اور خلاقانہ عظمت کو کافی سراہا ہے۔ انگریزی کے ایک معروف ناقد W. Somerset Maugham نے ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' کے پلاٹ کی فطری پن اور اس کے منطقی ربط کی کافی تعریف کی ہی۔ اس ناول کے پلاٹ کے متعلق ایک جگہ لکھا ہے:

"The plots of Jane Austen's novel, specially that of 'Pride and Prejudice' are well knit, organic plot. There is very little in them that may be called superflous. The plots are marked with simplicity , suymmetry and precision . There is nothing superflous or irrelevant in her novels. 'Pride and Prejudice' has been often quoted as a perfect axample in this regard . There are no loose ends any where and all the subordinate events and charcaters have been combined into a compact and well - knit whole " (28)

اس پیراگراف میں سمرسیٹ مائم نے جین آسٹین کے ناول خصوصاً ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' کے پلاٹ کے حوالے سے جو رائے قائم کی ہے، اس سے مصنفہ کی فن کارانہ لیاقت اور تخلیقی مشاہدے پر روشنی پڑتی ہے۔ان کا کہنا ہے کہ ناول کے پلاٹ کا تسلسل اور اس کا فطری پن کہیں متاثر نہیں ہوا ہے۔اس میں ایک بہاؤ ہے، ایک فطری رچاؤ ہے۔اقتباس کے آخری حصے میں انھوں نے پلاٹ اور کرداروں کے درمیان پائے جانے والے گہرے ربط کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ انگریزی کے دوسرے اہم نقاد R. W. Chapman , David Daiches Lawrence J. Clipper وغیرہ نے بھی ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' کے پلاٹ کے فنی اصاف کو واضح کیا ہے۔

''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' 61 ابواب میں منقسم ہے۔ابتدائی ابواب میں کرداروں کا تعارف کرایا گیا ہے۔ناول کے تمام واقعات لانگ برن، نیتھر فیلڈ پارک اور روزنگس جیسی جگہوں پر رونماں ہوتے ہیں۔ پلاٹ کے ارتقائی عمل میں ان جگہوں کا بھی ایک اہم رول ہے۔ان جگہوں کے توسط سے ناول کے پلاٹ کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔وہ اپنی ناول نگاری کی وجہ سے انگریزی ادب کی دنیا میں زندہ ہیں۔انھوں نے کبھی کوئی ڈراما نہیں لکھا لیکن ان کے اندر ایک اچھے ڈرامہ نگار کے اوصاف ملتے ہیں۔انھوں نے اپنی اس صلاحیت کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنے ناولوں میں ڈرامائی

شان پیدا کی ہے۔ ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' میں ان کی یہ بصیرت جھلکتی ہے۔ ناول کی کہانی کو آگے بڑھانے کے لیے انھوں نے مکالموں کا سہارا لیا ہے۔ اپنی اسی فنی انفرادیت کے باعث وہ "Prose Shakespeare" کے خطاب سے نوازی گئیں۔ ان کے اس ناول میں ولیم شیکسپئر کے " Much Ado About Nothing " کا انداز ملتا ہے۔

ڈرامائی ناول کے لیے پلاٹ اور کردار کا توازن کے ساتھ شیر وشکر ہونا ضروری ہے۔ یہ خوبی مصنفہ کے اس ناول میں ملتی ہے۔ جین آسٹین کے ناول ڈرامائی ناول کے عمدہ نمونے ہیں۔ انگریزی زبان وادب میں اس کی مثال مشکل سے ملتی ہے۔ جین آسٹین کے ناولوں میں دو خوبیاں ایسی ہیں، جو ان کو کامل ڈرامائی ناول نگار بناتی ہیں۔ پہلا یہ کہ ان کے یہاں ایک محدود دائرہ فکر ملتا ہے۔ اس کے سبب ان میں گہرائی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ گہرائی ہی ڈرامائی ناول کی جان ہے۔ دوسرا یہ کہ ان کے یہاں کردار کو زیادہ اہمیت حاصل نہیں ہے۔ اس ناول کے کردار قصے کو ڈرامائی انداز میں آگے بڑھاتے ہیں۔ یہ فنی بصیرت جین آسٹین کو ناول نگاری کے میدان میں ممتاز کرتی ہے۔

ناول ''پرائڈ اینڈ پریجوڈس'' کا قصہ کرداروں کی چند خوبیوں کے باعث شروع ہوتا ہے اور پورے پلاٹ کی شکل میں پھیلتا ہے۔ اس طرح ناول کے کردار اور پلاٹ ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہو کر آگے بڑھتے ہیں۔ مسٹر کولنس کو مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ مسٹر کولنس کا ناول کے مرکزی پلاٹ سے کوئی تعلق نہیں بلکہ ایک ضمنی پلاٹ کو آگے بڑھانے میں اس کردار کا ایک منفرد رول ہے۔ مسٹر کولنس کے علاوہ ناول کے دوسرے تمام کرداروں کا اس کے پلاٹ سے ایک اٹوٹ رشتہ ہے۔ ناول کے پلاٹ کا سارا تانا بانا مصنفہ نے نہایت عمدگی اور فنی رچاؤ کے ساتھ تیار کیا ہے۔ ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' کے مختلف ابواب کو ہم ڈرامہ کے پانچ ایکٹ میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

(1) پہلا ایکٹ - باب 1 سے 18 تک (The Exposition)

(2) دوسرا ایکٹ -	باب 19 سے 26 تک	(The Development)
(3) تیسرا ایکٹ -	باب 27 سے 41 تک	(The Climax)
(4) چوتھا ایکٹ -	باب 42 سے 51 تک	(The Denouement)
(5) پانچواں ایکٹ -	باب 52 سے 61 تک	(The Resolution)

چارلس بینگلے کے لونگ برن کے نزدیک نیتھر فیلڈ نامی پارک میں مقیم ہونے کے ساتھ ناول کے پہلے ایکٹ کا آغاز ہوتا ہے۔ بعدازاں اس کے لندن روانہ ہونے کے ساتھ ہی اس کا اختتام ہوتا ہے۔ خاص کرداروں میں سے دو اور عام کرداروں میں سے تین کا تعارف یہیں کرایا جاتا ہے۔ مسٹر ڈارسی دولتمند اور خوبصورت نوجوان ہے۔ وہ ناول کا ہیرو ہے۔ ڈارسی کا غرور اس کے بلند معیار اور دولت کے باعث پیدا ہوتا ہے۔ مسٹر بینگلے کی جانب سے محفل رقص کا انعقاد ہوتا ہے۔ اس تقریب میں مسٹر ڈارسی مس ایلز بیتھ بینیٹ پر گہرا طنز کرتا ہے۔ اس کے اس رویےّ سے ایلز بیتھ کو کافی صدمہ پہنچتا ہے۔ وہ حسد کی آگ میں جلتی ہے۔ ابتدائی منظر اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ محبت اور شادی ہی اس ناول کا اہم موضوع ہے اور اسی بنیاد پر اس ناول کے پلاٹ کی عمارت تعمیر ہوئی ہے۔ یہیں پر ہم بینیٹ، لیوکس اور ڈارسی کے خاندان سے متعارف ہوتے ہیں۔ مرکزی پلاٹ کے علاوہ ایلز بیتھ اور ڈارسی سے متعلق پلاٹ کا آغاز بھی اسی حصے میں ہوتا ہے۔ دوسرے ایکٹ میں مسٹر کولنس، مسٹر وکھم، مسٹر و مسز گارڈینز وغیرہ کا تعارف ہوتا ہے۔ مسٹر کولنس ایلز بیتھ کے سامنے شادی کی تجویز پیش کرتا ہے۔ وہ اسے رد کر دیتی ہے بعد میں وہ شارلٹ لیوکاس میں دلچسپی لیتا ہے اور کامیاب بھی ہوتا ہے۔ وکھم ڈارسی کے خلاف ایلز بیتھ کو بھڑکاتا ہے۔ وہ ڈارسی کی شخصیت کو مسخ کر کے اس کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اس سے ایلز بیتھ کے اندر جل رہی حسد کی آگ اور تیز ہو جاتی ہے۔ ضمنی پلاٹ سے وابستہ مذکورہ بالا کردار مرکزی پلاٹ کو استحکام عطا کرتے ہیں۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ تمام ضمنی پلاٹ کی بنیادیں یہیں پڑتی ہیں۔ یہیں سے ان میں ایک منطقی ربط کی خوبی پیدا ہو جاتی ہے۔

تیسرے ایکٹ میں دو نئے کرداروں کی آمد ہوتی ہے۔ پہلا لیڈی کیتھرین کا اور

دوسرا کرنل فیز ولیم کا۔ لیڈی کیتھرین کا تعارف ان کی غیر موجوگی میں مسٹر کولنس کے ذریعہ کرایا جاتا ہے۔ اسی ایکٹ میں مسٹر ڈارسی اور مس ایلز بیتھ کی ملاقات ہوتی ہے۔ ان دونوں کی ملاقات کے ساتھ ہی ناول کی کہانی عروج پر پہنچی ہے۔ ڈارسی ایلز بیتھ پر کیے گئے طنز سے پریشان ہے۔ وہ اسے شریک حیات بنانا چاہتا ہے۔ ایک خاص موقع پر ڈارسی ایلز بیتھ کے سامنے شادی کی تجویز پیش کرتا ہے۔ مگر ایلز بیتھ اسے انکار کر دیتی ہے۔ بعد میں وکھم کی سازش سامنے آنے پر ایلز بیتھ کو سچائی کا پتہ چلتا ہے تو وہ نادم و شرمندہ ہوتی ہے۔

ناول کا چوتھا ایکٹ بہت اہم ہے۔ ایلز بیتھ اپنے رشتہ دار گارڈ ینز کے ساتھ تفریح کی غرض سے سفر کرتی ہے۔ سفر کے دوران غیر متوقع طور پر اس کی ملاقات ڈارسی سے ہوتی ہے۔ ادھر اس کی چھوٹی بہن لیڈیا وکھم کے ساتھ بھاگ جاتی ہے۔ لیڈیا کی اس شرارت سے بینیٹ کنبے کو کافی صدمہ پہنچتا ہے۔ جین بینیٹ ایک خط کے ذریعہ ایلز بیتھ کو اس واقعے سے واقف کراتی ہے۔ ایلز بیتھ کو گارڈ ینز کے ساتھ فورا واپس بلایا جاتا ہے۔ یہیں پر ایلز بیتھ کے دل میں ڈارسی کے خلاف پیدا شدہ جذبات واحساسات کا خاتمہ ہوتا ہے۔ دونوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے۔ ایلز بیتھ اور ڈارسی کے بیچ کی دوری ختم ہوتی ہے اور ایک خوشگوار ماحول پیدا ہو جاتا ہے۔ ناول کے سارے ومعاملات کی گتھیاں سلجھنے لگتی ہیں۔ ناول کا مرکزی پلاٹ ایک ڈرامائی انداز اور ایک فطری بہاو کے ساتھ آگے بڑھتا ہے۔

ناول کا آخری ایکٹ خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ اس اختتامی حصے میں ناول کے بکھرے ہوئے اجزاء جمع ہوتے ہیں۔ ان سارے واقعات ومعاملات کو بڑے ہی ڈرامائی انداز میں سلجھایا جاتا ہے۔ وکھم اور لیڈیا کی شادی کرائی جاتی ہے۔ شارلٹ لیوکاس اور مسٹر کولنس کا معاملہ بھی ناول کے آخری حصے تک چلتا رہتا ہے۔ مسٹر بینگلے اپنے دوست مسٹر ڈارسی کے ساتھ نیتھر فیلڈ آتا ہے اور جین سے اس کی ملاقات ہوتی ہے۔ ڈارسی بھی ایلز بیتھ سے ملتا ہے۔ ناول کے بالکل اختتامی حصے میں دونوں کی شادیاں ہوتی ہیں۔

مذکورہ بالا تفصیلات سے جین آسٹین کی ڈرامائی بصیرت واضح طور پر سامنے آتی ہے۔ناول میں آغاز سے اختتام تک کئی ایسے حالات پیدا ہوتے ہیں جن کے سبب کشمکش اور تصادم کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ناول کے کردار آپس میں ٹکراتے ہیں اور ایک دوسرے کے خلاف سازش کرتے ہیں۔ناول میں ڈرامائی خوبی کی ایک اچھی مثال اس وقت سامنے آتی ہے جب ڈارسی ایلز بیتھ پر طنز آمیز جملہ کستا ہے اور ایلز بیتھ غلط فہمی سے ڈارسی کو مغرور سمجھ لیتی ہے۔وہ اپنی موقف پر قائم رہتی ہے جس کے سبب قصہ طویل ہو جاتا ہے۔یہ طوالت کردار کی فطرت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔

ڈاکٹر Nirupma Mishra ناول ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈیس'' کی روشنی میں جین آسٹین کے ڈرامائی کمال پر اظہار خیال کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"The genius of Jane Austen is essentially dramatic. Her novel 'Pride and Prejudice ' has all the possibililities of high drama. So well is it constructed that the plot has the symmetry and structure of a drama with the action proceeding logically from exposition , complication and climax to the denouement and finally the resolution . It has all the coherence , interest , unity , concentration and objectivity of a darama. It would not be wrong to say that she is the most perfect dramatist who never wrote a play".(29)

ڈاکٹر نیروپم میشرا نے مصنفہ کے ڈرامائی وصف کو صاف لفظوں میں بیان کیا ہے۔اس اقتباس سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' میں ایک اچھے ڈرامے کی اہم خوبیاں موجود ہیں۔انھوں نے اس اقتباس میں ناول کے پلاٹ کی ڈرامائی صفت پر اپنی توجہ مرکوز کی ہے۔مختصر یہ کہ جین آسٹین نے اس ناول کے پلاٹ کی تشکیل میں اپنے ڈرامائی شعور کا مظاہرہ کیا ہے۔پلاٹ کی دلکشی اور منطقی ربط کا راز اس امر میں میں پوشیدہ ہے۔

کردار

جین آسٹین حقیقت نگار ہیں۔ان کے یہاں جنوبی انگلینڈ کی دیہی وشہری زندگی کی حقیقی ترجمانی ملتی ہے۔وہ سماج کے اعلیٰ متوسط طبقے سے تعلق رکھتی ہیں۔انھیں اپنے عہد کی سماجی، معاشرتی اورتہذیبی زندگی سے گہری دلچسپی ہے۔اپنی مختصر زندگی میں جین آسٹین نے اپنے گرد وپیش کے سماجی ومعاشرتی صورت حال کا گہرا مشاہدہ کیا۔ان کی تخلیقات میں سیاسی کشمکش اورزمانے کے انقلابی حالات ومسائل کی بازگشت نہیں ملتی۔انھیں تو صرف نوجوان طبقے کی رومانی زندگی اورحسین دنیا سے سروکار ہے۔

''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' ان کا محبوب ترین ناول ہے۔اس میں انھوں نے انگلستان کے تہذیبی حالات وکوائف، وہاں کی خورد ونوش، بود وباش، انداز گفتگو، طرز زندگی، شادی بیان اور حسن وعشق جیسے مسائل کی عمدہ مرقع کشی کی ہے۔وہ پلاٹ سازی کے علاوہ کردار نگاری کے فن سے بھی کماحقہ واقفیت رکھتی ہیں۔اس ناول میں کردار نگاری کی عمدہ مثال ملتی ہے۔ناول کے کردار ڈرامائی انداز میں ہمارے سامنے آتے ہیں۔ناول کے سارے کردار انگلستان کی معاشرتی زندگی سے اخذ کیے گئے ہیں۔کرداروں کے اعمال وحرکات اوران کے افکار وخیالات سے وہاں کی تہذیبی، معاشرتی اورطبقاتی زندگی کی خوبصورت جھلکیاں ملتی ہے۔

عام طور پر کرداروں کی پیش کش کے دو طریقے رائج ہیں۔پہلا ڈرامائی اور دوسرا تشریحی۔ڈرامائی انداز میں کردار اپنی حرکات وسکنات اوراپنی بات چیت کے ذریعہ ہمارے سامنے آتے ہیں۔تشریحی انداز میں ناول نگار اپنے کردار کے جذبات واحساسات اورافکار وخیالات کو

بیان کرتا ہے۔ آج کل کرداروں کی پیش کش کا دوسرا طریقہ زیادہ مستعمل ہے۔ مصنفہ کے یہاں پہلا طریقہ یعنی ڈرامائی انداز ملتا ہے۔ اس انداز پیش کش سے ناول میں غیر معمولی دلکشی پیدا ہو گئی ہے۔ اس ناول کے کردار تخیل میں پرواز نہیں کرتے بلکہ انسانی زندگی کے رموز و نکات کو بہتر انداز میں پیش کرتے ہیں۔ ان میں انسانی زندگی کی حرارت اور رمق ملتی ہے۔ ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' کے کرداروں میں اچھائیاں اور برائیاں یکساں طور پر ملتی ہیں۔ حالات و مسائل کے اعتبار سے ان میں ایک فطری تبدیلی ہوتی ہے۔ اپنی انھیں خصوصیات کے باعث کردار ہمارے ذہن پر گہرا نقش چھوڑ جاتے ہیں۔

ناول ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' میں ہر نوعیت کے کردار ملتے ہیں۔ ان میں بعض سنجیدہ اور مہذب ہیں تو بعض مزاحیہ اور بیوقوف۔ اپنے کرداروں کے ذریعہ جین آسٹین سماج و معاشرے کی ناہمواریوں پر گہرا طنز کرتی ہیں۔ ان کے اندر سماج کا گہرا شعور ملتا ہے۔ اپنے اسی تجربات و مشاہدات کی روشنی وہ کرداروں کی شخصیت کو اجاگر کرتی ہیں۔ یہ ناول ایک ایسا آئینہ ہے جس میں انگلینڈ کے متوسط طبقے کی تہذیب و کلچر کی تصویریں صاف طور پر نظر آتی ہیں۔ انھوں نے اپنے عہد کی سیاسی و تاریخی صورت حال اور اس زمانے کے انقلابی حالات و کوائف سے نظر پوشی کی ہے۔ ان کے یہاں تو انسانی زندگی کی دھوپ چھاؤں کی حسین عکاسی ملتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ناول زماں و مکاں کے قید سے آزاد ہیں۔ ان کے افکار و خیالات میں آفاقیت ملتی ہے۔ ان کے بعض کردار بھی آفاقی شعور رکھتے ہیں ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' کی ہیروئن اس کی ایک اچھی مثال ہے۔ ایلز بیتھ بینیٹ جین آسٹین کے آفاقی فکر و شعور اور ان کے گہرے مشاہدے و تجربے کا پتہ دیتی ہے۔ حسن و عشق اور شادی بیاہ ان کی زندگی کا ماحصل اور ان کا فلسفۂ حیات ہے۔ ان کی نظر تیز ہے اور وہ انسانی فطرت کی نباض ہیں۔ وہ انسان کے جذبات و احساسات اور اس کے ارمان و خواہشات سے گہری واقفیت رکھتی ہیں۔ وہ اپنے کرداروں کے ذریعہ ایک ایسی فضا تخلیق کرتی ہیں جہاں ہر طرف حسن و عشق، شادی بیاہ، رقص و سرود اور رنگینیت کی حسین و حقیقی دنیا آباد ہو جاتی ہے۔ کردار

نگاری اور فضا آفرینی کی دلکشی ان کے فن کی خاص خوبی ہے۔ان کی یہی خصوصیت انھیں ہمعصروں میں ممتاز کرتی ہے۔کرداروں کی پیش کش میں جین آسٹین غیر جانبدارانہ رویہ اختیار کرتی ہیں۔اس ناول کے کردار مصنفہ کے ہاتھ کے کھلونے نہیں ہیں بلکہ ان میں زندگی کا فطری پن ملتا ہے۔

انگریزی زبان وادب کے ایک بڑے نقاد Peter Westland نے جین آسٹین کے گہرے مشاہدے اوران کی کردار نگاری کی تکنیکی خوبی پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا ہے:

"The special charm in Jane Austen's novel lies , not in any deep insight into character, but in the fine impartiality with which she individualises and differentiates them . Her compass is not wide, but within it she never fails."(30)

''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' میں کرداروں کی ایک خاصی تعداد ملتی ہے۔ناول کے اہم کرداروں میں مسٹر بینیٹ ،مسز بینیٹ ،جین بینیٹ ،ایلز بیتھ بینیٹ ،لیڈیا بینیٹ ،مسٹر ڈارسی ،مسٹر کولنس،شارلٹ لیوکاس،لیڈی کیتھرین،جارج وکھم وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔مسٹر ڈارسی ناول کا ہیرو ہے۔اس کا کردار نہایت پیچیدہ ہے۔وہ 27 سالہ غیر شادی شدہ اور خوبصورت نوجوان ہے۔ان کی سالانہ آمدنی دس ہزار پونڈ ہے۔اس کا کنبہ پیمبرلے ہاوس میں سکونت پذیر ہے۔ڈارسی کو اپنی عظمت پر فخر ہے۔وہ اپنے سے کم مرتبت شخص کو اہمیت نہیں دیتا۔ناول میں اس کا تعارف ایک مغرور کردار کے طور پر ہوتا ہے۔ناول کے آخر میں اس کی شخصیت بالکل بدل جاتی ہے۔وہ ایک نیک اور اخلاق مند انسان کی شکل میں ابھر کر سامنے آتا ہے۔

ناول کے ابتدائی باب میں محفل رقص کا انعقاد ہوتا ہے۔اس تقریب میں مسٹر بینگلے اپنے قریبی دوست مسٹر ڈارسی کے ساتھ مدعو کیا جاتا ہے۔ایلز بیتھ بینیٹ ناول کی ہیروئن ہے۔وہ مسٹر ڈارسی کے ساتھ رقص کرنے کی خواہش ظاہر کرتی ہے۔مسٹر ڈارسی ایلز بیتھ کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے اور اس کے ساتھ رقص کرنے سے صاف انکار کر دیتا ہے۔اس کی حقارت آمیز طنز سے ایلز بیتھ کے دل کو ٹھیس لگتی ہے۔وہ ڈارسی سے حسد کرتی ہے۔اپنے اس تکبر اور غرور کے باعث وہ

سب کی نظروں سے گر جاتا ہے۔ ڈارسی کے دوست مسٹر بینگلے ایلز بیتھ کی خوبصورتی ودلکشی کی کافی تعریف کرتا ہے اور مسٹر ڈارسی کو ایلز بیتھ کے ساتھ رقص کرنے کا مشورہ دیتا ہے۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

"Oh ! she is the most beautiful creature I ever be held ! But there is one of her sisters sitting down just behind you, who is very pretty and I dare say very agreeable . Do let me ask my partner to introuduce you.'

'Which do you mean ?' and turning round , he looked for a moment at Eligabeth , till catching her eye , he withdrew his own and coldly said , ' She is tolerable, but not handsome enough to tempt me ; and I am in no humour at present to give consequence to young ladies who are slighted by other men. You had better return to your partner and enjoy her smiles, for you are wasting your time with me ."(31)

ناول کا پلاٹ ڈارسی کے گرد گردش کرتا ہے۔ ناول کے پلاٹ کا سارا تانا بانا ڈارسی کی شخصیت کو نمایاں کرتا ہے۔ اس کی شخصیت میں نیکیوں اور اچھائیوں کے پہلو بھی ملتے ہیں۔ وہ ایک ذمہ دار، خوددار اور مخلص نوجوان ہے۔ اس کے اندر جذباتیت نہیں ملتی۔ اس کی کارکردگی اور ذمہ داریوں سے سنجیدگی اور متانت جھلکتی ہے۔ اسے دوسروں کو متاثر کرنے کا ہنر نہیں آتا۔ وہ ایلز بیتھ پر کیے گئے طنز سے پریشان رہتا ہے۔ وہ ایلز بیتھ کے سامنے اپنی اس غلطی کو تسلیم کرتا ہے۔ ناول میں کئی جگہ وہ ایلز بیتھ سے تبادلۂ خیال کرتا ہے۔ ڈارسی ایلز بیتھ کو سمجھانے اور متاثر کرنے کی شعوری کوشش کرتا ہے۔ ڈارسی اس سے محبت کرتا ہے اور اس سے رشتۂ الفت استوار کرنا چاہتا ہے۔ ایلز بیتھ ڈارسی سے خائف ہے لہٰذا وہ ڈارسی کی اس تجویز کو ٹھکرا دیتی ہے۔

لیڈیا ایلز بیتھ کی چھوٹی بہن ہے۔ وہ ایلز بیتھ کے برعکس نہایت جذباتی اور غیر مہذب لڑکی ہے۔ اس کی شخصیت میں اخلاقی قدروں کا فقدان ہے۔ پلاٹ کو آگے بڑھانے

میں لیڈیا کا کردار بھی اہمیت رکھتا ہے۔ اس کا کردار عام فہم اور سادہ ہے۔ اس کی شخصیت میں پیچیدگی نہیں ملتی۔ والدین کی صحیح رہنمائی نہ ملنے سے وہ غلط راستے پر چل پڑتی ہے۔ لیڈیا اپنے رشتہ دار سے ملنے میرٹن جاتی ہے اور وہاں فوجی افسران سے عشق لڑاتی ہے۔ ایک دن وہ وکھم نامی ایک فوجی کے ساتھ بھاگ جاتی ہے۔ لیڈیا کے اس غیر مہذب وغیر اخلاقی قدم سے بینیٹ کنبے کو کافی صدمہ پہنچتا ہے۔ لیکن لیڈیا کو اپنے کیے ہوئے پر افسوس نہیں ہوتا۔ لیڈیا اور وکھم کا پتہ لگانے اور ان دونوں کی شادی کرانے میں ڈارسی نے کلیدی رول ادا کیا۔ مسٹر ڈارسی اپنی نیکی اور شفقت کو بینیٹ کنبے کے سامنے ظاہر نہیں کرتا بلکہ اپنی پہچان کو پوشیدہ رکھتے ہوئے یہ سب کچھ مسٹر گارڈینز کے نام سے کرتا ہے۔ آخر کار اس کا یہ احسان ظاہر ہوتا ہے اور بینیٹ کنبے کا نظریہ بدلتا ہے۔ مسٹر ڈارسی کے اس ذمہ دارانہ رویے اور اس ہمدردی سے اس کی باوقار شخصیت عیاں ہوتی ہے۔ ایلزبیتھ ڈارسی کے اس نیک سلوک سے بے حد متاثر ہوتی ہے۔ اسے اپنے ردعمل پر افسوس ہوتا ہے۔ وہ ڈارسی کی رفاقت کو پسند کرتی ہے۔ آخر کار دونوں رشتۂ ازدواج میں بندھ جاتے ہیں۔ اقتباس پیش خدمت ہے:

"Have you any other objection', said Elizabeth, ' than your belief of my indifference ?'
'None at all . We all know him to be a proud, unpleasant sort of man; but this would be nothing if you really liked him.'
'I do, I do like him,' She replied, with tears in her eyes; I love him. Indeed he has no improper pride. He is perfectly amiable. You do not know what he really is; then pray do not pain me by speaking of him in such terms."(32)

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ جین آسٹین کے ہیرو مثالی نہیں ہوتے۔ ان میں صرف اچھائیاں نہیں ہوتیں بلکہ ان کی شخصیت میں ہر طرح کے عناصر ملتے ہیں۔ مصنفہ نے مثالیت پسندی سے احتراز کیا ہے۔ اس ناول کا مرکزی کردار مسٹر ڈارسی کو بطور مثال پیش کیا جا سکتا ہے۔ ڈارسی کے

اندر جہاں ایک طرف تکبر اور غرور ملتا ہے وہیں دوسری طرف اسے اپنی ذمہ داریوں کا شدید احساس بھی ہے۔اس کے اسی خوبی کے باعث ایلز بیتھ متاثر ہوتی ہے۔بینیٹ کنبے کے سارے افراد ڈارسی کے اس احسان سے خوش ہوتے ہیں۔ایلز بیتھ کے والد اور بینیٹ کنبے کے سر براہ مسٹر بینیٹ ڈارسی کی ہمدردی اور مہربانی کا ذکر کرتے ہوئے مسرت بھرے لہجے میں کہتے ہیں اقتباس ملاحظہ ہو:

"This is an evening of wonders, indeed!- And so, Darcy did every thing; made up the match, gave the money, paid the fellow's debts, and got him his commission! So much the better. It will save me a world of trouble and economy. Had it been your uncle's doing , I must and would have paid him; but these violent young lovers carry every thing their own way . I shall offer to pay him tomorrow; he will rant and storm, about his love for you, and there will be an end of the matter." 33

مندرجہ بالا اقتباس سے ڈارسی کی شفقت ،خلوص، ہمدردی اور اس کی ہمہ جہت شخصیت پر روشنی پڑتی ہے۔مصنفہ نے ڈارسی کے کردار کو مرکزی پلاٹ سے ہم آہنگ کیا ہے۔اس کردار کی نشو ونما میں ناول کے دوسرے کرداروں کی کارفرمائی بھی ملتی ہے۔

مسٹر بینیٹ ومسز بینیٹ کی پانچ بیٹیاں ہیں۔ان کی دوسری بیٹی ایلز بیتھ بینیٹ اس ناول کی ہیروئن ہے۔وہ خوبصورت دلکش اور ذہین ہے۔وہ اپنی سنجیدگی اور غیر معمولی ذہانت سے ہمیں متاثر کرتی ہے۔وہ ناول کے دوسرے نسوانی کرداروں سے مختلف ہے۔اسے وقت اور حالات کی نزاکت کو سمجھنا آتا ہے۔وہ ایک حوصلہ منداور خوددار لڑکی ہے۔ایلز بیتھ بینیٹ ہر موڑ پر ہمت وجرأت سے کام لے کر اپنی عزت نفس کی حفاظت کرتی ہے۔اس کی یہی خوبی ڈارسی کو متاثر کرتی ہے۔وہ اپنی بیمار بہن جین بینیٹ کو دیکھنے اکیلے پیدل نکل پڑتی ہے۔تیز بارش، کیچڑ اور گندگی میں تین میل پیدل چل کر نیدر لینڈ پہنچنا اس کی زندہ دلی اور ہمت کو ظاہر کرتا ہے۔اس کی خودداری کا عالم یہ ہے کہ وہ ڈارسی کی دولت سے متاثر نہیں ہوتی۔وہ ایک مصلحت پسند، دوراندیش اور سمجھدار خاتون

کی شکل میں ہمارے سامنے آتی ہے۔ وہ اپنے ماں باپ اور اپنے خاندان کی عزت وسماجی وقار کے تئیں سنجیدہ ہے۔ وہ کبھی غلط قدم نہیں اٹھاتی۔ لیڈیا کے بھاگنے پر اس کی سنجیدگی اور دور اندیشی ہمارے سامنے آتی ہے۔

ایلز بیتھ ایک حساس طبیعت کی لڑکی ہے۔ ڈارسی کے ذریعہ کیا گیا طنز اسے ذہنی اور نفسیاتی کشمکش میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اس واقعہ کے بعد سے ہی وہ ڈارسی سے خائف رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ڈارسی کی تجویز کو سختی سے کرتی ہے۔ اس سے اس کی خود کفالت اور خودداری جھلکتی ہے۔ وہ محبت تو کرتی ہے لیکن اس کی محبت میں جذباتیت وسطحیت نہیں ملتی۔ وہ پیار ومحبت اور شادی بیاہ کے سلسلے میں بہت محتاط ہے۔ ایلز بیتھ اور ڈارسی کی محبت اس کی واضح مثال ہے۔ دونوں کی شادی حسن وجمال اور دولت کی بنیاد پر نہیں ہوتی، بلکہ انسانی اقدار وحیات اور اخلاقی قدریں دونوں کو ایک دوسرے کے قریب لاتی ہیں۔ دونوں جب اکیلے ہوتے ہیں تو عشق ومحبت اور حسن وجمال کی باتیں نہیں کرتے بلکہ ایک دوسرے کو سمجھنے اور پرکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ایلز بیتھ ناول کی ہیروئن ہے۔ وہ ناول میں ہر جگہ چھائی رہتی ہے۔ اس کا کردار ڈارسی کی مانند نہایت پیچیدہ اور تہہ دار ہے۔ اس کی شخصیت کو سمجھنا آسان نہیں۔ اس کی شخصیت کی پیچیدگی کا یہ عالم ہے کہ خود اس کے والدین اس کے متعلق مختلف رائے رکھتے ہیں۔ ایلز بیتھ کی ماں مسز بینیٹ ایک غیر سنجیدہ اور بیوقوف عورت ہیں۔ ان کی شخصیت سادہ اور سپاٹ ہے۔ وہ ہر وقت اپنی بیٹیوں کی شادی کے تئیں فکر مند رہتی ہیں۔ ناول میں وہ مزاحیہ کردار کا رول ادا کرتی ہیں۔ ان کی بات چیت اور حرکات وسکنات سے مزاحیہ رنگ ٹپکتا ہے۔ جین آسٹین نے ان کے کردار کے ذریعہ ناول میں دلکشی پیدا کرنے کی سعی کی ہے۔ ناول میں ہر جگہ وہ آسانی سے پہچانی جاتی ہیں۔ وہ اپنی بیٹیوں کے لیے خوبصورت اور صاحب ثروت داماد کی تلاش میں رہتی ہیں۔ اپنی انھیں عادتوں کی وجہ سے وہ ہدف تنقید بنتی ہیں۔ ناول میں ہر جگہ ان کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ چارلس بینگلے کی بہنیں ان کی ناپسندیدہ حرکتوں سے پریشان ہوتی ہیں۔ ان کے شوہر مسٹر بینیٹ بھی انھیں ہر وقت چڑھاتے رہتے

ہیں۔ ناول کے ابتدائی حصے میں مسٹر بینگلے کی آمد کی خبر ملتے ہی مسز بینیٹ جذباتی ہو جاتی ہیں اور اس سے اپنی کسی ایک بیٹی کی شادی کا حسین خواب دیکھتی ہیں۔ وہ مسٹر بینگلے سے ملاقات کے لیے اپنے شوہر مسٹر بینیٹ پر دباؤ ڈالتی ہیں۔ وہ مسٹر بینیٹ سے کہتی ہیں:

"Design! nonsense, how can you talk so! But it is very likely that he may fall in love with one of them, and therefore you must visit him as soon as he comes." (34)

مذکورہ بالا اقتباس سے ان کی شخصیت کا مزاحیہ رنگ جھلکتا ہے۔ وہ شروع سے ہمیں اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہیں۔ ناول کے مرکزی پلاٹ کو آگے بڑھانے میں ان کا خاص رول ہے۔ مسٹر بینیٹ اپنی بیوی کی ان باتوں کو سن کر ان پر ہنستے ہیں اور ان کے اس مضحکہ خیز مشورے کو نظر انداز کرتے ہوئے ان پر طنز کرتے ہیں۔ وہ ناول میں ہر جگہ طنز کا نشانہ بنتی ہیں۔ مسٹر بینیٹ اپنی بیوی کی باتوں کا مذاق اڑاتے ہوئے کہتے ہیں:

"I see no occasion for that You and the girls may go, or you may send them by themselves, which perhaps will be still better, for as you are as handsome as any of them, Mr. Bingley might like you the best of the party."(35)

مندرجہ بالا اقتباس سے مسز بینیٹ کی پر مذاق شخصیت سامنے آتی ہے۔ مسٹر بینیٹ کے ان باتوں میں شدید طنز پوشیدہ ہے۔ مسز بینیٹ ان طنز بھرے جملوں کو سن کر پریشان ہو اٹھتی ہیں۔ ان کے مزاج اور ان کی شخصیت میں استقامت نہیں ملتی۔ ناول کے آغاز سے ہی ان کے کمزور اعصاب کا پتہ چل جاتا ہے۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

"Her mind was less difficult to develope. She was a woman of mean understanding, little information, and uncertain temper. When she was discontented, She fancied herself nervous. The business of her life was to get her daughters married ; its solace

was visiting and news." (36)

مسٹر بینیٹ ، بینیٹ خاندان کے سر براہ اور مس ایلز بیتھ کے والد ہیں۔ ناول میں ہمیں سب سے پہلے ان کا تعارف حاصل ہوتا ہے۔ مسٹر بینیٹ کا کردار اہمیت کا حامل ہے۔ ناول کے ایک دوسرے اہم کردار مسٹر کولنس کا تعارف انھیں کے ذریعہ ہوتا ہے۔ وہ ایک بڑی جائداد کے مالک ہیں۔ ان کے کوئی لڑکا نہ تھا لہذا ان کی موت کے بعد ان کی جائداد ان کے ایک دور کے رشتہ دار مسٹر کولنس کو ملنے والی ہے۔ مسٹر بینیٹ کا کردار بڑا پہلودار ہے۔ ان کا مزاج ان کی بیوی مسز بینیٹ سے نہیں ملتا۔ دونوں میں ہر وقت تکرار ہوتی ہے۔ مسٹر بینیٹ کو اس بات کا شدید افسوس ہے کہ انھوں نے ایک معمولی سمجھ رکھنے والی عورت سے شادی کر لی۔ انھیں اپنی بیوی کو پریشان کرنے اور چڑھانے میں مزہ آتا ہے۔ مسٹر بینیٹ کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس نہیں ہے۔ وہ ہر وقت اپنی ذمہ داریوں سے جی چرا کر کتب خانے میں بیٹھتے ہیں۔ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ وہ اپنی بیٹیوں کی شادی کے تئیں فکرمند نہیں ہیں لیکن ایسا نہیں ہے۔ مسٹر بینگلے سے ملنے والوں میں وہ پہلے شخص ہیں۔ انھیں بھی اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہے۔ اقتباس پیش خدمت ہے:

"Mr Bennet was among the earliest of those who waited on Mr Bingley. He had always intended to visit him, though to the last always assuring his wife that he should not go; and till the evening after the visti was paid she had no knowledge of it. It was then disclosed in the following manner. Observing his second daughter employed in trimming a hat, he suddenly addressed her with, I hope Mr.Bingley will like it, lizzy. "(37)

اوپر پیش کیے گئے اقتباس سے ان کی ذمہ داری اور فرض شناسی جھلکتی ہے۔ ان کی شخصیت بڑی تہہ دار اور پرپیچ ہے۔ ناول کے پلاٹ بالخصوص مرکزی پلاٹ کو آگے بڑھانے میں ان کا ایک منفرد رول ہے۔ ان کے کردار میں اس قدر الجھاؤ ہے کہ شادی کے ۲۳ سال بعد بھی ان کی

بیوی مسز بینیٹ، انھیں سمجھنے میں ناکام رہیں۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

"Mr Bennet was so odd a mixture of quick parts, sarcastic humour, reserve, and caprice, that the experience of three and twenty years had been insufficient to make his wife understand his character."(38)

مذکورہ بالا اقتباس سے مسٹر بینیٹ کی تہہ دار شخصیت پر روشنی پڑتی ہے۔ مسٹر بینیٹ اور مسز بینیٹ ناول کی ہیروئن مس ایلز بیتھ کی شخصیت و کردار کو ابھارنے میں مدد کرتے ہیں۔ دونوں کے افکار و خیالات میں تضاد ملتا ہے۔ یہاں تک کہ خود اپنی بیٹی ایلز بیتھ کی شخصیت کے متعلق مختلف رائے رکھتے ہیں۔ مسٹر بینیٹ ایلز بیتھ کی اچھائیوں کے معترف ہیں تو مسز بینیٹ جین بینیٹ کی خوبیوں سے متاثر ہیں۔ اقتباس پیش خدمت ہے:

"Mr. Bennet: I must throw in a good word for my little lizzy(Elizbeth).
Mrs Bennet: lizzy is not a bit better than others; and I am sure she is not half so handsome as Jane, nor half so good humoured as Lydia. But you are always giving her the preference.
Mr. Bennet: They have none of them much to recommend them , they are silly and ignorant. Like other girls; but Lizzy has some thing more of quickness than her sisters." (39)

مندرجہ بالا اقتباس مسٹر بینیٹ اور مسز بینیٹ کے افکار و خیالات میں پائے جانے والے تضاد کو پیش کرتا ہے۔ اس کے علاوہ جین بینیٹ اور ایلز بیتھ کے درمیان پائے جانے والا فرق اور ان دونوں کی شخصیت کی تہہ داری واضح ہوتی ہے۔ جین آسٹین کے کردار جیتے جاگتے سماج سے ماخوذ ہیں۔ ان میں انسانی فطرت کی پیچیدگی اور اس کے نشیب و فراز ملتے ہیں۔ ان کے اندر اچھائیاں اور برائیاں دونوں ملتی ہیں۔ وہ بہت مثالی نہیں ہوتے۔ ان کے مرکزی کرداروں میں

مثالیت پسندی نہیں ملتی۔ان میں بھی چند خامیاں ملتی ہیں۔

''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' کی ہیروئن ایلز بیتھ کے اندر حد درجہ خودداری اور خود اعتمادی ملتی ہے۔اپنی اسی خودداری وخوداعتمادی کے باعث وہ مسٹر ڈارسی کی اچھائیوں کو نہیں سمجھ پائی۔جین آسٹین کے نقادوں کا خیال ہے کہ ان کے نسوانی کرداروں کے مقابلے میں ان کے مرد کردار کمزور ہیں۔''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' کی ہیروئن ایلز بیتھ بینیٹ کا کردار مسٹر ڈارسی کے بہ نسبت زیادہ جاندار اور فطری ہے۔مس ایلز بیتھ ڈارسی کے مقابلے میں ہمیں زیادہ متاثر کرتی ہے۔ان کے ناول کی ہیروئن فیصلہ کن، سمجھدار، ذہین اور دلکش ہوتی ہے۔جین آسٹین کی ہیروئن محبت تو کرتی ہیں لیکن کوئی مثالی عاشقہ نہیں ہوتی۔ایلز بیتھ ڈارسی سے محبت کرتی ہے لیکن اس کی فطرت ومزاج میں جذباتیت اور رومانی کشش نہیں ملتی۔مسٹر ڈارسی ایلز بیتھ کو پہلی بار دیکھتے ہوئے کہتا ہے''وہ برداشت کرنے کے لائق ہے مگر اتنی خوبصورت نہیں کہ مجھے متاثر کر سکے''۔بعد میں وہ نادانستہ اس کی طرف کھینچتا چلا گیا۔آخر میں وہ اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ ایلز بیتھ سب سے خوبصورت اور حسین عورتوں میں سے ایک ہے۔

''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' کی ہیروئن ایلز بیتھ بینیٹ انگریزی زبان وادب کا ایک لازوال اور مشہور کردار ہے۔اس مایہ ناز کردار کو جین آسٹین کے تمام نسوانی کرداروں پر فوقیت حاصل ہے۔اسے "The wittiest and the most brilliant of all Jane Asuten's heroines" کہا گیا ہے۔ایلز بیتھ اپنی بڑی بہن جین بینیٹ کے بہ نسبت کم خوبصورت ہے۔بعض نقادوں نے جین بینیٹ کو ہی اس ناول کی ہیروئن قرار دیا ہے۔اگر مجموعی طور پر دیکھا جائے تو ایلز بیتھ کا مرتبہ ومقام جین بینیٹ سے بلند ہے۔وہ جین کے مقابلے میں زیادہ ذہین اور ذمہ دار ہے۔وہ گھر کی ساری ذمہ داریوں کو از خود سنبھالتی ہے۔اس کے اندر سنجیدگی، متانت، خلوص، خاکساری، ہمدردی، ذہانت، سمجھداری اور حوصلہ سب کچھ ہے۔اس کی شخصیت میں خودغرضی اور لالچ نام کی کوئی چیز نہیں ملتی۔وہ اپنی بڑی بہن سے کہیں زیادہ فعال کردار ادا کرتی ہے۔اس کے

فعال کردار اور سرگرمی کے باعث ناول میں تجسس اور کشمکش کی خوبی برقرار رہتی ہے۔

انگریزی کے بلند پایہ نقاد Andrew H.Wright ایلزبیتھ کے کردار کی افادیت اور پر اظہار خیال کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"At first glance, perhaps, the two elder Bennet sisters may seen to vie with each other for primacy in Pride and Prejudice; but elizabeth is definitely the heroine: not only does she explicity represent one of the words of the title of the story; she also quite thoroughly dominates the action- and, by comparison, Jane is a shadowy accessory". (40)

اس اقتباس سے ایلزبیتھ کی فعال شخصیت سے پردہ اٹھتا ہے۔اب اس بات کا اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں کہ ایلزبیتھ کا کردار جین کے مقابلے کہیں زیادہ اہم اور جاذب نظر ہے۔اس کا کردار ناول کے عنوان سے کافی حد تک مناسبت رکھتا ہے۔

جین بینیٹ مسٹر بینیٹ کی سب سے بڑی بیٹی ہے۔ وہ غیر معمولی حسین اور خوبصورت ہے۔ وہ اخلاق مند اور خوش مزاج بھی ہے۔اس کی شخصیت میں خاکساری، ہمدردی اور خلوص جیسے اوصاف ملتے ہیں۔اپنی انھیں خوبیوں سے وہ سب کو اپنا گرویدہ بنالیتی ہے۔میریٹن بال میں جین کو دیکھتے ہی مسٹر بینگلے اس پر فدا ہو جاتا ہے۔وہ جین کے ساتھ دو بار رقص کرتا ہے۔ڈارسی بھی اس کی دلکش شخصیت سے متاثر ہوتا ہے۔مسٹر ڈارسی جین کے حسن و جمال کی تعریف کرتے ہوئے چارلس بینگلے سے نہایت استعجاب بھرے لہجے میں کہتا ہے:

"You are dancing with the only handsome girl in the room,' said Mr Darcy, looking at the eldest miss Bennet."(41)

جین بینیٹ اپنی نازک وخوش مزاج طبیعت اور اپنے نیک سلوک کے باعث ہر دل عزیز ہوتی ہے۔چارلس بینگلے کی بہنیں جین کی ہر دل عزیزی ومقبولیت سے پریشان ہوتی ہیں اور اس سے حسد کرتی ہیں۔بینگلے بہنیں جین کو لندن میں مسٹر بینگلے سے ملنے نہیں دیتیں۔جین کے اندر

دوراندیشی اور مصلحت پسندی نہیں ملتی۔ ایلز بیتھ ،جین کو بینگلے بہنوں کی سازش کو سمجھاتی ہے۔ جین اس وقت تک اس بات پر یقین نہیں کرتی ہے جب تک کہ وہ اس پورے معاملات سے واقف نہیں ہوتی۔ اس واقعے سے جین بینیٹ کی سادہ لوح شخصیت منعکس ہوتی ہے۔

جین نہایت حساس، شریف اور شرمیلی لڑکی ہے۔ اس کی چھوٹی بہن ایلز بیتھ بینیٹ اسے فرشتہ (Angel) سے تشبیہ دیتی ہے۔ اس کے اندر مزاحمت احتجاج اور بغاوت کی خوبی نہیں ملتی۔ لیڈیا اور وکھم کے بھاگ جانے کے بعد اس نے خود کو اپنے کمرے میں محدود کر لیا تھا۔ وہ سبھی کے تئیں اچھی سوچ رکھتی ہے۔ ایلز بیتھ ڈارسی سے حسد کرتی ہے مگر جین اسے سمجھاتی ہے۔ وہ ایلز بیتھ کے اس تعصب سے اتفاق نہیں رکھتی۔

جین بینیٹ ،مسٹر بینگلے سے بے پناہ محبت کرتی ہے۔ اس نے کبھی اپنی محبت کا اظہار نہیں کیا۔ اس کی محبت پاک ہے۔ اس میں جذباتیت اور سطحیت کا گزر نہیں۔ اس کی اسی سادہ لوحی سے مسٹر بینگلے بے حد متاثر ہوتا ہے۔ ناول کے آخر میں دونوں کی شادی ہوتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کی جین بینیٹ کا کردار نہایت عام فہم اور سادہ ہے۔ اس میں کسی طرح کا الجھاؤ نہیں ملتا۔ اس اہم کردار کے ذریعہ جین آسٹین کے سماجی شعور اوران کی فنی بصیرت کا پتہ چلتا ہے۔

چارلس بینگلے ڈارسی کا قریبی دوست ہے۔ اس کا کردار عام فہم اور سادہ ہے۔ جین بینیٹ کی طرح اس کی شخصیت میں پیچیدگی نہیں ملتی۔ مسٹر ڈارسی کے بعد مسٹر بینگلے ناول کا دوسرا اہم کردار ہے۔ اس کا مزاج ڈارسی سے قدرے مختلف ہے۔ اسے اپنے بلند مرتبہ اور اپنی خوبرو شخصیت پر ناز نہیں۔ وہ ایک مخلص، ملنسار اور حساس کردار کے طور پر ہمارے سامنے آتا ہے۔ مسٹر بینگلے اپنی متاثر کن شخصیت سے جلد ہی سب کو اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے۔ جین بینیٹ پہلی نظر میں ہی اس کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔ جین آسٹین نے بینگلے کے کردار کو اچھوتے انداز میں پیش کیا ہے۔ مسٹر بینگلے کا تعارف ناول کے ابتدائی جملے سے ہوتا ہے۔ مصنفہ نے اس ناول کا آغاز اسی کلیہ سے کیا ہے

:

"It is a truth universally acknowledged, that a single man in possession of a good forfune must be in want of a wife." (42)

اس کلیہ کا واضح اشارہ چارلس بینگلے کی جانب ہے۔ وہ ایک مالدار، خوبرو اور غیر شادی شدہ نوجوان ہے۔ وہ نیتھر فیلڈ پارک میں کرایہ کا مکان لینے والا ہے۔ مسز بینیٹ اس کلیہ سے مسٹر بینگلے کی مناسبت کو سچ ثابت کر دیتی ہیں۔ وہ اپنے شوہر مسٹر بینیٹ سے نہایت اشتیاق بھرے لہجے میں کہتی ہیں:

"Netherfield is taken by a young man of large fortune from the north of England; that he came down on Monday in a chaise."(43)

مسٹر بینگلے ایک زندہ دل انسان ہے۔ اسے خودستائی پسند نہیں۔ وہ اپنے سے کمتر لوگوں کو حقارت کی نظر سے نہیں دیکھتا۔ وہ مخلص اور انسانیت پسند ہے۔ ڈارسی اگرچہ ناول کا ہیرو ہے تاہم مسٹر بینگلے اپنی بلند شخصیت و نیک اخلاق کے باعث اس پر حاوی ہے۔ ناول میں آغاز سے اختتام تک اس کی موجودگی ملتی ہے۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

"Mr Bingley was good looking and gentlemanlike; he had a pleasant countenance, and easy, unaffected manners."(44)

ایک اور اقتباس پیش خدمت ہے:

"Mr Bingley had soon made himself acquainted with all the Principal people in the room; he was lively and unreserved, danced every dance, was angry that the ball closed so early, and talked of giving one himself at Netherfield" (45)

ان اقتباسات سے چارلس بینگلے کی سیرت اور صورت پر بھرپور روشنی پڑتی ہے۔ بینیٹ بہنیں مسٹر بینگلے کی دلکش شخصیت سے کافی متاثر ہوتی ہیں۔ جین بینیٹ مسٹر بینگلے کے ساتھ رقص

کرتی ہے۔ وہ اس کی رفاقت سے بے حد خوش ہوتی ہے۔ جین بینیٹ بھی پہلی نظر میں ہی اسے بھا جاتی ہے۔ وہ اس سے رشتۂ الفت استوار کرنا چاہتا ہے۔ دونوں کی محبت میں آہ وفریاد کی کیفیت نہیں ملتی۔ دونوں ایک دوسرے کو دل سے چاہتے ہیں۔ مسٹر بینگلے ایک طویل مدت کے بعد جین سے ملتا ہے پھر بھی ان دونوں کے جذبات واحساسات میں کوئی کمی نہیں آتی۔ ان کی محبت میں سادگی ہے۔ انھیں دکھاوا پسند نہیں۔ درحقیقت مسٹر بینگلے جین بینیٹ کے لیے مناسب اور مخلص شوہر ہے۔ جین بینیٹ بھی بینگلے کی قابلیت کی قائل ہے۔ وہ بینگلے کی تعریف کرتے ہوئے کہتی ہے:

"He is just what a young man ought to be',said she,' sensible, good humoured, lively; and I never saw such happy manners!- so much ease, with such perfect good breeding!"(46)

اس طرح واضح رہے کہ مسٹر بینگلے کا کردار ایک منفرد نوعیت کا ہے۔ ناول کے مرکزی پلاٹ کے ارتقاء میں اس کا ایک جداگانہ اور اہم رول ہے۔ بینگلے کے علاوہ دوسرے تمام نوجوان کردار رفیق حیات کی تلاش میں سرگرداں اور متحرک ہوتے ہیں۔ مصنفہ نے اپنے فلسفہء حیات کو ان نوجوان کرداروں کے ذریعہ پیش کیا ہے۔ ان کے کردار ناول کے موضوع اور ماحول کے عین موافق ہیں۔ ان کے ہیرو وہیروئن اور دوسرے نوجوان کردار خوبصورت وحسین ہیں۔ کسی کردار میں جذباتیت ملتی ہے تو کسی میں سنجیدگی اور متانت۔ وہ اپنے کردار کی خامیوں اور کمزوریوں سے فائدہ اٹھاتی ہیں۔ وہ کرداروں کی کمزوریوں پر طنز کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس ناول میں بعض اوقات طنز کے نشتر ملتے ہیں۔ ان کے ناول کے کرداروں کی خامیوں کے باعث ہی پلاٹ آگے بڑھتا ہے۔ ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' میں ایلز بیتھ کی تعصب اور ڈارسی کے پندار اور تکبر کے سبب ناول کا قصہ طول پکڑ لیتا ہے۔ ان کے دوسرے ناولوں میں بھی یہ وصف ملتا ہے۔

جین آسٹین انسانی فطرت کی نباض ہیں۔ انھیں انسانوں کے جذبات واحساسات میں جھانکنا آتا ہے۔ وہ انسانی کمزوریوں کو اپنے کرداروں کے ذریعہ دلچسپ اور مزاحیہ

انداز میں آشکار کرنے کا ہنر جانتی ہیں۔ زیر بحث ناول میں کرداروں کی جہالت، بیوقوفی، دغابازی، لالچ، خودغرضی، غرور، ہوس پرستی اور حسد پر طنز ملتا ہے۔ اس ناول میں انھوں نے مسٹر کولنس، مسز بینیٹ اور لیڈی کیتھرین جیسے مزاحیہ کردار پیش کیے ہیں۔ یہ کردار انگریزی ناول نگاری کی روایت میں اپنی ایک الگ پہچان رکھتے ہیں۔

مسٹر کولنس، مسٹر بینیٹ کا رشتہ دار ہے۔ مسٹر بینیٹ کی موت کے بعد ان کی ساری جائداد مسٹر کولنس کو ملنے والی ہے۔ وہ مسٹر بینیٹ کی بیٹی مس ایلز بیتھ بینیٹ کو شریک حیات بنانا چاہتا ہے۔ وہ اس سے اپنی محبت کا اظہار کرتا ہے۔ یہ جان کر کہ ایلز بیتھ کی شادی کہیں اور ہونے والی ہے، اس کی مخلص سہیلی شارلٹ لیوکاس کی طرف مائل ہوتا ہے۔ شارلٹ لیوکاس کی رضامندی ملتے ہی دونوں کی شادی ہو جاتی ہے۔ مسٹر کولنس کا کردار بہت سادہ ہے۔ اس میں کوئی الجھاؤ اور پیچیدگی نہیں ہے۔ وہ ایک کم فہم اور بیوقوف نوجوان ہے۔ وہ ناول کے قصے اور اہم کرداروں کی ارتقاء میں مدد کرتا ہے۔

لیڈی کیتھرین مسٹر ڈارسی کی خالہ ہیں۔ وہ ایک غیر سنجیدہ اور کم فہم عورت ہیں۔ وہ ناول میں ہر جگہ اپنی کم ظرفی کا مظاہرہ کرتی ہیں۔ لیڈی کیتھرین اپنے افکار وخیالات کو دوسروں پر تھوپنا چاہتی ہی۔ دوسروں کی ذاتی زندگی میں دخل اندازی کرتی ہیں۔ ناول میں ان کا تعارف مسٹر ڈارسی کے خط کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔ ان کی ایک بیمار بیٹی ہے۔ اس کی شادی وہ مسٹر کولنس سے کرنا چاہتی ہیں۔ ایک لمبے وقت سے ٹال مٹول کرنے کے بعد وہ شادی کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ لیڈی کیتھرین مسٹر کولنس کی سرپرست ہیں۔ کولنس ان کی شان میں قصیدے پڑھتا ہے۔ ان کی جھوٹی تعریفیں کرتا ہے۔ دراصل وہ ان کے احسان سے دبا ہوا ہے۔ لیڈی کیتھرین کو خودستائی پسند ہے۔ وہ اپنی بات چیت کے ذریعہ ہمیں اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہیں۔ وہ ایک غیر مہذب، مغرور، نادان اور کم عقل کردار کی شکل میں ہمارے سامنے آتی ہیں۔ انھیں اپنی دولت، عظمت اور سماجی مرتبہ پر فخر ہے۔ ایلز بیتھ، لیڈی کیتھرین کا ذکر ایک مغرور اور خود پسند عورت کے طور پر کرتی ہے۔ وکھم ان

کے بارے میں کہتا ہے :

"Her manners were dictatorial and insolent. She has reputation of being remarkably sensible and clever; but I rather believe she derives part of her abilities from her rank and fortune, part from her authoriative manner, and the rest from the pride of her nephew."(47)

لیڈی کیتھرین کا مزاحیہ کردار اور ان کی پر مذاق شخصیت ہمیں جلد ہی اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے۔ ناول کے مرکزی پلاٹ کو استحکام بخشنے اور ایلزبیتھ وڈارسی معاملے کی گتھی کو سلجھانے میں ان کی اہم کارفرمائی ملتی ہے۔ مذکورہ بالا کردار اپنے افکار و خیالات اور اپنی مزاحیہ شخصیت کے باعث انگریزی ناول نگاری کی دنیا میں ایک الگ پہچان رکھتے ہیں۔

مذکورہ بالا تفصیلات سے جین آسٹین کی کردارنگاری اوراس فن پر ان کی مضبوط گرفت کھل کرسامنے آتی ہے۔ان کی کردارنگاری کا ایک خاص وصف یہ ہے کہ وہ کسی بھی کردار کو دوبارہ پیش نہیں کرتیں بلکہ جدت و نئے پن سے کام لیتی ہیں۔ان کے کردار حقیقی اورانسانی سماج سے ماخوذ ہیں۔وہ تخیل میں پرواز نہیں کرتے بلکہ انسانی زندگی کے کسی رخ کو پیش کرتے ہیں۔اس سے ان کے عمیق مطالعے اور گہرے مشاہدے کا پتہ چلتا ہے۔اس ناول میں ہر طرح کے کردار ملتے ہیں۔''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' کے بعض کردار اپنی انفرادیت کے باعث لازوال اور لافانی ہوگئے ہیں۔مختصر یہ کہ اس ناول کو ادبی مقبولیت اوردل آویزی عطاء کرنے میں ان کی کردارنگاری کا ایک امتیازی رول ہے۔

مکالمے

مکالمہ ناول کا ایک اہم جز ہے۔ دراصل مکالمہ ڈرامے کا بنیادی وصف ہے اور ڈرامے سے یہ جز ناول میں داخل ہوا۔ مکالمے کے توسط سے ناول نگار ڈرامائی شان پیدا کرتا ہے۔ ناول کے پلاٹ کے ارتقاء اور کرداروں کی شخصیت کو عیاں ہونے میں مکالمے کا ایک امتیازی رول ہوتا ہے۔ خاص طور پر ناول نگار جب کرداروں کو ڈرامائی انداز میں پیش کرتا ہے تو اس کی کارفرمائی ناگزیر ہو جاتی ہے۔ مکالمے میں دلکشی اور خوبصورتی پیدا کرنے کے لیے ژرف نگاہی و فنی مہارت درکار ہے۔ مکالمے کی کامیابی کے لیے لازمی قرار پاتا ہے کہ مکالمے مختصر، موزوں، برجستہ، بے ساختہ، فطری اور دلکش ہوں۔ ناول میں مکالمے کی اہمیت اور اس کی خصوصیت پر روشنی ڈالتے ہوئے انگریزی ادب کے مشہور نقاد William Henry Hundson کا کہنا ہے :

" Dialogue, well managed, is one of the most delightful elements of a novel; it is that part of it in which we seen to get most intimately into touch with people, and in which the written narrative most nearly approaches the vividness and actuality of the acted darama. The expansion of this element in the modern fiction is, therfor, a fact of great significance, Good dialogue greatly brightens a narrative, and its judicious and timely use is to be regarded as evidence of a writer's technical skill." (48)

مذکورہ اقتباس میں ہڈسن نے مکالمے کو ناول کا اہم عنصر قرار دیا ہے۔ انھوں نے اس خاص بات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ مکالمے کے صحیح استعمال سے ناول نگار کی تکنیکی بصیرت کا

اندازہ ہوتا ہے۔ولیم ہنری ہڈسن کی یہ رائے مکالمہ نگاری کی افادیت کو واضح کرتی ہے۔

جین آسٹین نے اپنے کرداروں کے ذریعہ اپنے عصر کی تہذیبی و معاشرتی زندگی کی آئینہ داری کی ہے۔''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' کے اکثر و بیشتر کردار ڈرامائی انداز میں ظہور پذیر ہوتے ہیں۔کرداروں کی پیش کش میں انھوں نے مکالمے کو ایک مضبوط اور کارگر آلہ کے طور پر استعمال کیا ہے۔اس ناول کے کرداروں کی زبان سے ادا ہونے والے مکالمے کرداروں کی شخصیت اور ان کے جذبات واحساسات کو خوش اسلوبی کی ساتھ پیش کرتے ہیں۔کرداروں کی بات چیت سے جین آسٹین کی ژرف نگاہی اور باریک بینی مترشح ہوتی ہے۔جین آسٹین کے ناقدین اس امر پر متفق ہیں کہ انھوں نے شیکسپیئر کے نظریۂ ادب اور اسلوب و معیار سے استفادہ کیا ہے۔ان کے ناولوں میں پائی جانے والی ڈرامائی شان اس بات کی طرف واضح اشارہ کرتی ہے۔

''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس''میں کردار مکالمہ نگاری کے پس پردہ نمودار ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ پلاٹ کے واقعات کے ارتقاء اور اس کی فطری تسلسل کو برقرار رکھنے میں مکالمے کی کار فرمائی ملتی ہے۔جین آسٹین کی مکالمہ نگاری سے ان کی فکری وفنی بصیرت واضح ہوتی ہے۔اس ناول میں مستعمل مکالمے کرداروں کی ذہنی معیار کے عین موافق ہیں۔ان میں ایک فطری ہم آہنگی ملتی ہے۔مثلاً ایلز بیتھ اور مسٹر ڈارسی کی زبان سے ادا ہونے والے مکالموں سے دونوں کی سنجیدگی، مصلحت پسندی اور دور اندیشی ظاہر ہوتی ہے۔جین بینیٹ اور چارلس بینگلے کے مکالموں سے ان کی خاکساری، انکساری، خلوص اور ان کی سادہ لوح شخصیت جھلکتی ہے۔لیڈی کیتھرین، مسز بینیٹ اور مسٹر کولنس کے مکالمے ان کی مضحکہ خیز شخصیت اور ان کی جہالت کو پیش کرتے ہیں۔لیڈیا بینیٹ اور وکھم کی زبان سے نکلنے والے الفاظ ان کی جہالت، جذباتیت اور سطحی فکر کی غمازی کرتے ہیں۔زیر مطالعہ ناول میں مختلف نوعیت کے کردار ملتے ہیں۔اس میں نوجوان طبقے کے کرداروں کی تعداد زیادہ ہے۔ناول میں چند معمر اور عمر رسیدہ کردار بھی شامل ہیں۔یہ تمام کردار اپنی بات چیت اور اپنے انداز گفتگو سے باآسانی پہچانے جاتے ہیں۔

جین آسٹین کو زبان وبیان پر عبور حاصل ہے۔ ان کی یہ زبان دانی ان کے مکالموں سے عیاں ہوتی ہے۔ ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' کے مکالمے نہایت فطری، دلکش اور برمحل ہیں۔ ان میں بے ساختگی اور برجستگی کی خوبی ملتی ہے۔ جین آسٹین انسانی نفسیات سے بخوبی واقف ہیں۔ انھیں حالات اور وقت کی نزاکت کو سمجھنا اچھی طرح آتا ہے۔ وہ جانتی ہیں کہ انسانوں پر کس وقت کس طرح کے جذبات طاری ہوتے ہیں۔ کرداروں کے اعمال وافعال اور ان کی حرکات وسکنات سے جین آسٹین کے فنی تجربے کا اندازہ ہوتا ہے۔ کرداروں کی بات چیت میں کسی قسم کی آورداور تصنع کا احساس نہیں ہوتا۔ مسٹر بینیٹ، جین بینیٹ اور ایلز بیتھ بینیٹ کے درمیان ہوئی بات چیت کا انداز ملاحظہ ہو:

"It is possible!' cried Elizabeth, when she had finished. 'Can it be possible that he will marry her?'
'Wickham is not so undeserving, then, as we have thought him; said her sister.'My dear father. I congratulate you.'
'And have you answered the letter?' said Elizabeth.
'No;but it must be done soon'.
Most earnestly did she then entreat him to lose no more time before .
'Oh! my dear father,' she cried, 'come back and write immediately. Consider how important every moment is in such a case.'
'Let me write for you', said Jane, 'If you dislike the trouble yourself.'
'I dislike it very much, ' he replied; 'but it must be done.'(49)

اس اقتباس سے جین آسٹین کی مکالمہ نگاری کی سادگی، دلکشی اور فطری پن پر روشنی پڑتی ہے۔ ان مکالموں کی زبان عام فہم اور سادہ ہے۔ اس میں کسی قسم کی پیچیدگی اور آوردہ کا احساس نہیں ہوتا۔ انھوں نے مکالموں میں بہت معیاری زبان استعمال نہیں کی ہے۔ ان مکالموں سے جنوبی انگلستان کے متوسط طبقے کی زبان وبیان اور بول چال کی خوبی جھلکتی ہے۔ مصنفہ کو متوسط طبقے

کی زبان و بیان پر دسترس حاصل ہے۔ انھوں نے اس مخصوص زبان و بیان کو ادبی حسن کے ساتھ برتنے کی کوشش کی ہے۔

جین آسٹین نے ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' میں مکالمہ نگاری کے فن کو خوبصورتی کے ساتھ برتا ہے۔ ناول میں بعض اوقات روز مرے کا انداز بھی ملتا ہے۔ ان کے مکالمے زیادہ طویل نہیں ہوتے۔ انھوں نے اختصار پسندی سے کام لے کر مکالموں میں عام بول چال کی کیفیت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس ناول میں مکالمے کی بڑی اہمیت ہے۔ کرداروں کی بات چیت اور انداز گفتگو سے ناول میں تجسس اور کشمکش کی خصوصیت پیدا ہوگئی ہے۔ اس ناول کے پلاٹ کو آگے بڑھانے اور کرداروں کے ارتقاء میں مکالمے کی اہمیت ناقابل فراموش ہے۔ مس بینگلے اور مسٹر ڈارسی کے درمیان ہوئی بات چیت کے چند مکالمے ملاحظہ ہوں:

"How delighted Miss Darcy will be to receive such a letter!'
He made no answer.
'You write uncommonly fast.'
'You are mistaken. I write rather slowly.'
'How many letters you must have occasion to write in the course of a year! Letters of business, too! How odious I should think them!'
'It is fortunate, then , that they fall to my lot instead of to yours.'
'Pray tell your sister that I long to see her.'
'I have already told her so once, by your desire.'
'I am afraid you do not like your pen.- Let me mend it for you . I mend pens remarkably well.'
'Thank you - but I always mend my own.'
'How can you contrive to write so even?'
He was silent."(50)

ان مکالموں میں بول چال اور طرز گفتگو کا دلکش اور عام فہم انداز ملتا ہے۔ ان مکالموں میں فطری بہاؤ اور روانی ملتی ہے۔ یہ مکالمے مختصر، برمحل اور پر تاثیر ہیں۔ ان میں کسی قسم کی

فلسفیانہ گفتگو نہیں ملتی بلکہ مکالموں سے کرداروں کی پسند ناپسند اور ان کے ذہنی معیار کا پتہ چلتا ہے۔ ناول میں ہر جگہ یہی انداز ملتا ہے۔ مکالمے لکھتے وقت وہ خود کردار بن جاتی ہیں۔ ایسے میں ان کا فن اور نکھر جاتا ہے۔ وہ اپنے اسی اسلوب اور پرلطف طرز تحریر سے پہچانی جاتی ہیں۔ Chapman انگریزی تنقید نگاری کا ایک اہم نام ہے۔ انھوں نے جین آسٹین کے اسلوب خصوصا ان کی مکالمہ نگاری کے وصف کو کافی سراہا ہے۔ بقول چیپمین:

> "Jane Austen had complete mastery over dialogue. She is one of the greatest stylists because she is one of the most accurate writers of dialogue of her own or any age."(51)

اوپر پیش کیے گئے اقتباس میں چیپمین نے مصنفہ کی مکالمہ نگاری کی انفرادیت کو صاف لفظوں میں بیان کیا ہے۔ دراصل انھیں اس فن پر مکمل عبور حاصل ہے۔ انھوں نے مشکل پسندی اور تصنع سے احتراز کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ناول کی زبان میں بول چال کا عام فہم، دلکش اور فطری انداز پیدا ہو گیا ہے۔ انھوں نے کرداروں کی بات چیت کے لیے متوسط طبقے کی زبان اور لب ولہجہ استعمال کیا ہے۔ ان کی فکر کا دائرہ تنگ ہے۔ ان کے موضوعات میں وسعت نہیں ملتی۔ انھوں نے اپنے اس محدود دائرہ میں رہ کر اپنی ادبی عظمت کا لوہا منوایا ہے۔ ان کی فکری وفنی بصیرت ناول کے کرداروں کی بات چیت اور انداز گفتگو سے ظاہر ہوتی ہے۔ اس طرز گفتگو سے مکالموں کی جاذبیت اور تاثیر میں اضافہ ہوا ہے۔

''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' میں خود کلامی (Dramatic Monologue) کی عمدہ مثالیں ملتی ہیں۔ یہ کیفیت صنف ڈرامہ میں پائی جاتی ہے۔ جین آسٹین نے خود کلامی کے ذریعہ کرداروں کے داخلی جذبات واحساسات کو اچھے انداز میں پیش کیا ہے۔ اس ناول میں ملنے والی خود کلامی کی خوبی سے کرداروں کی نفسیاتی گرہیں کھلتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ مکالموں کی کامیابی اور دلکشی کی ایک خاص وجہ الفاظ کا دروبست ہے۔ وہ موزوں الفاظ کو موقع ومحل کے اعتبار سے استعمال کرنا

جانتی ہیں۔ ان کے اسی وصف کے باعث ناول کے بعض جملوں میں ضرب المثل کی خوبی در آئی ہے۔

کرداروں کی بات چیت سے بعض دفعہ طنز ومزاح کی خصوصیت بھی جھلکتی ہے۔ وہ کرداروں کی کمزوریوں اور خامیوں کو طنز آمیز انداز میں پیش کرتی ہیں۔ مکالموں میں ملنے والی طنز کی خوبی سے قاری لطف اندوز ہوئے بغیر نہیں رہ پاتا۔ ان کے بعض کردار بے حد مضحکہ خیز اور دلچسپ طریقے سے کلام کرتے ہیں۔ مختصر یہ کہ طنز ومزاح کی کیفیت سے مکالموں کے حسن ودلکشی میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا ہے۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

"I hope Mr Bingley will like it, Lizzy.'
'Don't keep coughing so, Kitty, for heaven's sake! Have a little compassion on my nerves. You tear them to pieces.'
'Kitty has no discretion in her coughs,' said her father; 'she times them ill.'
'I do not cough for my own amusement ,'replied Kitty fretfully."(52)

اس عبارت سے جین آسٹین کے پرلطف طرز تحریر اور ان کے مکالمے کی دلکشی واضح ہوتی ہے۔ بعض کردار فکر انگیز اور سنجیدہ گفتگو کرتے ہوئے بھی نظر آتے ہیں۔ ایسے کرداروں کے مکالموں میں جذباتیت نہیں ملتی۔ یہ تمام کردار اپنی بات چیت اور انداز گفتگو سے با آسانی پہچانے جاتے ہیں۔ اقتباس پیش خدمت ہے:

" What think you of books?' said he, smiling.
'Books- oh ! no.- I am sure we never read the same, or not with the same feelings.'
'I am sorry you think so; but if that be the case, there can at least be no want of subject. - We may compare our different opinions.'
'No - I cannot talk of books in a ball-room; my head is always full of something else.'
'The present always occupies you in such scenes-

does it? 'said he, with a look of doubt."(53)

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ جین آسٹین نے نہایت سادگی اور صفائی کے ساتھ مکالمے کی ادائیگی کی ہے۔ ہر چند کہ مصنفہ انگریزی ناول نگاری کے ارتقائی دور سے تعلق رکھتی ہیں تاہم ان کے یہاں بلا کی صفائی اور سادگی ہے۔ انھوں نے زبان و بیان اور اسلوب کی سطح پر اپنے تخلیقی حسن کا مظاہرہ کیا ہے۔ ان کے عہد سے انگریزی ناول نگاری کی دنیا میں ایک نئے باب کا آغاز ہوا۔

ان کے ناول سے جنوبی انگلستان کی تہذیبی و معاشرتی اقدار و حیات، وہاں کی بول چال اور انداز گفتگو کی حقیقی تصویر ابھرتی ہے۔ان کا ناول ''پرائیڈ انیڈ پریجوڈس'' اپنی زبان و بیان بالخصوص موزوں، دلکش اور پر تاثیر مکالموں کے باعث ایک امتیازی شان رکھتا ہے۔''پرائیڈ انیڈ پریجوڈس'' کو ان کی تمام تخلیقات میں خصوصی اہمیت حاصل ہے۔اس ناول کی مقبولیت کا اس سے اچھا ثبوت اور کیا ہوسکتا ہے کہ مشرق مغرب میں اس پر کئی فلمیں بنیں۔

اسلوب اور زبان و بیان

ایک کامیاب ناول کے لیے خوبصورت اسلوب اور زبان و بیان ضروری ہے۔ اسلوب جس قدر دلکش اور دلآویز ہوگا ناول اتنا ہی کامیاب اور دلچسپ ہوگا۔ یہ صلاحیت خداداد بھی ہوتی ہے اور خانہ ساز بھی۔ جین آسٹین انگریزی ناول نگاری کا ایک ایسا نام ہے جس نے اپنے فکر وفن سے انگریزی زبان وادب کو مالا مال کیا۔ جین آسٹین اسلوب اور زبان و بیان کو برتنے کا ہنر جانتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ناولوں میں غضب کی تازگی، دلکشی اور فطری پن کا احساس ہوتا ہے۔ انھوں نے جس نکھار وصفائی اور جس تکنیکی خوبی کے ساتھ سماج اور معاشرہ کی عکاسی کی ہے، وہ انھیں کا خاصہ ہے۔ وہ اٹھارہویں صدی کی پیداوار ہیں۔ انھوں نے کلاسیکی فن وتکنیک کی پاسداری کی ہے۔

جین آسٹین کو جنوبی انگلستان کی معاشرتی وتہذیبی زندگی سے ذہنی مناسبت ہے۔ وہ وہاں کی عام بول چال کی زبان سے بخوبی آشنا ہیں۔ انھوں نے اپنی دلکش اور پرلطف زبان و بیان سے اپنے ناولوں میں ادبی حسن اور دلکشی پیدا کی ہے۔ جین آسٹین نے اپنے ناولوں میں خالص ادبی زبان استعمال نہیں کی ہے بلکہ مشکل پسندی اور تصنع سے گریز کرتے ہوئے عام فہم اور بول چال کی زبان کو ترجیح دی ہے۔ ان کے شاہکار ناول ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' میں زبان و بیان کی سادگی اور اسلوب کی عمدہ مثال ملتی ہے۔

جین آسٹین نے کلاسیکی روایات کو آگے بڑھاتے ہوئے ان میں ندرت اور نیا رنگ و آہنگ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ انھوں نے کرداروں کی پیش کش اور ناول کے پلاٹ کو مستحکم بنانے کے لیے مکالموں اور خطوط کا سہارا لیا ہے۔ ان کے اسلوب کی ایک خوبی یہ ہے کہ انھوں

نے طنز و مزاح کے ذریعہ ایک خوشگوار و لطیف کیفیت پیدا کی ہے۔ کرداروں کی مزاحیہ گفتگو اور احمقانہ حرکات و سکنات سے ناول میں طنز و مزاح کی چاشنی پیدا ہو گئی ہے۔ جین آسٹین نے اپنے تجربات و مشاہدات اور اپنی تخلیقی بصیرت کی روشنی میں ناول کے فن و اسلوب کی جمالیاتی اقدار کا پاس رکھا ہے۔ ان کے طرز تحریر اور اسلوب میں ناول کی جمالیاتی بصیرت کی روح پیوست ہو گئی ہے۔

رچارڈسن کے ''پامیلا'' (Pamela) کو انگریزی زبان و ادب کا پہلا حقیقی ناول ہونے کا شرف حاصل ہے۔ انھوں نے اس ناول کے پلاٹ کو خطوط کے ذریعہ آگے بڑھایا ہے۔ انگریزی ناول نگاری میں رچارڈسن کا یہ پہلا تجربہ ہے۔ ناول کے تمام خطوط کرداروں کے ذریعہ ایک دوسرے کو تحریر کیے گئے ہیں۔ ایسے ناول کو ہم "Epistolary Novel" کے نام سے جانتے ہیں۔ جین آسٹین نے رچارڈسن کے اس تکنیکی تجربے کا استعمال اپنے ناولوں میں حسب موقع کیا ہے۔ زیر مطالعہ ناول میں ان کا یہ انداز ملتا ہے۔ اس اسلوب کے ذریعہ پلاٹ اور کردار نگاری کے ارتقاء میں مدد ملتی ہے۔ جین آسٹین کے دوسرے ناولوں میں بھی یہ طریقہء کار مستعمل ہے۔ اس ناول کا پہلا خط مسٹر بینگلے کے ذریعہ جین بینیٹ کو اور آخری خط لیڈیا کے ذریعہ ایلز بیتھ بینیٹ کو لکھا گیا ہے۔ ان خطوط کے ذریعہ ناول کے پلاٹ اور کرداروں کے درمیان ہم آہنگی اور ادبی حسن پیدا ہو گیا ہے۔ خطوط کے چند نمونے پیش خدمت ہیں:

"My dear Friend,
If you are not so compassionate as to dine today with Louisa and me, we shall be in danger of hating each other for the rest of our lives, for a whole day's tete-a-tete between two women can never end without a quarrel. Come as soon as you can on the receipt of this. My brother and the gentlemen are to dine with the officers.
Yours ever,
Caroline Bingley."(54)

ایک دوسری مثال ملاحظہ ہو:

" Dear Sir,

I must trouble you once more for congratulations. Elizabeth will soon be the wife soon be the wife of Mr Darcy.Console Lady Catherine as well as you can.But, if I were you, I would stand by the nephew. He has more to give.
Yours sincerely & c."(55)

ان خطوط سے کرداروں کے جذبات واحساسات اور افکار ونظریات کی عکاسی ہوتی ہے۔ قصے و پلاٹ کو استحکام بخشنے میں ان خطوط کا منفرد رول ہے۔ ناول کے ہیرو مسٹر ڈارسی کے وضاحتی خط کے ذریعہ ہی ہیروئن ایلزبیتھ کی بدگمانی اور غلط فہمی کا ازالہ ہوتا ہے۔ انھوں نے شعوری طور پر اس اسلوب کو اپنایا ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ جین آسٹین نے ایک خاص مقصد کے تحت اور ایک کارگر آلہ کے طور پر ان خطوط کا استعمال کیا ہے۔

ڈاکٹر ایس سین (Dr. S. Sen) مصنفہ کے اسلوب پر رائے زنی کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"Jane Austen makes significant use of this method in all her novels to present important events and carry the story forward. In 'Pride and Prejudice' too Jane Austen has effectively quoted some letters partly or fully."(56)

معروف مغربی نقاد Mary Lascelles نے جین آسٹین کے اس اسلوب کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا ہے:

"The virtue of this style which jane Austen has made to be the means of communication of her characters lies in its equitable settlement of conflicting claims; not only does it allow her people to be constant without becoming static, but it gives them a language in which they may speak to us as they would while telling us what she means that they should."(57)

ان ناقدین نے جین آسٹین کے اس اسلوب کی نوعیت اور اس کی افادیت کے متعلق معروضی انداز میں گفتگو کی ہے۔ڈاکٹر ایس سین نے ان خطوط کی اہمیت کو اطلاعات کی ترسیل سے جوڑ کر دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ بعد کے دوسرے نقاد نے بھی اسی نکتے پر اپنی توجہ مرکوز کی ہے۔ جین آسٹین نے ان خطوط کو موقع ومحل کے اعتبار سے شامل کیا ہے۔ یہ خطوط پلاٹ کو ایک منطقی ربط وآہنگ عطا کرتے ہیں۔انھیں ناول سے الگ کرنا ناممکن ہے۔ یہ خطوط کرداروں کے جذبات و احساسات کی ترجمانی کے علاوہ ناول کی دلکشی میں بھی اضافہ کرتے ہیں۔

جین آسٹین کو انگلینڈ کے متوسط طبقے کی زبان و بیان پر مہارت حاصل ہے۔ جنوبی انگلستان کے متوسط طبقے کی تہذیبی وثقافتی زندگی کی ترجمانی کے لیے انھوں نے اسی طبقے کی زبان استعمال کی ہے۔جین آسٹین نے عام بول چال کی زبان، اس کے محاوروں اور کہاوتوں کے ذریعہ اپنے اسلوب میں چمک اور دلکشی پیدا کی ہے۔ان کے یہاں فطری پن اور روانی ملتی ہے۔ انھوں نے بول چال کے سادہ اور عام فہم الفاظ استعمال کیے ہیں۔ان کے مکالمے برمحل، برجستہ ،فطری،موزوں اور بے ساختہ ہیں۔''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' میں زور بیان کے نمونے کم ملتے ہیں۔ ناول میں بعض اوقات معنی خیز جملے بھی ملتے ہیں۔خوبصورت تشبیہات واستعارات نے ان کی زبان میں ادبی لطافت پیدا کر دیے ہیں۔

ان کی زبان وبیان کی ایک اہم خوبی طنز ومزاح کی کیفیت ہے۔ان کے اسلوب بیان کا اصل جوہر ان کی شگفتگی ،شوخی اور طنز ومزاح میں ہے۔مجموعی طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ جین آسٹین نے اپنی شگفتہ اور خوبصورت زبان وبیان کے ذریعہ اپنے ناولوں کو عمدہ اسلوب کے سانچے میں ڈھالا ہے۔ ان کے ناولوں میں زبان و بیان کی سطح پر پیچیدگی نہیں ملتی۔ انھوں نے اپنے موضوعات کے اعتبار سے موزوں زبان وبیان اور مناسب اسلوب کا انتخاب کیا ہے۔اس میں وہ بڑی حد تک کامیاب بھی ہوئیں Walterscott, Coleridge, Sidney, Macaulay,Maugham,Goldsmith, Soulthey, جیسے انگریزی زبان وادب

کے نقادوں اور ادیبوں نے ان کے طرز تحریر پر اور زبان و بیان کی خوبی و عظمت کا اعتراف کیا ہے۔

زبان و بیان کی صفائی اور سادگی کے لیے اقتباس ملاحظہ ہو:

"Is your master much at Pemberley in the course of the year?'
'Not so much as I could wish, sir; but I dare say he may spend half his time here; and Miss Darcy is always down for the summer months.'
Except, thought Elizabeth, when she goes to Ramsgate.
'If your master would marry, you might see more of him;
'Yes, sir; but I do not know when that will be. I do not know who is good enough for him."(58)

اوپر پیش کیے گئے اقتباس میں زبان و بیان کی صفائی، سادگی اور روانی کی اچھوتی مثال موجود ہے۔ مصنفہ نے بول چال اور ادبی زبان کے درمیان ایک ایسی نفیس اور فطری زبان ایجاد کی ہے جس میں غضب کی روانی اور دلکشی ہے۔ ناول میں منظر کشی اور جذبات نگاری کی مثالیں بھی جا بجا ملتی ہیں۔ ناول میں وہاں کا سارا سماجی نظام مثلاً بود و باش، خورد و نوش، عیش و عشرت، شادی بیاہ اور رقص و سرور کی رنگین محفل کے علاوہ وہاں کے موسم، وہاں کی عمارات، آمد و رفت کے ذرائع وغیرہ کی صدہا تصویریں ناول میں موجود ہیں۔

جین آسٹین نے کرداروں کے ذہنی معیار کے اعتبار سے مکالمے استعمال کیے ہیں۔ سنجیدہ کرداروں کی گفتگو سے سنجیدگی اور ذہانت جھلکتی ہے۔ مزاحیہ کرداروں کی زبان سے جذباتیت اور سطحیت کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ ان خصوصیات نے ان کے اسلوب اور طرز ادا میں ادبی حسن و لطافت پیدا کر دیے ہیں۔

انگریزی زبان و ادب کے ممتاز ناقد W. Somerset Maugham جین آسٹین کے اسلوب کی افادیت اور زبان و بیان کی خوبی پر اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے

رقم طراز ہیں:

"Jane Austen was not a great stylist, but she wrote plainly and without effectation. Her style is a fine specimen of the qualities of the eighteenth century. I think the influence of Dr. Johnson can be discerned in the structure of her sentences. She is apt to use the word of Latin origin rather than the plain English on, the abstract rather than the concrete. It gives her phrases a slight formality whichis far from unpleasant; indeed it often adds point to a witty remark and ademure savor to a malicios one. Her dialogue is probably as natural as dialogue can ever be."(59)

مذکورہ بالا اقتباس میں مائم نے جین آسٹین کی زبان و بیان کی دلکشی اور اسلوب کی انفرادیت پر خامہ فرسائی ہے۔ انھوں نے جین آسٹین کی زبان اور اس کے بنیادی ڈھانچے میں Dr.Johnson کی زبان و بیان اور اسلوب کے اثرات کی نشاندہی کی ہے۔ یہ درست ہے کہ مصنفہ نے اپنے پیش رو ادیبوں کے فکر وفن سے استفادہ کیا ہے تاہم انھوں نے اپنی تخلیقی کائنات میں جدت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے ناولوں کی زبان و بیان اور اسلوب کی یہی انفرادیت ان کی ادبی شہرت و مقبولیت کا راز ہے۔

دونوں ناولوں کے فن اور تکنیک کا تقابلی مطالعہ

فن وتکنیک کا تقابلی مطالعہ دوفن کاروں یا دوفن پاروں کے درمیان کیا جاتا ہے۔تقابلی مطالعے کی روشنی میں فن پاروں کے درمیان پائی جانے والی یکسانیت اور عدم یکسانیت کی نشاندہی ہوتی ہے۔تقابلی مطالعے کے چند اصول وضوابط بھی ہیں۔مطالعہ کے دوران ان لوازمات کا پاس رکھنا لازمی ہے۔تقابلی مطالعے کے اصول کی رو سے دوفن پاروں کے بیچ ملنے والی مشابہت کے علاوہ افتراقات کو بھی اجاگر کرنا لازمی قرار پاتا ہے۔

ناول ایک ایسا فن پارہ ہے،جس میں انسانی زندگی کی جیتی جاگتی تصویریں ادبی حسن کے ساتھ ابھرتی ہیں۔اس میں زندگی کے داخلی اور خارجی حالات ومسائل کی عکاسی کے مزید امکانات ہوتے ہیں۔مثلاً انسان کی داخلی وخارجی زندگی،اس کے ارمان،اس کے خواب،اس کی خوشیاں،اس کے غم،احساس تنہائی،مایوسی اور موت وغیرہ سب کچھ اس کی گرفت میں ہے۔انگریزی میں صنف ناول کی ابتدا سترہویں صدی کے آخر میں ہوئی۔اردو میں اس کی روایت بہت بعد میں شروع ہوئی۔

اردو کے فکشن نگاروں نے انگریزی زبان وادب کے فکر وفن سے حددرجہ استفادہ کیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اردو ناول اور افسانے پر انگریزی زبان وادب کی گہری چھاپ ملتی ہے۔اردو ناول نگاروں نے انگریزی فکشن کے فنی وفکری میلانات اور رجحانات کے زیر اثر اردو ادب میں نت نئے تجربے کیے۔اس کی ایک مضبوط روایت موجود ہے۔اردو میں شعور کی رو(Stream of Consciousness) جیسی تکنیک انگریزی ناول نگاری کی مرہون منت ہے۔اردو ناول کے

لیے بیسویں صدی کا زمانہ عہد زریں کی حیثیت رکھتا ہے۔

عصمت چغتائی اسی عہد سے وابستہ ہیں۔ انھوں نے انگریزی فکشن نگاروں کا بغور مطالعہ کیا اور ان کے اثرات بھی قبول کیے۔ ان کے ناولوں میں شعوری یا غیر شعوری طور پر جین آسٹین کے فکر و نظر اور فن و تکنیک کی جھلک ملتی ہے۔۔ جین آسٹین نے عہد وسطیٰ کے انگلستان کے دیہی رئیسوں و رئیس زادیوں کی رومان بھری زندگی سے اپنے ناولوں کی دنیا آباد کی ہے۔ ان کے یہاں فن اور اسلوب بیان کا دلکش اور دلآویز نمونہ ملتا ہے۔ عصمت چغتائی کے یہاں ان کے فنی اوصاف کی بازگشت ملتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلوب اور طرز تحریر کے نقطۂ نظر سے بھی دونوں کے یہاں مشابہت ملتی ہے۔ ان کے ناولوں میں پائی جانے والی فنی یکسانیت کے علاوہ عدم یکسانیت بھی ملتی ہے۔ ان دونوں کے اسلوب اور فن میں ملنے والی ان مماثلتوں اور افتراقات کا مطالعہ ''ٹیڑھی لکیر'' اور ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' کی روشنی میں کیا گیا ہے۔

جین آسٹین کا ناول ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' 368 صفحات اور 61 ابواب پر مشتمل ہے۔ عصمت چغتائی کے ''ٹیڑھی لکیر'' میں 420 صفحات اور 41 ابواب ہیں۔ پلاٹ کے اعتبار سے دونوں ناول قابل ذکر ہیں۔ دونوں میں منطقی ربط اور ہم آہنگی ملتی ہے۔ دونوں کے یہاں کرداروں کی ایک خاصی تعداد ہے، تاہم ناول کے پلاٹ میں بے ربطی کا احساس نہیں ہوتا۔ دونوں کے پلاٹ میں پائی جانے والی یکسانیت کی ایک وجہ یہ ہے کہ دونوں میں ''شعور کی رو'' اور ''فلیش بیک'' کی تکنیک نہیں ملتی۔ ان ناولوں میں کہانی سیدھے سادے انداز میں آگے بڑھتی ہے۔ جین آسٹین نے کرداروں کو ڈرامائی طریقے سے متعارف کرایا ہے۔ کردار از خود ہمارے سامنے آتے ہیں اور اپنے جذبات و احساسات کو پیش کرتے ہیں۔ کرداروں کے حرکت و عمل کے ذریعہ ہی اس ناول کا پلاٹ مستحکم ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس ناول کا پلاٹ کرداروں کی زبان سے ادا ہونے والے مکالموں سے زیادہ متاثر ہوتا ہے۔ ان خصوصیات کے سبب ناول میں ڈرامائی شان پیدا ہوگئی ہے۔ مصنفہ کی اسی خوبی کی بنا پر بعض ناقدین ادب نے اس ناول کو ڈرامہ قرار دیا ہے۔ ''پرائیڈ اینڈ

پریجوڈس'' میں مرکزی پلاٹ کے علاوہ تین ضمنی پلاٹ بھی ہیں۔اس ناول کے ذیلی پلاٹ مرکزی پلاٹ کے ارتقا میں مدد کرتے ہیں۔

جین آسٹین انسانی فطرت کی نباض ہیں۔پلاٹ میں دلکشی اور تجسس کی کیفیت پیدا کرنے کے لیے انھوں نے کرداروں کی فطرت و ذہنیت کا سہارا لیا ہے۔مثلاً مسٹر ڈارسی کے حقیر اور طنز آمیز جملے سے ایلز بیتھ اسے مغرور اور متکبر سمجھ لیتی ہے۔اس کے اسی بدگمانی اور غلط فہمی کے باعث ناول کا قصہ طول پکڑ لیتا ہے۔چنانچہ پلاٹ اور کردار فطری انداز میں ہم آہنگی کے ساتھ آگے بڑھتے ہیں۔ان کے اس ڈرامائی وصف کے سبب پلاٹ میں آورد اور تصنع کا احساس نہیں ہوتا۔ناول کا پلاٹ نہایت سادگی اور صفائی کے ساتھ اپنی ارتقائی منزل طے کرتا ہے۔

عصمت چغتائی کا''ٹیڑھی لکیر'' سوانحی طرز کا ناول ہے۔شمن کی پیدائش کے ساتھ ہی ناول کا آغاز ہوتا ہے۔اس کے پیدا ہونے سے جوان ہونے تک کے مختلف مراحل کو فطری تسلسل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' کی طرح اس ناول کے ذیلی پلاٹ بھی ناول کے مرکزی پلاٹ کو استحکام عطا کرتے ہیں۔چوں کہ یہ نفسیاتی نوعیت کا ناول ہے لہٰذا اس کے پلاٹ کی دلکشی متاثر ہوئی ہے۔مصنفہ نے پلاٹ سے کہیں زیادہ اس کے بعض کرداروں کی نفسیاتی کج روی کو ابھارنے میں اپنی توجہ صرف کی ہے۔اس ناول میں''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' کی طرح کردار اور پلاٹ کے مابین ہم آہنگی ملتی ہے لیکن کہیں کہیں آورد کا احساس بھی ہوتا ہے۔ناول کے آخری حصے میں روفی ٹیلر سے شادی کے بعد پلاٹ کا فطری پن اور تسلسل متاثر ہوا ہے۔مختصر یہ کہ دونوں ناولوں میں پلاٹ کی عمدہ مثال موجود ہے۔جین آسٹین کے''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' کے مقابلے میں عصمت چغتائی کے ''ٹیڑھی لکیر'' میں پلاٹ کا فن ذرا کمزور ہے۔اس میں وہ دلکشی اور فطری بہاؤ نہیں ملتا جو''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' میں موجود ہے۔

ناول کے اجزائے ترکیبی میں کردار کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔دونوں ناولوں میں کرداروں کی خاصی تعداد ہے۔دونوں نے کم و بیش پچاس کرداروں کو تخلیقی حسن کے ساتھ پیش کیا

ہے۔کرداروں کی خاصی تعداد کی بنا پر بعض ادیبوں اور نقادوں نے ان ناولوں کو کرداری ناول قرار دیا ہے۔دونوں ناولوں میں کردار جیتے جاگتے اور حقیقی نظر آتے ہیں۔ان دونوں ناولوں کا شمار معاشرتی ناول کے ذیل میں ہوتا ہے۔ان کے سارے کردار اپنے اپنے سماج اور معاشرے سے اخذ کیے گئے ہیں۔یہ تمام کردار اپنے معاشرے کی آئینہ داری کرتے ہیں۔''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' کے کردار جنوبی انگلینڈ کے اعلیٰ متوسط طبقے کی ثقافتی زندگی اور وہاں کی دیہی تہذیب اور کلچر کی حقیقی تصویر کشی کرتے ہیں۔''ٹیڑھی لکیر'' کے کردار بھی سماج کے متوسط طبقے کے داخلی اور خارجی حقائق کو بے کم و کاست پیش کرتے ہیں۔

''ٹیڑھی لکیر'' میں بعض کردار فنی اعتبار سے کمزور ہیں۔ان میں غیر فطری پن کا احساس ہوتا ہے۔مثلاً رائے صاحب سے شمن کا اظہار عشق کرنا، شمن کے پیدا ہوتے ہی اسے نہایت ٹھنڈے پانی میں نہلانا، بورڈنگ ہاؤس میں طالبات اور استانیوں کا ہم جنسیت میں مبتلا ہونا، اور ایک نہایت چھوٹی بچی کا غسل خانہ میں پہنچ جانے جیسے واقعات کردار نگاری کے فطری پن کو متاثر کرتے ہیں۔ان کی اس شدت پسندی سے ان کا فن مجروح ہوا ہے۔جین آسٹین کے''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس''میں اس طرح کی فنی خامیاں اور کمزوریاں نہیں ملتیں۔انھوں نے کرداروں کو ان کے اصلی اور حقیقی روپ میں پیش کیا ہے۔

دونوں ناولوں میں ہر نوعیت کے کردار ملتے ہیں۔ان تمام کرداروں میں زندگی کی حرارت اور رمق ملتی ہے۔دونوں نے اپنے اپنے ناول میں چند مزاحیہ کردار بھی خلق کیے ہیں۔دونوں نے اپنے اپنے مزاحیہ کرداروں کی مضحکہ خیز گفتگو، ان کی پر مذاق شخصیت اور ان کے اعمال و حرکات کے ذریعہ ناول میں دلکشی پیدا کی ہے۔''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' میں مسز بینیٹ اور مسٹر کولنس کا کردار بے حد دلچسپ ہے۔یہ کردار اپنی پر مذاق شخصیت کے باعث انگریزی ناول کی دنیا میں ایک الگ پہچان رکھتے ہیں۔''ٹیڑھی لکیر'' میں بھی اس قبیل کے چند نمونے ملتے ہیں۔اس کے برعکس ''ٹیڑھی لکیر'' اور ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' میں چند سنجیدہ اور مہذب کردار بھی ملتے ہیں۔جین آسٹین کے اس

ناول میں مس ایلز بیتھ، مسٹر ڈارسی، مس جین بینیٹ اور چارلس بینگلے جیسے کردار اپنی سنجیدگی اور ذہانت سے ہمیں اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ اس ناول کے بعض کردار اپنی نسانی قدروں کے باعث لافانی ہوگئے ہیں۔ ''ٹیڑھی لکیر'' کی شمن بھی اپنے احتجاجی اور مزاحمتی رویے سے اردو ادب میں ایک منفرد اور امتیازی مقام رکھتی ہے۔

دونوں ناولوں میں سادہ (Flat) اور پہلودار (Round) کردار کے عمدہ نمونے ملتے ہیں۔ جین آسٹین اور عصمت چغتائی کے کردار حالات ومسائل اور وقت کی نزاکت کے اعتبار سے بدلتے رہتے ہیں۔ ان میں مسلسل تبدیلی رونما ہوتی رہتی ہے۔ ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' کے مسٹر ڈارسی اور مس ایلز بیتھ میں یہ خوبی ملتی ہے۔ یہ دونوں ہی کردار نہایت پیچیدہ اور پہلودار ہیں۔ ان کی شخصیت کو سمجھنا ذرا مشکل ہے۔ ''ٹیڑھی لکیر'' کی شمن جیسا پیچیدہ اور پہلودار کردار اردو ادب میں نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہے۔ اس میں غضب کی پیچیدگی ہے۔ اپنے اعمال وحرکات اور اپنی پر پیچ شخصیت کے سبب وہ ہماری توجہ کا مرکز بنتی ہے۔ وہ ناول میں ہر جگہ متحرک اور فعال نظر آتی ہے۔ ناول کے سارے واقعات اس سے متاثر ہوتے رہتے ہیں۔

اس کے علاوہ دونوں ناولوں میں سادہ قسم کے کردار بھی نظر آتے ہیں۔ ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' میں چارلس بینگلے، جین بینیٹ اور لیڈیا بینیٹ جیسے کردار اپنی عام فہم اور سادہ شخصیت کے ذریعہ ہمیں متاثر کرتے ہیں۔ ان میں ذرا بھی پیچیدگی اور الجھاؤ نہیں۔ ''ٹیڑھی لکیر'' میں بھی عام فہم کرداروں کی کئی ایک مثالیں ملتی ہیں۔ اس سلسلے میں بلقیس، نجمہ، رشید اور روفی ٹیلر وغیرہ کے نام لائق ذکر ہیں۔ ان کرداروں کے یہاں سطحیت اور غیر سنجیدگی ملتی ہے۔ ان میں کوئی خاص دلکشی اور جاذبیت نہیں ملتی۔ یہ تمام کردار شمن کی شخصیت اور اس کی نفسیاتی پیچیدگی کو ابھارنے میں مدد کرتے ہیں۔

اسلوب اور زبان وبیان کو بھی ناول کا اہم عنصر قرار دیا گیا ہے۔ تکنیک وہ طریقۂ کار ہے جس کے وسیلے سے ناول نگار اپنی ذاتی زندگی کے تجربات اور مشاہدات کا اظہار مختلف

اسالیب میں کرتا ہے۔ناول فقط تخلیق کار کی ذاتی زندگی کے تجربات ومشاہدات کا اظہار نہیں ہے بلکہ زبان وبیان پر اس کی مہارت اوراس کی فنی بصیرت کا پتہ دیتا ہے۔عام قاری ناول کے قصے کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ان کی نظر میں اسلوب کم تر درجے کی چیز ہے جبکہ تکنیک وہ آلہ ہے جو ناول کی قدر وقیمت کے تعین میں مدد کرتا ہے۔

اسلوب بیان اور تکنیکی سطح پر بھی جین آسٹین اور عصمت چغتائی کے مابین اشتراک پایا جاتا ہے۔جین آسٹین انگریزی ناول نگاری کے تشکیلی دور سے تعلق رکھتی ہیں۔اس ابتدائی دور میں انگریزی ناول میں فنی وفکری سطح پر نئے نئے تجربے ہورہے تھے۔جین آسٹین نے ریچارڈسن کے ''پامیلا'' کے طریقۂ کار کو شعوری طور پر اپنایا ہے۔ریچارڈسن نے ''پامیلا'' میں مراسلاتی تکنیک کا استعمال کیا ہے۔اس طریقۂ کار میں تخلیق کار کرداروں کے خطوط کے ذریعہ ناول کے پلاٹ کو آگے بڑھاتا ہے۔ان کے ناول ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' میں بیانیہ کا انداز تھوڑا بہت ملتا ہے۔اس میں کرداروں کے مکالموں کے ذریعہ ان کے لطیف جذبات واحساسات کی ترجمانی ہوتی ہے۔مصنفہ نے مکالمے کو مضبوط اور کارگر آلہ کے طور پر استعمال کیا ہے۔یہاں تک کہ ناول کا پلاٹ ان مکالموں کے ذریعہ ہی مستحکم ہوتا ہے۔ان کے اسلوب کی ایک اور خصوصیت طنز ومزاح کی کیفیت ہے۔اس ناول میں خیر وشر کی کشمکش ملتی ہے۔جین آسٹین کے یہاں بھی فلسفۂ حیات اور فلسفۂ اخلاق ملتا ہے مگر ان کے اسلوب اور طرز تحریر کی خوبی کے باعث ناول میں کہیں بھی مقصدیت حاوی نہیں ہے۔انھوں نے اپنے خوبصورت اور لطیف طرز تحریر کے ذریعہ جنوبی انگلستان کے طرز معاشرت کی عکاسی شگفتہ پیرایۂ بیان میں کی ہے۔

جین آسٹین کے ناول ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' میں پس منظر خاص اہمیت رکھتا ہے۔اس کے بیشتر کردار سماج کے مہذب اور اعلیٰ متوسط طبقے سے وابستہ ہیں۔ان کے مکانات صاف ستھرے اور کمرے آراستہ ہیں۔انھوں نے اپنے اس ناول میں اٹھارہویں صدی کے طرز معاشرت کی حقیقی اور جاندار مرقع کشی کی ہے۔فرنیچر اور سامان آرائش وآسائش سے اٹھارہویں صدی کے

اواخر کے دیہی وقصباتی امراء کی زندگی اوران کی معاشرت پر روشنی پڑتی ہے۔ زیر مطالعہ ناول میں اس مخصوص عہد سے وابستہ معاشرتی نظام جی اٹھا ہے۔

عصمت چغتائی کا شاہکار ''ٹیڑھی لکیر'' سوانحی طرز (Autobiographical) کا ناول ہے۔ اس ناول میں سماج کے ایک خاص پسماندہ طبقے کے معاشرتی پس منظر کو کینوس کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ اس ناول میں تکنیکی اور فنی سطح پر کوئی نیا تجربہ نہیں ملتا۔ اس میں مصنفہ نے اپنی زندگی کے نشیب وفراز اور اپنے تلخ تجربات کو ناول کی شکل میں پیش کیا ہے۔ ناول کی شمن کے حالات زندگی، عصمت چغتائی کی زندگی کے حالات وکوائف سے مشابہت رکھتے ہیں۔ خود عصمت چغتائی نے اپنی آپ بیتی میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ ''ٹیڑھی لکیر'' میں ان کی زندگی کے تاثرات قلمبند ہیں۔ جین آسٹین کے اسلوب کے برعکس ''ٹیڑھی لکیر'' میں بیانیہ انداز ملتا ہے۔ بیانیہ کے علاوہ ناول کے پلاٹ کے ارتقائی سفر میں مکالموں اور رونما ہونے والے واقعات کی کارفرمائی بھی ملتی ہے۔ ''ٹیڑھی لکیر'' میں ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' کا مراسلاتی طریقۂ کار نہیں ملتا۔ دونوں کی تکنیک میں پائے جانے والے فرق کی یہ ایک اچھی مثال ہے۔ ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' کی طرح ''ٹیڑھی لکیر'' میں بھی طرز معاشرت کی منظرکشی اہمیت رکھتی ہے۔ انھوں نے مسلم سماج کے متوسط طبقے کے طرز زندگی اور ان کے اخلاقی زوال کو چھوٹے سے چھوٹے جزئیات کے ساتھ پیش کیا ہے۔ جین آسٹین کی طرح یہاں بھی خیر وشر کی کشمکش اور اخلاقی ومعاشرتی زوال کی تصویرکشی ملتی ہے۔

جین آسٹین نے اپنی بڑی بہن کسندرا اور بھانجی انّا کو چند خطوط بھی لکھے ہیں۔ ان خطوط سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے تاعمر شادی نہیں کی۔ اس سلسلے میں ادبی حلقوں میں کئی طرح کی قیاس آرائیاں ملتی ہیں۔ انگلینڈ کے ایک تاریخ نویس اور محقق اینڈ رو نارمن نے اپنی تحقیق کی روشنی میں دعویٰ کیا ہے کہ اس نے ایک ایسے شخص کی پہچان کر لی ہے جس نے جین آسٹین کا دل توڑا تھا۔ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ مصنفہ نے اپنے محبوب ترین ناول ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' میں اپنے اس

عاشق کو مسٹر ڈارسی کی شکل میں پیش کیا ہے۔اس واقعہ کا ذکر ان کے سوانحی کوائف کے ذیل میں آچکا ہے۔اگر اس تحقیق کی بنیاد پر بات کی جائے تو ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' میں انھوں نے اپنی زندگی کے تاثرات اور اپنے تلخ تجربات کو پیش کیا ہے۔اس طرح ''ٹیڑھی لکیر'' اور ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' دونوں ناولوں میں سوانحی عنصر ملتا ہے۔یہ تفصیلات دونوں ناولوں میں پائی جانے والی فنی وفکری مشابہت کے لیے جواز فراہم کرتی ہیں۔

عصمت چغتائی اور جین آسٹین نے ان ناولوں میں یکساں نوعیت کی زبان استعمال کی ہے۔ دونوں نے عام بول چال اور ادبی ومعیاری زبان کی درمیانی کڑی کو اپنے ان ناولوں میں بروئے کار لایا ہے۔عصمت کو عورتوں کی بول چال کی زبان پر مہارت حاصل ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان کے اس ناول میں عورتوں کے طرز گفتگو، نوک جھوک، طعنے اور گالیاں وغیرہ سب کچھ ہیں۔ اس کے علاوہ انھیں سماج کے ہر طبقے کی زبان پر قدرت حاصل ہے۔''ٹیڑھی لکیر'' کے مکالموں سے زبان وبیان پر ان کی قدرت اور ان کی فنی بصیرت کا صحیح اندازہ ہوتا ہے۔ وہ زبان وبیان کی شگفتگی اور اسلوب کی تازگی کے ذریعہ ناول میں طنز ومزاح کی خوبی پیدا کرنے کا ہنر جانتی ہیں۔''ٹیڑھی لکیر'' میں ان کی یہ خوبی نمایاں ہے۔ان کے مکالموں میں طنز کے نشتر بھی ملتے ہیں۔ مکالمے مختصر، برجستہ، پرلطف اور فطری ہیں۔ان میں بعض معنی خیز جملے بھی ملتے ہیں۔''ٹیڑھی لکیر'' میں کہاوتوں، محاوروں، تشبیہات واستعارات کے عمدہ نمونے ملتے ہیں۔ ان وسائل کے ذریعہ عصمت نے اپنی زبان وبیان اور اسلوب میں دلکشی پیدا کی ہے۔

''ٹیڑھی لکیر'' کی زبان وبیان کے یہ تمام اوصاف ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' میں بھی پائے جاتے ہیں۔جین آسٹین نے روایت سے قطع نظر عام بول چال کی فطری اور دلکش زبان استعمال کی ہے۔ان کے یہاں بھی نہایت معیاری اور ادبی زبان نہیں ملتی۔انھوں نے اپنے اس ناول میں غضب کی دلکش اور شگفتہ زبان استعمال کی ہے۔اس ناول کی مقبولیت اور دلآویزی کی ایک بڑی وجہ اس کی دلکش، شگفتہ اور خوبصورت زبان ہے۔اس ناول میں مکالموں کی بہت اہمیت ہے۔مکالمے

نہایت دلکش، فطری، مختصر، برجستہ، بے ساختہ اور خوبصورت ہیں۔ان کے مکالمے کرداروں کے ذہنی معیار کے حسب حال ہیں۔ مصنفہ نے اس ناول میں زبان و بیان اور مکالموں کے ذریعہ ڈرامائی خوبی پیدا کی ہے۔ ناول میں تشبیہات واستعارات، روزمروں اور محاوروں کی مثالیں بھی ملتی ہیں۔ زبان وبیان اور اسلوب کے ان اوصاف کے سبب ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' میں ادبی حسن ودلکشی پیدا ہوگئی ہے۔

مذکورہ بالا تفصیلات سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ عصمت چغتائی کے ناول ''ٹیڑھی لکیر'' اور جین آسٹین کے ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' میں فن کے نقطۂ نظر سے بھی مماثلت نظر آتی ہے۔ دونوں کے یہاں ایک جیسی ملتی جلتی زبان، پلاٹ کی سادگی، زندہ ومتحرک کردار، فطری، دلکش، بے ساختہ اور موزوں مکالموں کے علاوہ طنز ومزاح کی چاشنی سب کچھ ہے۔علاوہ ازیں فنی وتکنیکی سطح پر چند افتراقات بھی قابل ذکر ہیں۔

حواشی

1. اردو میں ترقی پسند ادبی تحریک۔خلیل الرحمٰن اعظمی۔ایجوکیشنل بک ہاؤس،علی گڑھ،۲۰۰۷ء،ص۲۱۱
2. بحوالہ،اردو ناول کا سفر۔پروفیسر ناز قادری۔مکتبہ صدف،مظفر پور،۲۰۰۱ء،ص۶۶۔۶۵
3. بیسویں صدی میں اردو ناول۔ڈاکٹر یوسف سرمست۔ترقی اردو بیورو،نئی دہلی،۲۰۰۰ء،ص۴۲۵
4. داستان سے افسانے تک۔سید وقار عظیم۔ایجوکیشنل بک ہاؤس،علی گڑھ،۲۰۰۳ء،ص۱۵۹
5. ٹیڑھی لکیر۔عصمت چغتائی۔کتابی دنیا،دہلی،۲۰۰۶ء،ص۱۴
6. ایضاً،ص۵۹
7. ایضاً،ص۵۸۔۵۷
8. ایضاً،ص۹۵
9. ایضاً،ص۴۲
10. ایضاً،ص۱۶۶
11. ایضاً،ص۱۷۵
12. ایضاً،ص۱۷۹۔۱۷۸
13. ایضاً،ص۴۱۵
14. ایضاً،ص۲۰۴
15. چوٹیں۔کرشن چندر۔روہتاس بک،لاہور،ص۱۰۴
16. عصمت چغتائی۔اردو ماہنامہ: مکالمات (عصمت چغتائی نمبر)۔نئی دہلی،دسمبر۱۹۹۱ء،ص۶
17. ٹیڑھی لکیر۔عصمت چغتائی۔ص۲۹۷
18. ایضاً،ص۱۸
19. ایضاً،ص۴۱۷
20. ایضاً،ص۷۵
21. ایضاً،ص۶۷
22. ایضاً،ص۱
23. ایضاً،ص۹۰
24. ایضاً،ص۱۷
25. ایضاً،ص۱۸
26. ایضاً،ص۱
27. Pride and Prejudice; Jane Austen, David Campbell Publishers Ltd. London,1991, p.1
28. The World's Ten Greatest Novels; W.S. Maugham, Fawcett Publications,

New York,1956, p.87

29. Jane Austen's Pride and Prejudice; Dr. Nirupma Mishra, Shivam Publications, Agra,1996, p.289
30. With ref. to Pride and Prejudice: A Critical Evalution; Dr. S.Sen, Unique Publishers, New Delhi,1992, p.281
31. Pride and Prejudice; Jane Austen, p.9
32. Ibid, p.356
33. Ibid, p.357
34. Ibid, p.2
35. Ibid,
36. Ibid, p.3
37. Ibid, p.3-4
38. Ibid, p.3
39. Ibid, p.2-3
40. Jane Austen's Novels: A Study in Structure; Andrew H.Wright, Penguin Books Ltd. Australia,1962, p.110
41. Pride and Prejudice; Jane Austen, p.9
42. Ibid, p.1
43. Ibid, p.
44. Ibid, p.7
45. Ibid, p.8
46. Ibid, p.11
47. Ibid, p.27
48. An Introduction to the Study of Literature; W.H. Hundson, George Harrap & company Ltd., p.154
49. Pride and Prejudice; Jane Austen, p.284
50. Ibid, p.43
51. With ref. to Jane Austen's Pride and Prejudice; Dr. Nirupma Mishra, p. 70
52. Pride and Prejudice; Jane Austen, p.4
53. Ibid, p.88
54. Ibid, p.27
55. Ibid, p.362
56. Pride and Prejudice: A Critical Evalution; Dr. S.Sen, p.208
57. Critics on Jane Austen; Edited by Judith O'Neill, George Allen and Unwin Ltd. London,1970, p.40
58. Pride and Prejudice; Jane Austen, p.231
59. The World's Ten Greatest Novels; W.S. Maugham, p.96-97

ماحصل

تقابل کے لغوی معنی مقابلہ کرنے کے ہیں۔اس کے تحت ایک چیز کو دوسری چیز کے ہم پلہ قرار دے کر دونوں کی خوبیوں اور خامیوں کو منظر عام پر لانے کی کوشش کی جاتی ہے۔تقابلی مطالعے کی اہمیت انسانی زندگی کے ہر شعبے میں ہے۔زبان وادب کی دنیا میں بھی اس کی اہمیت کچھ کم نہیں۔ عصر حاضر میں اس کی اہمیت کچھ زیادہ ہی بڑھ گئی ہے۔اس کے ذریعہ ہم دوسری زبانوں کی ادبیات، سماجیات اور سیاسیات سے واقفیت حاصل کرتے ہیں۔ادب کے تقابلی مطالعہ کی روشنی میں ادبی، تہذیبی، تمدنی ،سیاسی ،سماجی ،معاشرتی اور ثقافتی زندگی کی رنگا رنگ تصویریں ابھرتی ہیں۔ تقابلی مطالعے کے لیے دو چیزوں میں مکمل یکسانیت کا ہونا شرط نہیں۔ بلکہ ان کے درمیان پائے جانے والے چند افتراقات بھی قابل غور ہوتے ہیں۔ان میں صرف یکسانیت کو تلاش کرنا تقابلی مطالعے کی معنویت کو کم کرتا ہے۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ ان دو چیزوں میں ملنے والی یکسانیت کے پہلو کا مضبوط ہونا بنیادی شرط ہے۔

عصر حاضر میں اس کی اہمیت وافادیت میں مزید اضافہ ہوا ہے۔آج تقابلی مطالعہ ایک الگ شعبے کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔مغربی مفکرین اور نظریہ ساز نقادوں نے تقابلی مطالعہ کے اصول وضوابط بھی متعین کیے ہیں۔معروف مغربی نقاد Henry H.M.Remak تقابلی ادب کو ایک الگ شعبہ خیال کرتے ہیں۔ ان کے مطابق تقابلی مطالعہ ادبی، سیاسی، سماجی، تہذیبی اور معاشرتی پہلوؤں کے درمیان مختلف جہتوں سے ہم آہنگی قائم کرنے کا نام ہے۔وہ تقابلی مطالعے کی اہمیت اور معنویت پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں:

"We conceive of comparative literature as a link between smaller segments of parochial literature, a bridge between organically related but physically separated areas of human creativeness... It can do so best by not only relating several literatures to each other but by relating literature to other fields of human knowledge and activity, especially artistic and ideological fields, that is, by extending the investigation of literature both geographically and generically."
(Comparative Literature: Method and perspective; H.M. Remark, Page,7-8)

انھوں نے اس اقتباس میں ادب کے تقابلی مطالعے کی اہمیت اور افادیت کو اجاگر کرنے کی سعی کی ہے۔ اگر ہم اردو ادب کے ابتدائی تنقیدی سرمائے پر نظر ڈالیں تو ہم پاتے ہیں کہ شبلی نعمانی نے ''موازنۂ انیس و دبیر'' لکھ کر تقابلی مطالعے کی خشت اول رکھی۔ ان کی اس روایت کی پاسداری آج بھی جاری ہے۔ مشرقی اور مغربی ادب کے درمیان تقابلی مطالعہ کا رجحان گذشتہ کئی دہائیوں سے بڑھا ہے۔ آج مختلف جامعات میں تقابلی مطالعہ کے طور پر تحقیقی وتنقیدی کاوشیں جاری ہیں۔ درحقیقت مغربی ادب بالخصوص انگریزی ادب نے اردو زبان وادب پر اپنے دیرپا اثرات مرتب کیے ہیں۔

اردو فکشن نگاروں نے تکنیکی اور فکری سطح پر انگریزی فکشن نگاروں کے اثرات قبول کیے۔ اردو ناول اور مختصر افسانہ تو انگریزی ادب کے زیر اثر ہی اردو میں داخل ہوئے۔ اردو ادیبوں نے انگریزی ادب کے زیر اثر فکر وفن کے نئے نئے تجربے کیے۔ سجاد ظہیر کے ''لندن کی ایک رات'' اور قرۃ العین حیدر کے ''آگ کا دریا'' میں مستعمل ''شعور کی رو'' (Stream of Consciousness) جیسی تکنیک اسی کوشش کا نتیجہ ہے۔ موضوعاتی سطح پر بھی ہمارے ادیبوں اور قلم کاروں نے انگریزی زبان وادب کی روشنی سے اپنے چراغ روشن کیے۔

عصمت چغتائی اردو کی معروف اور اہم ادیبہ ہیں۔ انھوں نے انگریزی زبان وادب کا مطالعہ باریک بینی کے ساتھ کیا۔ وہ مغربی دانشوروں اور ادیبوں سے ذہنی مناسبت رکھتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تصنیفات میں مغربی زبان وادب کے فکر وفن کی جھلک ملتی ہے۔ جین آسٹین انگریزی ناول نگاری کا ایک معروف نام ہے۔ ان کے ناول انگریزی ناول نگاری میں مشعل راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ایک خاص دائرۂ فکر میں رہ کر انھوں نے اپنی ادبی عظمت کا لوہا منوایا۔ ان کے بغیر انگریزی ناول نگاری کی روایت ادھوری ہے۔ عصمت چغتائی نے اپنی خدمات کے ذریعہ اردو ناول کو فکر وفن کی نئی جہتوں سے آشنا کیا۔ ان کے ناولوں کا مطالعہ جین آسٹین کی فکری کائنات کی یاد دلاتا ہے۔ راقم الحروف نے دونوں کے مابین مماثلت کے چند ایسے گوشوں کو روشن کرنے کی کوشش کی ہے جو اس تقابلی مطالعے کے لیے جواز فراہم کرتے ہیں۔

دونوں خواتین ناول نگاروں کا تعلق دو مختلف زبان وادب اور دو مختلف تہذیب وثقافت سے ہے۔ اس کے باوجود دونوں کے یہاں فکری وفنی مشابہت ملتی ہے۔ جین آسٹین کے ناول ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' اور عصمت چغتائی کے ''ٹیڑھی لکیر'' کی روشنی میں ان دونوں کے فکر و خیال اور فن وتکنیک میں یکسانیت تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ زیر مطالعہ دونوں ناول شاہکار کا درجہ رکھتے ہیں۔ ان ناولوں میں موضوعاتی اور فکری اعتبار سے مشابہت اور افتراق کے جو اہم نکات ابھرتے ہیں ان کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ ''ٹیڑھی لکیر'' کے مقابلے ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' کا کینوس چھوٹا ہے۔ ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' میں صرف چار گھروں کی کہانی بیان کی گئی ہے جبکہ ''ٹیڑھی لکیر'' میں متوسط طبقے کا پورا معاشرہ سانس لے رہا ہے۔ اس میں بچوں کی پیدائش اور ان کے جوان ہونے تک کے مسائل زیر بحث ہیں۔

عصمت نے مرکزی کردار شمن کی زندگی کے نشیب وفراز کے پس پردہ پورے معاشرے کو آئینہ دکھلایا ہے۔ ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' میں یہ خوبی نہیں ملتی۔ ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' میں کسی کردار کی پیدائش نہیں ہوتی۔ سارے کردار سن بلوغ کو پہنچنے کے بعد ہمارے سامنے آتے

ہیں۔مصنفہ نے اپنی تمام تر توجہ کرداروں کی زندگی کے داخلی جذبات واحساسات اوران کے حسین ارمانوں پر مرکوز کی ہے۔ان کے اس ناول کے مطالعہ سے انگلستان خصوصاً اٹھارہویں صدی کی تہذیبی زندگی،طرز معاشرت،نو جوانوں کی ذہنی ونفسیاتی صورت حال وغیرہ سے واقفیت حاصل ہوتی ہے۔ان دونوں ناولوں کا شمار معاشرتی ناول کے ذیل میں ہوتا ہے۔دونوں میں سماج ومعاشرے کی اچھائیوں اور برائیوں کی ترجمانی ملتی ہے۔دونوں ناولوں میں معاشرے کے اخلاقی زوال کو پیش کیا گیا ہے۔ان دونوں کے یہاں جنسی بے راہ روی کی مثالیں ملتی ہیں۔اس مطالعہ کا مقصد کسی قلم کار کو برتر یا کمتر ثابت کرنا نہیں ہے بلکہ دونوں کے یہاں پائے جانے والے قدرے مشترک پہلوؤں کو اجاگر کرنا ہے۔

مذکورہ دونوں ناول معاشرتی اور گھریلو نوعیت کے ہیں۔دونوں میں متوسط طبقے کی معاشرتی زندگی سانس لے رہی ہے۔دونوں تخلیق کاروں نے اپنے اپنے عہد کے معاشرے کا مطالعہ اور مشاہدہ گہرائی کے ساتھ کیا ہے۔ان دونوں نے ہی اپنے گردوپیش کی معاشرتی اور ثقافتی زندگی کو اپنے اپنے زاویۂ نگاہ سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔دونوں نے اپنے افکاروخیالات اور اپنے جذبات واحساسات کے اظہار کے لیے صنف ناول کو اپنایا۔جین آسٹین اور عصمت چغتائی کے ان ناولوں میں خارجی مسائل کی کوئی خاص کارفرمائی نہیں ملتی۔دونوں نے اپنے اپنے باطن کو ناول کے پیرائے میں پیش کیا ہے۔

جین آسٹین ایک پرآشوب اور ہنگامی دور سے تعلق رکھتی ہیں۔مگر ان کے ناول اس دور کی ہنگامہ آرائی کی ترجمانی نہیں کرتے۔ان کے اس ناول میں بھی اس دور کی سماجی،سیاسی اور تاریخی کشمکش نہیں ملتی ہے۔انھوں نے اپنے اس ناول میں جنوبی انگلستان کے نوجوان طبقے کے مسائل خصوصاً ان کی شادی بیاہ کو موضوع کے طور پر پیش کیا ہے۔ناول میں حسن وعشق اور چھیڑ چھاڑ کے تذکرے بھی ملتے ہیں۔اپنے اس فلسفۂ حیات کو نمایاں کرنے کے لیے انھوں نے وہاں کی سماجی،معاشرتی،تہذیبی اور ثقافتی زندگی کو پس منظر کے طور پر استعمال کیا ہے۔ناول میں خواتین ہر

وقت کسی دولت مند شوہر کی تلاش میں مصروف نظر آتی ہیں۔ان کے والدین بھی اپنی بیٹیوں کی زندگی بسانے کے لیے فکرمند ہیں۔ناول کا ابتدائی جملہ اس ناول کے موضوع کو پیش کرتا ہے کہ ''دنیا کے ہر صاحب ثروت نوجوان کو بیوی کی ضرورت ہر حال میں پڑتی ہے۔''

عصمت چغتائی ترقی پسند تحریک کے دور سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہ تحریک اردو کی ایک اہم ادبی تحریک رہی ہے۔اس تحریک نے اردو ادب کو غیر معمولی طور پر متاثر کیا۔ترقی پسندوں نے ''ادب برائے زندگی'' کے نظریے کو عام کرنے کی شعوری کوشش کی۔ اس تحریک سے ذہنی مناسبت کے باوجود عصمت نے اس کی انتہا پسندی سے خود کو دور رکھا۔انھوں نے روایتی ڈگر پر چلنے سے انکار کیا۔اور اپنی ایک الگ شناخت بنانے کی شعوری کوشش کی۔اس طرح واضح رہے کہ ان دونوں خواتین فن کاروں کے یہاں روایت شکنی کا رجحان ملتا ہے۔انھوں نے کبھی کسی خارجی دباؤ کا اثر قبول نہیں کیا اور پنے جذبات واحساسات کی ترجمانی کو ترجیح دی۔''ٹیڑھی لکیر''اور''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس''اس کی عمدہ مثالیں ہیں۔''ٹیڑھی لکیر''میں''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' کی مانند نوجوان طبقے کے مسائل، معاشرے کی عکاسی اور سماجی ناہمواریاں وغیرہ سب کچھ ہے۔دونوں نے اپنے ناول میں نفسیاتی کشمکش اور جنسی بے راہ روی کو پیش کیا ہے۔

عصمت چغتائی اور جین آسٹین کا تعلق سماج کے اعلیٰ متوسط طبقے سے ہے۔دونوں نے حقیقت بیانی سے کام لیتے ہوئے اپنے اپنے معاشرے کی سچی تصویر کھینچی ہے۔دونوں کے یہاں حقیقت نگاری کا عمل ملتا ہے۔''ٹیڑھی لکیر'' اور''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' میں یکسانیت کے کئی پہلو ابھرتے ہیں۔اوّل یہ کہ دونوں ناولوں میں سوانحی عنصر موجود ہے۔ان ناولوں سے عصمت چغتائی اور جین آسٹین کی شخصیت اور ان کے فکری میلانات سے پردہ اٹھتا ہے۔''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' میں مسٹر ڈارسی کے کردار کو خصوصی توجہ کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔جدید تحقیق کے مطابق یہی وہ کردار ہے جس نے مصنفہ کا دل توڑا تھا۔اس کردار کے ذریعے مصنفہ نے دل توڑنے والے اپنے عاشق کو پیش کیا ہے۔اس طرح یہ ناول بھی''ٹیڑھی لکیر'' کی طرح سوانحی طرز احساس کی نمائندگی کرتا ہے۔

''ٹیڑھی لکیر'' میں مصنفہ نے اپنی زندگی کے بعض تلخ حقائق کو شعوری طور پر پیش کیا ہے۔اس ناول کی ہیروئن شمن، عصمت کی ذاتی زندگی کی آئینہ دار ہے۔اپنی زندگی کے بعض تلخ حقائق کو پیش کرتے ہوئے عصمت نے شدت پسندی سے کام لیا ہے جبکہ جین آسٹین کے یہاں شائستگی اور متانت ملتی ہے۔

دونوں ناولوں کے موضوعات میں تنوع نہیں ملتا بلکہ فکر کا محدود دائرہ ملتا ہے۔ دونوں ناول ایک مخصوص معاشرے کی عکاسی کرتے ہیں۔ان دونوں ناولوں میں نہ تو مذہبی اور فلسفیانہ بحثیں ملتی ہیں اور نہ ہی تاریخی واقعات۔ان میں تو صرف دونوں فن کاروں کے داخلی جذبات واحساسات کی خوبصورت ترجمانی ملتی ہے۔ان دونوں ناولوں میں پیش کیے گئے معاشرتی مسائل ان کے اپنے عہد کے مسائل ہیں۔دونوں ناولوں کے کردار ان کے اپنے عہد کے آئینہ دار ہیں۔ان دونوں میں تخیل کی کارفرمائی کم ملتی ہے۔''ٹیڑھی لکیر'' اور ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' میں کرداروں کی خاصی تعداد ہے۔ان میں نوجوان کرداروں کو ایک خاص مقصد کے تحت پیش کیا گیا ہے۔سارے کردار اپنے معاشرے کی عام بول چال کی زبان میں بات چیت کرتے ہیں۔ دونوں ناول نگاروں نے کرداروں کی گفتگو اور ان کے ذہنی معیار میں تناسب پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

عصمت چغتائی اور جین آسٹین کے دوسرے ناولوں میں بھی کم وبیش یہی صورت حال پائی جاتی ہے۔''ٹیڑھی لکیر''، تکنیکی سطح پر ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' سے ذرا مختلف ہے۔عصمت چغتائی کی شدید مقصدیت کے باعث ''ٹیڑھی لکیر'' کا فن مجروح ہوا ہے۔اس میں سوانحی عنصر اس قدر حاوی ہے کہ ناول میں شدید مقصدیت جھلکتی ہے۔ناول میں شمن قدم قدم پر معاشرے کی ناہمواریوں سے ٹکراتی ہے۔جین آسٹین کے ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' میں مقصدیت اس طرح سے حاوی نہیں ہے۔انھوں نے ناول کے فنی حسن کا پاس رکھتے ہوئے سماجی ومعاشرتی بے راہ روی اور طبقاتی کشمکش کی مرقع کشی کی ہے۔''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' کی ہیروئن ایلزبیتھ بینیٹ شمن کی طرح پہلودار کردار ہے۔اس نے بھی تعصب، ناانصافی اور طبقاتی کشمکش کے خلاف عملی قدم اٹھایا لیکن اس

کے یہاں شدت پسندی اور جذباتیت نہیں ملتی۔ وہ معاشرے اور سماج کی تہذیبی واخلاقی قدروں کا خیال رکھتی ہے۔

''ٹیڑھی لکیر'' اور ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' دونوں میں شادی بیاہ، حسن وعشق کے مسائل زیر بحث ہیں۔ ان دونوں میں ایک خاص طرح کی تہذیبی وثقافتی زندگی کے نقوش ملتے ہیں۔ عصمت چغتائی اور جین آسٹین کی ادبی قدر ومنزلت کا راز ان کے فکری امتیازات میں پوشیدہ ہے۔ دونوں کے یہاں ملنے والے محدود دائرۂ فکر کو ناقدین ادب کی تنقیدی آرا کی روشنی میں واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ دونوں نے معاشرے کی تہذیب وتمدن اور معاشرتی صورت حال کی ترجمانی کے علاوہ شادی بیاہ، حسن وعشق اور جنسی بے راہ روی جیسے مسائل کو نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے۔ دونوں نے اپنے عہد اور اپنی تہذیبی ومعاشرتی نکات کے تحت ان موضوعات کو برتنے کی سعی کی ہے۔

عصمت چغتائی اور جین آسٹین دونوں انسانی نفسیات کی نباض ہیں۔ زیر مطالعہ ناولوں میں انسان کے جذبات واحساسات اور اس کے ارمان اور خواب کی حسین تعبیر پیش کی گئی ہے۔ دونوں نے خواتین کی نفسیاتی گرہوں کو کھولنے کی کوشش کی ہے۔ ''ٹیڑھی لکیر'' میں ملنے والی نفسیاتی بصیرت کی نوعیت ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' سے ذرا مختلف ہے۔ عصمت نے حالات کی ماری ہوئی ایک مظلوم لڑکی کی نفسیاتی پیچیدگی کو پیش کیا ہے جبکہ ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' میں مجموعی طور پر طبقۂ نسواں کی داخلی نفسیات سانس لے رہی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ دونوں ناولوں میں شادی بیاہ کے مسائل موضوع بحث ہیں مگر دونوں میں بڑا فرق ہے۔ ''ٹیڑھی لکیر'' میں خواتین لاچاری اور بے بسی کے تحت رشتۂ ازدواج میں بندھتی ہیں جبکہ ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' میں خواتین شادی کو زندگی کی خوشی اور کامیابی کی ضمانت سمجھتی ہیں۔ دونوں میں اچھی بری شادی اور اس کے نتائج زیر بحث ہیں۔ دونوں ناولوں میں کئی شادیاں ہوتی ہیں۔ دونوں میں حسن وعشق کے تذکرے، جنسی بے راہ روی، اخلاقی پستی وغیرہ سب کچھ ہے۔ دونوں ناولوں میں عورتوں کی نفسیات، ان کی فطرت اور ذہنیت کو خصوصی توجہ کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

کتاب کے آخری حصے میں دونوں ناولوں کے فن اور تکنیک کے متعلق گفتگو کی گئی ہے۔ دونوں ناولوں کے پلاٹ، کردار، اسلوب، مکالمے اور زبان و بیان کے حوالے سے بحث کی گئی ہے۔ دونوں میں پلاٹ کی اچھی مثال ملتی ہے۔ ہاں ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' کے مقابلے میں ''ٹیڑھی لکیر'' کا پلاٹ کہیں کہیں کمزور ہے۔ دونوں میں پیچیدہ اور سادہ کردار کے نمونے ملتے ہیں۔ ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' کے بعض کردار آفاقی شہرت رکھتے ہیں جبکہ ''ٹیڑھی لکیر'' کے کرداروں کو یہ بات نصیب نہیں۔ جین آسٹین نے کرداروں کی پیش کش میں ڈرامائی انداز اختیار کیا ہے۔ ''ٹیڑھی لکیر'' میں ڈرامائی شعور کم ملتا ہے تشریحی زیادہ۔ دونوں نے اپنے معاشرے کی عام بول چال کی زبان استعمال کی ہے۔ دونوں ناولوں میں مستعمل مکالمے چست، دلچسپ، دلکش، بے ساختہ اور برمحل ہیں۔ دونوں ناولوں میں خالص ادبی اور بہت معیاری زبان نہیں ملتی۔ دونوں نے عام بول چال اور ادبی زبان میں توازن پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ دونوں نے زبان و بیان کی سادگی، صفائی اور سلاست سے کام لیا ہے۔

☆☆☆

کتابیات

اردو کتب:

1. اردو ادب میں بیانیہ کی روایت، معین الدین جینا بڑے، پروفیسر، بمبئی یونیورسٹی، بمبئی ۲۰۰۷ء
2. اردو ادب کی تنقیدی تاریخ۔ سید احتشام حسین۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، ۱۹۸۳ء
3. اردو ناول کی تاریخ و تنقید۔ علی عباس حسینی۔ ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۱۹۹۴ء
4. آزادی کے بعد اردو ناول۔ اسلم آزاد، پروفیسر۔ ڈی لکس پریس، نئی دہلی، ۱۹۹۳ء
5. اردو ناول میں عورت کی سماجی حیثیت۔ صغرا مہدی۔ سجاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۰۲ء
6. اردو کے پندرہ ناول۔ اسلوب احمد انصاری۔ یونیورسل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۲۰۰۳ء
7. اردو فکشن کے ارتقاء میں عصمت چغتائی کا حصہ۔ محمد اشرف، ڈاکٹر۔ آفسیٹ پریس، نخاس چوک گورکھپور، ۱۹۹۷ء
8. اردو ناولوں میں ترقی پسند عناصر۔ حیات افتخار۔ نسیم بک ڈپو، لکھنؤ، ۱۹۸۸ء
9. اردو ناول آغاز و ارتقاء۔ عظیم الشان صدیقی۔ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۰۸ء
10. اردو ادب کی اہم خواتین ناول نگار۔ نیلم فرزانہ، ڈاکٹر۔ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، علی گڑھ، ۱۹۹۲ء
11. اردو میں ترقی پسند ادبی تحریک۔ خلیل الرحمٰن اعظمی، ڈاکٹر۔ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، علی گڑھ، ۲۰۰۷ء
12. اردو افسانے پر مغربی ادب کے اثرات۔ شہناز شاہین، ڈاکٹر۔ تخلیق کار پبلشرز، دہلی،
13. اردو ناول کا سفر۔ ناز قادری، پروفیسر۔ مکتبہ صدف، مظفر پور، ۲۰۰۱ء
14. اردو ناول کی تنقیدی تاریخ۔ احسن فاروقی۔ ادارہ فروغ اردو، لکھنؤ، ۱۹۶۲ء
15. اردو ناول بیسویں صدی میں۔ عبد السلام۔ اردو اکادمی سندھ، کراچی، ۱۹۷۲ء
16. اردو اور ہندی کے سیاسی ناول (تقابلی مطالعہ)۔ سورج دیو سنگھ، ڈاکٹر۔ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۰۶ء
17. ادبی تخلیق اور ناول۔ احسن فاروقی۔ مکتبہ اسلوب، کراچی، ۱۹۶۳ء
18. انگریزی ادب کی مختصر تاریخ۔ محمد یٰسین، ڈاکٹر۔ ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۲۰۰۹ء
19. بیسویں صدی میں اردو ناول۔ یوسف سرمست، ڈاکٹر۔ ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، ۱۹۹۵ء
20. بیسویں صدی میں خواتین کا اردو ادب۔ ترنم ریاض (مرتبہ)۔ ساہتیہ اکادمی، دہلی، ۲۰۰۴ء
21. بیسویں صدی میں خواتین اردو ادب۔ عتیق اللہ، پروفیسر (مرتب)۔ ماڈرن پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۰۲ء

22. ترقی پسند تحریک اور اردو ناول۔ ریاض احمد، ڈاکٹر۔ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۰۷ء
23. ترقی پسند اردو ناول۔ انور پاشا، ڈاکٹر۔ پیش رو پبلی کیشنز، نئی دہلی، ۱۹۹۶ء
24. تلاش و توازن۔ قمر رئیس، ڈاکٹر۔ ادارہ خرم پبلی کیشنز، دہلی، ۱۹۶۸ء
25. ٹیڑھی لکیر۔ عصمت چغتائی۔ کتابی دنیا، دہلی، ۲۰۰۶ء
26. داستان سے افسانے تک۔ سید وقار عظیم۔ ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۲۰۰۳ء
27. عصمت چغتائی فن اور شخصیت۔ جگدیش چندر ودھاون۔ کتابی دنیا، دہلی، ۲۰۰۶ء
28. عصمت چغتائی بحیثیت ناول نگار۔ فرزانہ اسلم، ڈاکٹر۔ سیمانت پرکاشن، نئی دہلی، ۱۹۹۶ء
29. عصمت چغتائی کی ناول نگاری۔ شمیم رضوی۔ نیو پبلک پریس، دہلی، ۱۹۹۲ء
30. عصمت چغتائی کا سماجی شعور۔ عشرت آرا سلطانہ، ڈاکٹر۔ جمیل پریس، پٹنہ، ۱۹۸۶ء
31. کاغذی ہے پیراہن (خودنوشت)۔ عصمت چغتائی۔ روہتاس بکس، لاہور، ۱۹۹۲ء
32. ناول کیا ہے؟۔ احسن فاروقی، نورالحسن ہاشمی۔ ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۲۰۰۶ء
33. ناول کا فن اور نظریہ۔ محمد یٰسین، ڈاکٹر۔ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۲۰۰۲ء
34. ناول کا فن۔ ابوالکلام قاسمی (مترجم)۔ ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۲۰۰۱ء
35. ہندو پاک میں اردو ناول۔ انور پاشا، ڈاکٹر۔ پیش رو پبلی کیشنز، نئی دہلی، ۱۹۹۲ء

رسائل و جرائد:

1. عصمت چغتائی سے گفتگو۔ یونس اگاسکر: اردو ماہنامہ ''مکالمات''، دہلی، دسمبر ۱۹۹۱ء
2. عصمت چغتائی سے ملاقات۔ جلیل بازید پوری: اردو ماہنامہ ''مکالمات''، دہلی، دسمبر ۱۹۹۱ء
3. عصمت چغتائی سے انٹرویو۔ شمع افروز زیدی: روہتاس بکس، لاہور، ۱۹۹۲ء
4. غبارِ کارواں۔ عصمت چغتائی: ماہنامہ ''آج کل'' نئی دہلی، نومبر ۱۹۷۰ء
5. دوزخی۔ عصمت چغتائی: اردو ماہنامہ ''مکالمات''، دہلی، دسمبر ۱۹۹۱ء

English Books:

1. A Preface to Jane Austen; Gillie Christopher, Longman Group Ltd, Hong kong, 1947
2. Aspects of the Novel; E.M. Foster, Harmondsworth, Penguin,196
3. An Introduction to the Study of Literature; W.H. Hundson, George Harrap & Company Ltd.
4. A Jane Austen Companion; F.B. Pinion, Macmillion Education Ltd, London, 1973
5. A History of English Literature; B.P. Chaudhuri, Aarti Book Centre, New

Delhi,1972

6. A History of Urdu Literature; Ali Jawad Zaidi, Sahitya Academy, New Delhi,2006
7. Austen's Unbecoming Conjuctions; Jillian Heydt- Stevenson, Palgrave Macmillan, New york,2005
8. A Bibliography of Jane Austen; D.J. Gilson, Oxford Clarenden Press,1982
9. A Little Bit of Ivory: A Life of Jane Austen; E.Vipont, Hamish Hamilton, London,1977
10. Critics on Jane Austen; Edited by Judith O'Neill, George Allen & Unwin Ltd, London,1970
11. Comic Faith: The Great Tradition from Jane Austen to Joyce; R.M. Polhemus, University of Chicago Press, London,1980
12. Critical Essays on Jane Austen; B.C. Southam, Routledge and Kegan Pal, London,1986
13. Forms and Movements; Dr. Gunjan Chaturvedi, Shivam Publications, Agra,2002
14. Heroines in Jane Austen; a study in character, Atma Ram, kalyani Publishers, New Delhi,1982
15. In the steps of Jane Austen: town and country walks; Anne marie Edwards, British Broadcasting Corporation London, 1879
16. Jane Austen's Pride and Prejudice; Dr. Nirupma Mishra, Shivam Publications, Agra,1996
17. Jane Austen and the state; M.Evans, Tavistock Pub. London,1987
18. Jane Austen and her concept of social life; Sushila Singh, S.Chand & Co. New Delhi,1981
19. Jane Austen and French Revolution, W.Robert, Macmillan, London, 1979
20. Jane Austen's English; K.C. Phillipps, Andre Deutsch Limitted, London, 1970
21. Jane Austen and her life; M. Lascelles, Oxford University Press, London, 1939
22. Jane Austen and her Predecessors; F.W. Bradbrook, Cambridge University Press, London, 1966
23. Jane Austen's Heroines: Intimacy in Human Relationship; John Hardy, Routledge and Kagan Paul, London, 1984
24. Jane Austen's Novels: Social change and Literary Forms; J.P. Brown, Harvard University Press, London,1979
25. Jane Austen: The Six Novels; W.A. Craik, Methuen, London, 1965
26. Jane Austen's Novels: A Study in Structure; Andrew H.Wright, David Campbell Publishers Ltd. London, 1991
27. Jane Austen and the Drama of Woman; W.Smith, Macmillan, London, 1983
28. Jane Austen: Facts and Problems; R.W. Chapman, Oxford Clarendon Press, London,1948

29. Pride and Prejudice; Jane Austen, David Campbell Publishers Ltd. London.1991

30. Pride and Prejudice: A Critical Evalution; Dr. S.Sen, Unique Publishers, New Delhi, 1992

31. Pride and Prejudice: A Critical Study; Dr. B.P. Asthana, Sahitya Bhandar Publishers, Meerut,1990

32. Romance, language and education in Jane Austen's novels; L.G. Mooneyhan, Macmillan, London,1988

33. The errand of form: an essay on Jane Austen's art; J.Wiesenfarth, New York,1967

34. The rise of the woman novelists from Aphra Behn to Jane Austen; J.Spencer, Basil Blackwell, London, 1987

35. The Language of Jane Austen; Norman Page, Basil Blackwell, London,1972

36. The novels of Jane Austen: an interpretation; Darrel Mansell, Macmillan, London,1974

37. Woman As a Novelist: A Study of Jane Austen; Atma Ram, Doaba House, Nai Sarak, Delhi,1989

38. World's Ten Greatest Novels; W.S. Maugham, Fawcett Publications, New York,1956